



إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ
 صَافِيًا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مِّنْ صُوفٍ ۝
 ترجمہ: بلاشبہ اللہ تو ان سے محبت کرتا ہے جو اس
 کے راہ میں (اپنے طرح) صاف ہاتھ کر لڑتے ہیں گویا یہ
 پلائی ہوئی دیواریں ہیں۔
 (پارہ ۲۸- سورہ ۶۱، الصف، آیت ۱۷)

ضربِ حیدری

سید مراد علی جعفری



ادارہ تحقیق دانش مشرق

۳۲-۳۳، رضویہ سوسائٹی، کراچی

فَاتِلُ

الشَّاهِدِ

السَّمِيعِ

الْبَاصِرِ

السَّجِدِ

الْمُحِيطِ

الْأَكْبَرِ

بَاقٍ

حَقٌّ

مُشْكِلٌ

مُكَارِنٌ

مُتَعَدِّ

فَاتِلُ

الشَّاهِدِ

السَّمِيعِ

الْبَاصِرِ

السَّجِدِ

الْمُحِيطِ

الْأَكْبَرِ

بَاقٍ

حَقٌّ

مُشْكِلٌ

مُكَارِنٌ

مُتَعَدِّ

فَاتِلُ

الشَّاهِدِ

السَّمِيعِ

الْبَاصِرِ

السَّجِدِ

الْمُحِيطِ

الْأَكْبَرِ

بَاقٍ

حَقٌّ

مُشْكِلٌ

مُكَارِنٌ

مُتَعَدِّ

اے پروردگار !

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 طَهِّرْ الْفَسَادَ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ مَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ فَاطْهِرِ اللَّهُمَّ
 لَنَا وَلِيَّكَ وَابْنِ بَيْتِكَ الْمُسَمَّى بِاسْمِ رَسُولِكَ حَتَّى لَا
 يَنْظُرَ بَشَرٌ مِنْ الْبَاطِلِ الْأَمْرِقَةِ وَيُحَيِّ الْحَقَّ وَيَحْقِقَهُ
 وَاجْعَلْهُ اللَّهُمَّ مَفْزَعًا لِمُظْلَمِي عِبَادِكَ وَنَاصِرًا لِلَّذِينَ لَا يَجِدُ لَهُ
 نَاصِرًا غَيْرَكَ وَمُجِدِّدًا لِمَا عَظِلَ مِنْ أَحْكَامِ كِتَابِكَ وَمُشِيدًا
 لِمَا وَرَدَ مِنْ أَعْلَامِ دِينِكَ وَسُنَنِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ

پروردگار میں فساد رونما ہو گیا ہے اور خود لوگوں ہی کے ہاتھوں اے اللہ !
 اپنے ولی (صاحب العصر) کو جو تیرے نبی کی بیٹی کا فرزند ہے اور تیرے رسول
 ہی کا ہم نام ہے، ظاہر فرمادے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پروردگار نہ
 کرے، اور حق کو حق ثابت کر کے رہے۔ اے اللہ ! اُن کو اپنے مظلوم
 بندوں کا پشت پناہ، اور جس بے کس کا تیرے سوا کوئی نہ ہو، اُس کا مددگار
 بنادے، اُن کو جلد دے، کہ تیری کتاب کے جو احکام معطل ہو رہے ہیں،
 انھیں وہ پھر سے جاری و ساری کر دیں، اور تیرے دین کی نشانیوں، اور تیرے
 نبی ﷺ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو مستحکم کر دیں۔

انتظارِ ظہورِ امیرِ آلہ حاصل لا الہ الا اللہ

مولودِ کعبہ

امیرِ محمد

منابرِ فاطمہ

مالکِ قمریہ

افکارِ قمریہ

مظہرِ امیرِ محمد

معارفِ عالمہ

سیرتِ اوصیائے

کاملائین

جامعِ فتوح

دنیائے کتاب و سنت

ناجدا

فطرت

شمعِ برزخ

سجوات

مہرِ تابان

رازِ انوار

سیرتِ نبیائے

مظہرِ صفاتِ الہیہ

خطباتِ مہرِ رسولی

افکارِ فلاح

منشورِ منکبت

معارفِ شریعت

واقف

حقوق غیر محفوظ

کتاب کی شناخت	مربب میدری
کاوش	سید مراد علی جعفری
کتابت	عبد القیوم گوندل
تصحیح	مولوی اشفاق حسین
ناشر	ادارہ تحقیق و دانش مشرق
مطبع	ایس ایم پرنٹرز
طبع	بار اول رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ
تعداد	ایک ہزار
تعاون	سید کاظم حسن زیدی
شرط حصول	ایک سو پچاس روپے صرف
مراکز حصول !	

۱: پاکہ محرم ایجوکیشن ٹرسٹ - ۲۷۹، بریٹورڈ کراچی

فون نمبر: ۲۳۳۵۴۲

۲: افتخار بک ڈپو - اسلام پورہ لاہور - فون: ۲۲۳۶۸۶

۳: محفوظ بک ایجنسی - مارٹن روڈ کراچی فون: ۲۲۳۲۸۶

۴: عباسی کتب خانہ - جرنال مارکیٹ کراچی -

فون نمبر: ۷۰۲۶۴۵۶

۵: رحمت اللہ بک ایجنسی - کھارادر کراچی - فون نمبر: ۲۳۳۱۵۷۷

۶: علمدار جعفری بک ڈپو

امام بارگاہ شہداء کربلا - انجولی - کراچی فون: ۶۷۶۴۰۹

نمبر شمار	ترتیب	صفحہ نمبر
۱	اسے پروردگار	۱
۲	ضربِ حیدریؑ	۳
۳	ضربتِ علیؑ	۶
۴	بسم اللہ الرحمن الرحیم	۷
۵	ضرباتِ حیدری	۸
۶	تقریظ محترم سید غلام نقی رضوی دامِ مجدکم	۹
۷	فتکلموا العرفوا	۲۰
۸	لافشی الاعلیٰ	۲۱
۹	حضرت علیؑ کا سوانحی حناک	۲۲
۱۰	مولائے کائنات کا نسب نامہ	۲۴
۱۱	حضرت علیؑ کی شخصیت کے چند پہلو	۵۵
۱۲	عہد نبوی کے غزوات	۵۸
۱۳	امیر المومنین کا دوسرا دور	۵۹
۱۴	غزوہ بدر	۶۰
۱۵	غزوہ احد	۹۱
۱۶	غزوہ بنی نضیر	۱۲۲
۱۷	غزوہ احزاب	۱۲۷
۱۸	غزوہ قرظہ	۱۵۰

تاج محمد رسول

فانال الخيرة

صاحب
الكتاب

محمد الله

الهدى

الانسان

صالح
الوفاء

مختار الوعد

فانك
الناكثين

فانك
القاسطين

شيخ
الحاجين

امام
الانصار

فانك
الناكثين

الناكثين

الشهيد

الكرام

الساجد

الصفي

الامين

يا حب
طه

مستحل
مكارون

سيد
الدين

سيد
الله

عين
الله

نمبر شمار	مترتيب	صفحه
۱۹	معاهدة حديبية	۱۵۷
۲۰	غزوة خيبر	۱۸۱
۲۱	اراضى ندى	۱۹۷
۲۲	فتح مكة	۲۰۱
۲۳	تطهير كعب	۲۱۸
۲۴	يوم غيضاء	۲۲۱
۲۵	غزوة حنين	۲۲۷
۲۶	محاصرة طائف	۲۳۷
۲۷	تقسيم غنائم	۲۴۲
۲۸	يمين بنى نضير اسلام	۲۴۶
۲۹	امارت يمين	۲۴۸
۳۰	سرية دارى الرمل	۲۵۰
۳۱	سرية بنى طي	۲۵۲
۳۲	غزوة تبوك	۲۵۷
۳۳	تبليغ سورة براءة	۲۶۸
۳۴	دعوت مباہلہ	۲۷۳
۳۵	سرية بنى زبيد	۲۸۲
۳۶	حجة الوداع	۲۸۷
۳۷	غدير خم	۲۹۲
۳۸	جيش اسام	۳۰۲

ضَرَبْتُ عَلِيَّ
يَوْمَ الْخَنْدَقِ
أَفْضَلُ

مِنْ عِبَادَةِ الثَّقَلَيْنِ
(ارشادِ رسول اللہ ص)

غزوہ خندق کے دن علی کی ایک ضربت
ثقلین کی عبادت سے افضل ہے



يحيى النور

محيى
خود وسمعا

محيى
شعره وسمعا

محيى
مصطفى

محيى
الصدى

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
الصدى

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

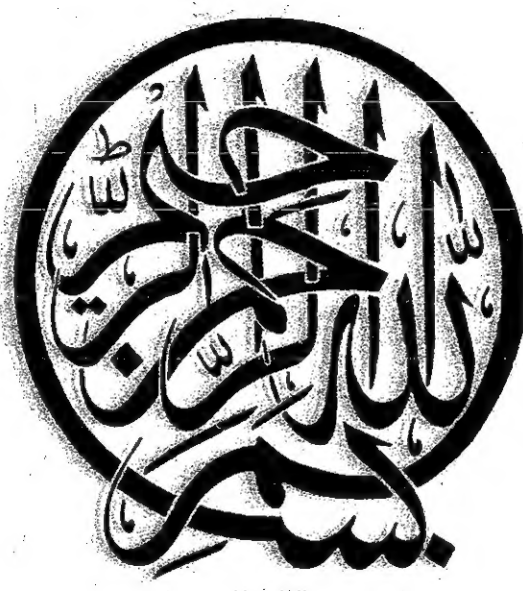
محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل

محيى
مستقل



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضرباتِ حیدری

ولادت باسعادت حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ

وہ نورِ خدا جس سے رسالتِ نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خلق ہوئے، اُس کا ایک حصہ نسلِ بعدِ نسلِ اصحاب و ارحامِ پاکیزہ میں منتقل ہوتا ہوا صلبِ ابوطالب اور رحمِ پاکیزہ حضرت فاطمہ بنتِ عبد اللہ ابنِ ہاشم ابنِ منات میں پہنچ کر اس دارِ فانی میں بروز جمعہ تبارخ ۱۳ ربیع الثانی ۵۹۸ھ (۶۰۰ء) خوفِ کعبۃ اللہ "مکہ معظمہ" میں منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوا۔

حضرت رسولِ خدا ﷺ بھی سہرور ہوئے اور تربیتِ مولود یعنی حضرت علیؑ کی ذمہ داری خود نبھالی۔ بوقتِ بعثتِ رسولِ خدا ﷺ آپ کی عمر ۱۳ سال تھی۔ اُس وقت آیت "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" (اشعراۃ آیت) نازل ہوئی۔ تو آپؐ ہی نے بحکمِ رسولِ خدا ﷺ چالیس افرادِ خاندان کو جمع کیا۔

امیر المومنینؑ کا پہلا دور (قبل از ہجرت) دعوتِ ذوالعشیرہ کا انتظام

حضرت علیؑ کے ذمہ تھا۔ آنحضرتؐ نے سردارانِ قریش کے سامنے فرمایا کہ:

"آج جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا وہ میرا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہوگا۔"

حضرت علیؑ نے تصدیق فرمائی اور اُسی وقت آپؐ آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے۔

ضرباتِ حیدری

تقریظ : عالی جناب الحاج سید غلام نقی ضوی دامِ مجدہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى
مُحَمَّدٍ وَآهِلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ الْمُعْصِمِينَ
أَتَابَعْدُ !

ارشادِ ربِّ جلیل وخالقِ جبریلؑ ہے کہ:

”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“
(سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ آيَةُ ١٩)

”بیشک اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔“

اسلام کامل ہے۔ اس کی افضلیت اور تکمیل کی گواہی خود

اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ یہ وہ کامل دین ہے جو تمام قانونی مراحل میں عدالت
کے تقاضوں کا لحاظ رکھتا ہے، اور قانون کی پابندی کرنے والوں کو خوشگوار
زندگی کی ضمانت دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مَتَى ذَكَرَ أَوْ أُنْشِئَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

قُلُوبُ مَرْضَاكَ

مُظْهِرُ الْعَجَائِبِ

تَابِعُور

مَوْلَا

عِلْمُور

مَسِيدُ الْقُتُوبِ

مَحْبُوبُ

بُور

الْمُحَاطَّاتِ

مُسْتَبْطِ

رَافِعِ

الْمُطْبَعِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

الْعَالَمِينَ

أَقْدَامُور

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

الْمُطْبَعِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

الْمُطْبَعِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

الْمُطْبَعِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

الْمُطْبَعِينَ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ

حَيَوة طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ ۝ (پارہ ۱۴، سورۃ النحل آیت ۹۶)

یعنی: ”جو شخص مرد ہو یا عورت عمل صالح بجائے لیکن وہ مومن ہو
پس ہم بالضرور اُس کو ایک پاکیزہ زندگی (حیاتِ طیبہ) عطا کریں گے
اور ہم اُن کو ضرور ضرور اُس عمل کے اجر میں جو وہ بجالاتے، بہترین اجر
عطا کریں گے۔“

اس آفاقی دین کے احکام ہر دور میں پیدا ہونے والے گناہوں
مسائل کو تسلی بخش طور پر حل کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

خداوندِ عالم عادل ہے، اُس کا اپنے بندوں سے جزاء اور سزا کا
وعدہ اس امر کی محکم دلیل ہے کہ وہ (بندے) اپنے بعض اعمال میں محتاط نہیں
مجبور نہیں۔ انہی انسانی افعال کے پیشِ نظر خدائے بزرگ و برتر نے رسولِ بھیجے
کتابیں نازل فرمائیں اور بندوں کو اچھے اچھے کاموں کے بجالانے کا حکم دیا،
اور بُرے کاموں سے بچنے کی ہدایت فرمائی۔ اگر انسان کو قطعی طور پر بے اختیار
مان لیا جائے تو انبیاء کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا عبث قرار پائے گا۔
اور بندوں پر خدا کا عقاب قیہ ہوگا عقل کا فیصلہ ہے کہ جو بات کسی کے اختیار
سے باہر ہو اُسے اُس پر سزا دینا قیہ ہوگا ایسی سزا ظلم کی بدترین قسم ہے اور ظلم
فتح سے خداوندِ عالم کی ذات بہت بلند و پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اُن کے امکان اور طاقت و وسعت
کے مطابق انھیں ایسے امور کا پابند کیا ہے جن میں اُن کی بہتری ہو، اور ایسے کاموں

سے روکا ہے جن میں خود اُن کا نقصان ہو۔ ان پابندیوں کو شرعی اصطلاح میں "تکلیف" کہتے ہیں اور جس شخص پر ان پابندیوں کا اطلاق ہو اُس کو مکلف "کہا جاتا ہے۔" تکلیف "واجب ہے اور اُس کی بنیاد فلاح اور مصلحت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بغیر دینی اور دنیاوی فوائد کا حصول ممکن نہیں۔ جس طرح لوگوں کی صلاح و فلاح کا اہتمام کرنے اور فساد کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک نبی کا مبعوث ہونا ضروری ہے، بالکل اسی طرح نبی کے بعد اُن احکام کو لوگوں تک پہنچانے، اسلامی حدود قائم کرنے، دین اسلام کی حفاظت کرنے، لوگوں میں عدل برقرار رکھنے، اُن کے درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلے کرنے اور انھیں عبادات، معاملات اور سیاسیات کے احکام بتانے کے لیے "امام" کا ہونا بھی ضروری ہے۔

قرۃ ناجیہ (اشاء عشریہ) کی اصطلاح میں "امام" اُس شخصیت کو کہتے ہیں جو خدا کی جانب سے نیابت و خلافتِ رسول کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ اُن کے اعتقاد کے مطابق نائبِ رسول (امام) کی تعیین خدا پر واجب ہے۔ خلافت و نیابتِ رسول درحقیقت زمین پر نیابتِ خدا ہے لہذا جو بجائے پیغمبر اُس کی جگہ پر آئے وہ بھی اُسی کے حکم سے آنا چاہیے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ نبی یا رسول کو براہِ راست خدا مقرر فرماتا ہے لیکن نبی یا رسول کے نائب کو خدا کے حکم سے نبی یا رسول ہی مقرر کرتا ہے۔ نائب کے لیے اُن تمام خصوصیات کا موصوف ہونا ضروری ہے جو نبی یا رسول میں ہوں۔ ورنہ وہ حقِ نیابت ہرگز ادا نہیں کر سکتا۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ "نبی" ہے

اور یہ ”امام“ جس طرح نبی یا رسول کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ”معصوم“ ہو
یعنی ہر گناہ ظاہری و باطنی سے پاک و مبرا ہو۔ اسی طرح بعد رحلت نبی (کونکہ
ابھی ضروریات دین باقی ہیں اس کے لیے) نائب کا ہونا اور اس کا معصوم ہونا بھی
ضروری ہے، تاکہ احکام خداوندی کو بخلاص اور بے کم و کاست بندوں تک
ارشادات الہی کے مطابق پہنچا سکے اور بعد پیغمبر تحفظ شریعت کا صحیح اہل ہو۔
سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴ ”لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ“ یعنی:

یہ میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا“ سے بھی ثابت ہے کہ امامت کے لیے عصمت
شرط ہے۔ یہ امر بھی بدیہی ہے کہ ابوالائمہ حضرت امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام
اور آپ کی اولاد طاہرین کے سوا کسی نے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا۔ لہذا ان حضرات
کی عصمت ثابت ہے، اور جن کی عصمت ثابت ہے ان کی امامت بھی ثابت ہے۔
چونکہ ائمہ اثناعشر کے علاوہ کوئی معصوم نہیں لہذا ان کے سوا
کوئی امام بھی نہیں ہو سکتا۔

ائمہ اثناعشر کا منصوص من اللہ ہونا کئی احادیث نبوی سے
بھی ثابت ہے مثلاً حضرت رسول کریم نے ارشاد فرمایا:

(۱) ”إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ الثَّقَلَيْنِ كِتَابُ اللَّهِ وَعِتْرَتِي وَأَهْلُ
بَيْتِي وَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرَوْا أَعْلَى الْحَوْضِ
فَلَا تُقَدِّمُوهُمَا فَتُهْلِكُوا أَوْ تَفَرِّقُوا عَنْهُمَا
فَتُهْلِكُوا وَلَا تَعْلَمُوهُمَا فَإِنَّهُمْ أَعْلَمُ مِنْكُمْ“
یعنی: ”بلاشبہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، اللہ کی

کتاب اور میری عترت جو میرے اہل بیت ہیں، اور یہ دونوں (ایک دوسرے سے) ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں پس تم لوگ اُن پر سبقت نہ کرنا، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے، اور اگر تم ان دونوں علیحدگی اختیار کرو گے پھر بھی تم لوگ ہلاک ہو جاؤ گے، کیونکہ وہ تم لوگوں سے زیادہ جاننے والے ہیں اور تم اُن کو (زیادہ نہیں جانتے کہ وہ کتنے بڑے علم ہیں) (۲) حضرت رسول خداؐ نے حضرت امام حسینؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

”میرا یہ بیٹا امام ہے، اور امام کا فرزند ہے، امام کا بھائی ہے، اور تو اماموں کا باپ ہے۔“

(۳) تخلیق جن و انس کا مقصد اور معرفت خدا

کا وسیلہ ذات ختمی المرتبت م

سُورَةُ الذِّيَاتِ آیت ۱۷۵ میں ارشاد الہی ہوا:

”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“

یعنی: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا ہے تاکہ میری عبادت کریں۔“

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں آسمان اور زمین کے درمیان

جو کچھ بھی ہے، سب اُس کی عبادت میں مصروف ہیں، جو کبھی اپنی فطرت کو بدل کر عبادت سے گریز نہیں کرتے کیونکہ وہ سب قہری نظام کے تحت خلق کیے گئے ہیں ماسوا جنوں اور انسانوں کے۔ ان دونوں کو شرعی نظام کے تحت اختیار دیا گیا ہے اور ان دونوں کا مقصد خلقت، جیسا کہ اوپر آیت میں

بیان کیا گیا ہے، صرف اللہ کی عبادت ہے۔ اور طریقہ عبادت سکھانے اور حصول معرفت خداوندی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے جناب رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ کو حتمی طور پر مبعوث فرمایا۔ چنانچہ اب قیامت تک کوئی دوسرا رسول آئے گا، نہ شریعت منسوخ ہوگی، اور نہ طریقہ عبادت بدلے گا۔

(۴) حضرت محمد مصطفیٰ حضرت ابراہیم کی دعا میں

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے، اور دعا مانگتے جاتے تھے کہ: "اے ہمارے پالنے والے مالک! ہماری یہ خدمت قبول فرما، بیشک تو ہی دعا کا سننے والا اور نیت کا جاننے والا ہے اور اے ہمارے پالنے والے مالک! تو ہمیں اپنا فرماں بردار بنائے رکھ اور ہماری دریت میں سے ایک گروہ پیدا کر جو تیرا کامل فرماں بردار ہو، اور ہمیں ہمارے مناسب (جج) مقامات دکھلا دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بلاشبہ تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہے حد رحم کرنے والا ہے۔"

پھر آپؐ نے یہ دعا مانگی: (سورۃ بقرہ آیت ۱۲۹)

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝"

یعنی: "اے ہمارے پالنے والے مالک! (مکہ والوں میں) ان ہی میں سے ایک رسول کو مبعوث و ظاہر فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں (تسری)

کتاب اور حکمت (دانائی) کی باتیں تعلیم کرے اور اُن کے نفوس کو پاک کرے
بیشک تو ہی غالب اور صاحبِ تدبیر و حکمت ہے۔“

(۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور اُن ہی کی ذریتِ نسل سے نورِ حضرت محمد (جسے اللہ تعالیٰ نے بروایتِ حضرت آدمؑ کی خلقت سے ۹ لاکھ برس قبل اپنے نور سے پیدا کیا تھا) کو صلبِ حضرت آدمؑ میں منتقل فرمایا، اور پھر نورِ محمدؑ نسلِ بعدِ نسلِ اصحابِ ارحامِ پاکیزہ میں منتقل ہوتا ہوا صلبِ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب اور پھر رحمِ پاکیزہ حضرت آمنہ بنتِ وہبؑ میں پہنچ کر اس دنیا میں مکہ معظمہ میں راعی عام الفیل مطابق سن ۵۷۰ء شعبِ الباطل میں منصفہ شہور پر جلوہ گر ہوا۔

چنانچہ آنحضرتؐ کے کارِ رسالت کے بارے میں ارشادِ باری ہے :
”كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ تَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ۝
(سُورَةُ الْبَقَرَةِ آيَةُ ۱۲۹)

یعنی: ”جیسے ہم نے تم ہی میں سے ایک رسولؐ مبعوث کیا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور تمہارے (نفوس کو) پاکیزہ کرے اور تمہیں کتاب (قرآن) اور عقل کی (حکیمانہ) باتیں سکھائے اور تم کو اُن باتوں کی تعلیم دے جس کی تمہیں (پہلے سے) خبر بھی نہیں تھی۔“
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جن الفاظ میں دعا مانگی

بعینہ وہی الفاظ اللہ تعالیٰ نے بروقت بعثت رسولؐ نقل فرمائے ہیں۔

(۶) ولادتِ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؐ

حضرت رسول اللہؐ کی مشہور حدیث ہے کہ:

”اَنَا وَعَلِيٌّ مِّنْ نُورٍ وَاحِدٍ“ ”میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں۔“

چنانچہ وہ نور جس سے حضرتؐ کی خلقت ہوئی، اُس کا دوسرا حصہ
نسلاً بعد نسل اصلاہ اور ارحام پاکیزہ میں منتقل ہوتا ہوا صلیبِ ابوطالبؐ میں
اور پھر رحم پاکیزہ حضرت فاطمہؑ بنتِ اسدؓ ابنِ ہاشمؓ ابنِ عبدمناتؓ میں پہنچ کر اس
دنیا میں مکہ معظمہ میں بروز جمعہ تباریخ ۱۲ رجب المرجب سنہ ۵۹۶ء
جوفِ کعبۃ اللہؐ میں جلوہ فشان ہوا۔

یہ شرف نہ آپؐ سے پہلے، اور نہ آپؐ کے بعد کسی دوسرے
کو حاصل ہوا۔ ”کتاب“ بشارتِ مصطفیٰؐ میں تحریر ہے کہ:

”یزید ابنِ تعنّب بیان کرتے ہیں کہ عباسؓ ابنِ عبدالمطلبؓ اور خندقریشی
کعبہ میں بیٹھے تھے کہ فاطمہؑ بنتِ اسدؓ آئیں اور طوافِ کعبہ میں مشغول ہو گئیں، اسی
دوران وضعِ حمل کے آثار اُن پر ظاہر ہوئے، انھوں نے دعا کی کہ اے صاحبِ خانہ
اے معبودِ یگانہ! میں تجھ پر اور تیرے انبیاء و مرسلینؑ پر ایمان رکھتی ہوں، اور اپنے جدِ
بزرگوار حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کروں، تجھے واسطہ اس گھر کا اور اس گھر کے بنانے والے
کا، اور اس فرزند کا جو میرے شکم میں امانت ہے کہ تو اس ولادت کو میرے واسطے
آسان بنا دے۔“

ادھر دعاءِ فاطمہ ختم ہوئی، ادھر دیوارِ کعبہ شق ہوئی۔ فاطمہ اندر داخل ہوئیں اور دیوارِ کعبہ پھر اس طرح مل گئی کہ شگاف کا اثر و نشان تک باقی نہ رہا۔ دروازہ کعبہ کسی کے کھولنے سے نہ کھلا۔ چوتھے روز فاطمہ بچے کو لیے ہوئے خانہ کعبہ سے یہ کہتی ہوئی برآمد ہوئیں کہ: "میں دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہوں، مجھے خدا نے اپنے گھر میں جگہ دی، اور روزانہ طعامِ جنت سے نوازا۔"

یزید ابنِ تعنّب راوی ہیں کہ: رسولِ خدامِ ولادتِ علی سے بہت زیادہ مسرور ہوئے، اُن کا گہوارہ اپنی خواہ گاہ میں رکھتے اور ہلا ہلا کر لوریاں دیتے تھے۔ شیر و شربت خود پلاتے تھے، خود تربیت فرماتے، اپنے سینے اور کندھوں پر بٹھاتے اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کرتے کہ "یہ میرا برادر ولی اور میرا ناھ ہے میرا وصی، خلیفہ اور میری کرمیہ کا شوہر بھی ہے، اپنے دوش مبارک پر بٹھا کر مکہ کی گلیوں اور کوچوں میں گھماتے تھے۔"

غرض حضرت علیؑ دوشِ رسالت پناہ اور سایہٴ عاطفت میں تربیت کے منازل طے کرتے ہوئے علم و علم، زہد و تقویٰ، شجاعت و سخاوت، فصاحت و بلاغت، عبادت و ریاضت، کرم و رحم، شفقت و محبت، عدالت و انصاف میں اُس مقامِ اعلیٰ پر فائز ہو گئے کہ رسولِ خدا کے برحق جانشین قرار پائے۔

بعثت نبوت آنحضرت (سورۃ العلق آیت ۱ میں ارشاد ہوا:)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۙ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۚ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

ترجمہ: ”(اے رسول!) پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر، جس نے پیدا کیا (ہر شے کو) اُس نے انسان کو جسے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم سے تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو وہ باتیں بتائیں جن کو وہ (بالکل) نہ جانتا تھا۔“

تفسیر :- یہ سورۃ اپنے اوصاف کے اعتبار سے سید مفید ہے۔

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص بحری سفر میں اس کو پڑھے، غرق ہونے سے محفوظ رہے گا۔ کسی غرق کی جگہ پڑھے تو غرقانہ محفوظ رہے گا۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”شب و روز میں اگر اس سورۃ کو پڑھے اور اُسی شب میں یا دن میں انتقال ہو جائے تو شہید مرنے والے اور اس کا ثواب آنحضرتؐ کے ہمراہ جہاد کرنے والوں کے برابر ہوتا ہے۔“
(تفسیر مجمع البیان) *

* یوں تو حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نبوت بمطابق حدیث نبویؐ:

”كُنْتُ نَبِيًّا وَادْمُرُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ“ یعنی: ”میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدمؑ آب و گل کے درمیان تھے۔“

اور اسی حدیث کی رو سے آپؐ اُس وقت بھی نبی تھے جب آپؐ کا ظہورِ زی نور اس عالم میں جلوہ گر ہوا لیکن لوگوں کی ہدایت اور تبلیغ کے امور بعثت (اعلانِ نبوت) کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ بروایت ”حیات القلوب“ آپؐ

چالیس سال کی عمر سے پہلے اپنی نبوت پر خود ہی عمل کرتے تھے۔ جب آپ کی بعثت عام لوگوں کے لیے ہوئی تو آپ نے تبلیغی امور کا سلسلہ شروع کیا۔

✽ تفسیر قمی کی روایت ہے کہ آپ پر جبریلؑ کا نزول بعمر ۲۷ سال پہلی مرتبہ ہوا لیکن جبریلؑ ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ صرف اُن کی آواز اَلَسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ آپ کو سنائی دی۔ چالیس سال کی عمر میں ۲۷ رجب کو آپ کی بعثت مامہ ہوئی اور آپ پر سورۃ العلق " نازل ہوئی۔

✽ "تفسیر انوار النفع" میں ہے کہ جبریلؑ ایک حسین ترین شکل میں پیش ہوئے اور انھوں نے آپ کو سلام خداوندی کا پیغام سنایا اور یہ کہا کہ آپ جن و انس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا اُن کو دین حق کی تبلیغ فرمائیں اور عقیدہ توحید، نبوت اور ولایت کی اُن کو دعوت دیں۔

اس کے بعد جبریلؑ نے زمین پر اپنا پر مارا جس سے شیریں پانی کا ایک چشمہ نمودار ہوا۔ آپ نے اُس سے کچھ پانی پیا اور وضو فرمایا۔ پھر جبریلؑ نے "سورۃ العلق" کی آیات آپ پر پڑھیں اور واپس چلے گئے۔

✽ "المسعودی" میں ہے کہ منذر جبریلؑ والا مذکورہ آیات مَالَمْ یَعْلَمْ تک "کوہ حرا" میں نازل ہوئیں۔ یہاں آپ تھوڑے عرصے سے معتکف تھے اور وہیں شب و روز عبادت کرتے تھے۔

✽ بروایت "ابن شہر آشوب راوندی" و "طبری" وہ وہاں فرشتوں کی آوازیں سنتے تھے اور سچے خواب دیکھتے تھے، اور ان حالات کی اطلاع حضرت علی ابن ابی طالبؑ سلام اور حضرت خدیجہ الکبریٰ کے علاوہ کسی کو نہ تھی۔

☆ بروایت " حیات القلوب " آپ جب کوہِ حرا سے اپنے گھر کی طرف تشریف لارہے تھے تو ہر وہ چیز جو راستے میں آئی چاہے وہ درخت ہوں یا گل بوٹے، سب نے آپ ﷺ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ کہہ کر سلام کیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو آپ کو انوارِ باری گھیرے ہوئے تھے۔ جنابِ خدیجہؓ نے پوچھا کہ میں کیا دیکھ رہی ہوں۔ آپ نے فرمایا: جبریلؑ آئے تھے اور انھوں نے کارِ رسالت انجام دینے کی طرف متوجہ کیا ہے اور سورۃ اقرا " کی تلاوت کی ہے۔

یہ سن کر جنابِ خدیجہؓ کی باچھیں کھل گئیں، کہا: میں اس کے آثارِ آپؐ میں پہلے سے دیکھ رہی تھی۔

پھر فوراً کلمہ پڑھا۔ اس کے فوراً بعد حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ نے تصدیق رسالت کی جس کے وہ پہلے ہی سے منتظر تھے، پھر نازِ جماعت قائم ہوئی۔ ایک امامؒ تھا اور دو امامؒ۔ اُس وقت اسلام ظاہری طور پر انہی میں محدود تھا۔

حضرت علیؓ عَلَیْہِ السَّلَام فرماتے ہیں کہ: "میں اور خدیجہؓ دو ہی تھے جو پیغمبری کی ہنک سونگتے اور رسالت کا نور دیکھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: "میں نے شیطان کو فریاد کرتے سنا۔"

استفسار پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ: "شیطان اپنی یاہوسی پرگریہ کر رہا ہے اے علیؓ! جو میں دیکھتا ہوں، وہ تم بھی دیکھتے ہو، جو میں سنتا ہوں، وہ تم سنتے ہو، فرق یہ ہے کہ میں نبی ہوں اور تم میرے وصی ہو۔"

سلسلہ وحی کے بعد آپؐ تین سال تک خاموشی کے ساتھ تبلیغ کرتے

رہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

”وَإِنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۖ“ (سورة الشعراء آیت ۲۱۷)

(اور تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ)

اس کے بعد آپ نے اپنے خاندان کے چالیس افراد کو حضرت علیؑ کے ذریعے سے جمع کیا (جن میں ابن ابی قحافہ، ابن خطاب، ابن عفان اقرابتے رسولؐ میں نہ ہونے کی وجہ سے نہیں گئے تھے) جب اہل خاندان جمع ہو گئے اور آپ نے خطاب کرنا چاہا تو اہل قریش کی سرکشی کی وجہ سے خطبہ نہ دے سکے۔ دوسرے دن پھر بلایا، تو حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ سینہ سپر ہو کر ان کے سامنے آئے، اور رسول کریمؐ نے اجتماع سے پُر زور خطاب فرمایا اور کوئی دم نہ مار سکا۔ تبلیغ کی اس اہم منزلِ اول میں رسول خداؐ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو سینے سے لگا کر وصایت و خلافت کی بشارت دی۔

(ملاحظہ فرمائیں: تاریخ طبری جلد ۲ ص ۲۱، تاریخ الکامل جلد ۱ ص ۲۲،

تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۱۶، تفسیر لباب التأویل جلد ۳ ص ۳۴،

تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ ص ۱۰۵، تفسیر طبری ج ۱ ص ۶۹،

تفسیر درمنثور جلد ۵ ص ۹۷، کنز العمال جلد ۲ ص ۴۰۱،

ینایح المودہ ص ۱۰۵، تفسیر ثعلبی، مسند ابن حنبل،

حبیب السیر جلد ۱ ص ۱۶، چودہ ستارے ص ۱۲،

اربع المطالب ص ۱۵، ڈیول پورٹ ص ۵، تاریخ کلین ص ۸۳

بحوالہ الفرقان المجید ترجمہ حافظ فرمان علی صاحب اعلی اللہ مقامہ)

زیر نظر تصنیف میں فاضل مصنف نے اخوی و وصی رسول اللہ ﷺ،
 ابوالائمہ حضرت علی ابن ابی طالب کی صفت شجاعت، جس کا مظاہرہ آنحضرت
 نے غزوات و مہمات و خدمات کے سلسلہ میں جو رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
 نے آنحضرت کے سپرد فرمائی تھیں، نہ صرف تفصیلاً اُن کا ذکر کیا ہے، بلکہ اُن
 محرکات اور معرکوں کے علل و علائل اور اُن سے حاصل کردہ نتائج کا استنباط
 بھی علامانہ، عاقلانہ اور فلسفیانہ انداز سے کیا ہے، جس سے اُن کی علمی
 صلاحیت، تحقیقاتی حقائق اور نفسِ مضمون پر اُن کی دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔
 قبل اس کے کہ نفسِ مضمون پر کچھ گفتگو کی جائے، صفت شجاعت
 پر سرسراہے روشنی ڈالنا ضروری ہے تاکہ قارئین کرام کو یہ اندازہ ہو سکے کہ:
 مولائے کائنات کس دلیری، جانفشانی اور تندہی سے اپنے محبوب، مہربانی اور
 محسن و شفیع، پالنہار اور اخوی، معظم رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ
 علیہ السلام کے فروغ و تکمیل دین کے سلسلہ میں ہر کام رہے، اور بقائے دین
 نیز خوشنودی و رضائے خدائے متعال و رسول ربِّ ذوالجلال کی خاطر اپنی جان
 تک نثار کرنے سے گریز نہیں کیا۔

محققینِ جدید و قدیم نے انسان میں تین فطری و پیدائشی طور پر
 پائی جانے والی قوتوں (۱) شہوانی (۲) غصبی اور (۳) نطق و ادراک پر
 مکامِ اخلاق کی بنیاد ڈالی ہے، اور انہی مکامِ اخلاق کے مالک ہو جانے کو
 سبب و معیارِ کمالِ انسانیت قرار دیا ہے۔

مکام اخلاق کا انحصار ان چار فضائل پر ہے:

(۱) حکمت (۲) شجاعت (۳) عفت (۴) عدالت۔

(۱) "حکمت" یہ صفت قوتِ نفسِ ناطقہ و ادراک کے اعتدال سے حاصل ہوتی ہے۔ اور حکمت کے ساتھ "علم" کی صفت ضروری ہے۔

(۲) "شجاعت" یہ صفت قوتِ غضبی کے اعتدال سے حاصل

ہوتی ہے، جو (۱) کبر (۲) نجرت (۳) علویت (۴) ثبات،

(۵) حلم (۶) سکون (۷) شامت (۸) تحمل (۹) تواضع،

(۱۰) حمیت اور (۱۱) رقت کی صفات پر مشتمل ہے۔

(۳) "عفت" یہ صفت قوتِ شہوانی کو اعتدال میں رکھنے سے

حاصل ہوتی ہے۔

(۴) "عدالت" یہ صفت 'مدرجہ بالا ہر سہ صفات کے فضائل

کے اجتماع سے و فضیلتِ عدالت حاصل ہوتی ہے

مدرجہ بالا تمام اوصاف و فضائل امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؓ

میں بدرجہ اتم موجود تھے، آپ کی سیرت ان تمام اوصاف کی آئینہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ خاتم الانبیاء سید الرسل حضرت محمد مصطفیٰؐ کے

اخلاق کے بارے میں سورۃ القلم کی آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“

یعنی: ”اور بے شک آپ خلیقِ عظیم کے مرتبے پر فائز ہیں۔“

یہ ہے سیدِ اعزّت کے خلیقِ عظیم پر فائز ہونے کی اللہ کی عطا کردہ۔

فَلَسْمَرْدُ خَارِ

مُطَهَّرُ الْعَجَائِبِ

تَاجُورُ جَلَالِ الْهَمَى

مَوْلَانِی بَرَكَاتِ

سِرِّ جَمَّةِ عَلَوْرِ دَانِ

سَيِّدِ الْقَوْمِ

مَحْبُوبِ الْمُتَحَنِّنِ

دُوحِ شَمْسِ مَطْلَعِ

رَأْسِ الْمُحَاطَبِ

مُسْتَنْبِطِ الْإِرْسَادِ

رَأْسِ الْمُصَلِّينِ

جُودِ الْمُطِيعِينَ

وَلِیِّ الْمُسْتَقِیْنِ

أَمَامِ الْعَادِلِیْنِ

أَوَّلِ الْمُفَضَّلِیْنِ

أَحَابِیْهِ دَائِمًا

وَأَعْظَمِهِمْ

فَضْلًا

قُدُّوۃِ الْمُسْتَقِیْنِ

سَمِیۃِ حَسَنَاتِ

دُرِّائِیۃِ مَعِیۃِ نَفَقَاتِ

عَوَاضِیۃِ بَحْرِ مَعْنٰی

مُفَشِّلِیۃِ كِتَابِ حَقِّ

إِلْمِیۃِ عِلْمِ الْوَحْیِ

اور جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ: نائبِ رسولؐ کے لیے اُن تمام خصوصیات کا موصوف ہونا ضروری ہے جو نبی یا رسول میں ہوتی ہیں، ورنہ وہ حقِ نیابت کا حقتہ ادا نہیں کر سکے گا۔

اور ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ حضرت رسولِ خدا ﷺ ولایتِ حضرت علیؑ سے بہت سرور ہوئے، اور آپؐ نے خود بنفسِ نفیس اُن کی تربیت فرمائی تھی، انھیں اپنے سینے پر سلایا اور اپنے کندھوں پر بٹھایا کرتے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کرتے کہ: "یہ میرا برادر، میرا اول و ناصر، میرا وصی و خلیفہ اور میری لختِ جگر کا شوہر ہے۔"

غرض کہ حضرت علیؑ دوشِ رسالت اور سایہِ عاطفت میں تربیت کے منازل طے کرتے ہوئے علم و حلم، زہد و تقویٰ، شجاعت و دہری فصاحت و بلاغت، عفت و پاکدامنی وغیرہ میں اُس مقام پر پہنچ گئے کہ جس کی خود رسولِ خدا ﷺ کو ضرورت تھی تاکہ خلیفہٴ برحق کے مرتبہ پر فائز ہوں۔ اس مجسمِ خلقِ عظیم کی صفتِ شجاعت کے بارے میں ہم آپؐ کے ایک قول کا ترجمہ کتاب "اخلاقِ نامری" ص ۱۵۵ سے نقل کرتے ہیں:

حضرت علیؑ ابنِ ابی طالبؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"اے لوگو! اگر تم قتل نہ کیے جاؤ گے تو خود (اپنی موت سے) مرو گے، اور قسم ہے اُس کی جس کے قبضہٴ قدرت میں علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی جان ہے کہ سر پر ہزار تلواروں کے زخم کھانا زیادہ سہل اور آسان ہے، اُس سے کہ فرسِ پردم نکلے۔"

مولائے کائنات^۱ اور خدا ماتِ رسولِ اکرم^۲ (نفسِ مضمون کا خلاصہ)

- (۱) ”دعوتِ ذوالعشیرہ“ کے موقع پر اشرافِ قریش مکہ کی موجودگی میں ۱۳ سال کی عمر میں پیغمبرِ اسلامؐ کی تصدیقِ رسالت^۳ اور آنحضرتؐ کی مدد و نصرت کا وعدہ صمیم۔
- (۲) بعد بعثتِ رسولؐ حضرت علیؑ نے تصدیقِ توحید و رسالت کی اور مدد و نصرت کے وعدے کو نبایا۔
- (۳) ایامِ مقاطعہ میں (تین سال تک شعبِ البوطاہ میں پیغمبرِ اکرمؐ اور بنی ہاشم کے مقید رہنے میں) مددِ رسولؐ۔
- حضرت علیؑ شعبِ البوطاہ سے نکل کر مکہ کی نواحی بستیوں میں دور دور تک جاتے اور وہاں سے محنت و مشقت کے ذریعہ جو کچھ میسر آتا اپنی پشت پر لا کر لاتے اور قیدیوں تک پہنچاتے۔
- (۴) شبِ ہجرتِ رسولِ اکرمؐ پر جاں نثاری :

محکمِ رسولِ کریمؐ چادرِ رسولؐ اڑھ کر باطنیان
بسترِ رسولؐ پر اس طرح جو خواب ہو گئے کہ اس سے قبل کبھی نہ سوتے

تھے، اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی رضا کی خاطر فدیہ ذات اقدس پیغمبر اکرم کر دیا۔ اس جاں نثاری کو دیکھ کر اللہ علیٰ اعلیٰ نے آیت کریمہ "وَمَنْ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ" نازل فرمائی یعنی: "لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو رضائے خدا کے حصول کی خاطر اپنے نفس کو اللہ کے بدست فروخت کر دیتے ہیں۔"

(۵) سفر ہجرت کے دوران بدر پیغمبر اسلام:

- (الف) آنحضرتؐ نے جو امانتیں رکھی ہوئی تھیں، اُن کو واپس کرنا،
 (ب) پیغمبر اکرمؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے غامی قیام کے دوران اُن کے طعام کا بندوبست کرنا۔
 (ج) بحریں جانے کے لیے اونٹوں کی خریداری، اور رہبر کو گراہ پیراجیر کرنا۔

(۶) غزوہ بدر سہری: (۱) علمبردارِ سپاہ اسلام کا شرف مبارزانِ اسلام نے اس غزوہ میں تقریباً ستر کفار کو قتل کیا جن میں سے قریب قریب نصف تعداد کو حضرت علیؑ نے تہ تیغ کیا۔ شکر اسلام کی شاندار فتح۔

(۷) غزوہ سولق اور (۸) غزوہ بنی قینقاع بھی سہری میں واقع ہوئیں جن میں حضرت علیؑ نے سردارِ لشکر اسلام کے فرائض انجام دیے اور دشمنین پر فتح و نصرت حاصل کر کے مرکزِ اسلام مدینہ منورہ کو اُن سے پاک کیا۔

(۹) غزوہٴ اُحد ۳ ہجری: (۱) مجاہدین کا علم جو پیغمبر اسلامؐ

کے لیے مخصوص تھا، وہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو عطا فرمایا۔

(۲) طلحہ ابن طلحہ، ابطات اور شریح کفار کے ان تینوں سرداروں

کو یکے بعد دیگرے حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ اب فتح کا رخ

شکرِ اسلام کے حق میں تھا کہ چند نا عاقبت اندیش مجاہدین لشکرِ

اسلام نے مالِ غنیمت حاصل کرنے کی خاطر حفاظتی درہ کو خالی

چھوڑ دیا۔ جنگ کا نقشہ بدل گیا، جس کے نتیجے میں حضرت

رسولِ خداؐ سخت زخمی ہوئے، زیادہ تر اصحاب نے راہِ فرار

اختیار کی مگر حضرت علیؑ اور چند ساتھی ثابت قدمی اور پامردی

آنحضرتؐ کا دفاع کرتے رہے۔ اس موقع پر حضرت علیؑ شدید

زخمی ہوئے، معالج آپؐ کے علاج سے ہی ناامید ہو گیا، زخم پر

زخم لگے ہوئے تھے، بالآخر حضورِ اکرمؐ اپنا دستِ شفاء ان کے

جسم پر پھیرا تو معجزانہ انداز میں حضرتؐ کو شفاء نصیب ہوئی۔

اور وعدہٴ مدد و نصرتِ پیغمبرِ اکرمؐ جاری و ساری رہا۔

(۱۰) غزوہٴ حراء الاسد ۳ ہجری: اس موقع پر بھی آنحضرتؐ نے حضرت

علیؑ کو سپہ سالارِ لشکر بنا کر کفار کی سرکوبی کے لیے بھیجا، اور

ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل، اور ان کے لشکریوں پر اسلام کا

رعب اس قدر چھا گیا کہ سر پر پاؤں رکھ کر جھاگ کھڑے ہوئے۔

(۱۱) قلعہٴ بنی نضیر کا محاصرہ: ۳ ہجری میں فوجِ اسلام نے

قلعہ بنی نصیر کا محاصرہ کیا۔ بالآخر حضرت علیؑ نے "نحرور" جس نے خیمہ رسولؐ پر تیر سے حملہ کر کے اس کو شگافتہ کیا اور فرار ہو گیا تھا، کو گرفتار کر کے اُس کا قسم کیا اور حاضر خدمت رسولؐ خدام کیا۔ بعد ازاں قلعہ پر قابض ہو کر نحرور کے دوست ساتھیوں کے قسم کر کے قلعہ پر آویزاں کر دیے۔

(۱۲) واقعہ انک، نصرت رسولؐ ۲ شہ ۷ھ: زویہ رسول اکرمؐ

حضرت عائشہ پر منافقین نے تہمت تراشی کی۔ جس سے رسول خدام سخت غمگین ہوئے۔ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے رنج و غم کی وجہ دریافت کی، آپؐ نے واقعہ بیان فرمایا۔

حضرت علیؑ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ بات صرف منافقین کا جھوٹ اور بہتان ہے اگر ایسا واقعہ رونما ہوتا تو خدائے قدیر آپؐ کو اُس سے ضرور آگاہ فرمادیتا جس طرح کہ اُس نے جبریل کے ذریعے آپؐ کو اُس جوتے کے بارے میں مطلع فرمایا تھا جو آپؐ نے دورانِ نماز اپنی نعلین مبارک کو اپنے پائے اقدس سے اتار دیا تھا۔ یہ سن کر آنحضرتؐ مطمئن مسرور ہوئے اور حضرت عائشہ سے ایک ماہ کے بعد پھر رجوع فرمایا۔

(۱۳) نصرت رسولؐ بواقعہ جنگِ خندق ۵ شہ ۵ھ:

اس جنگ میں حملہ آور فوج کفار کی تعداد چوبیس ہزار تھی

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دفاعی حربے کے طور پر اطراف میں خندق کھودنے کا حکم دیا تھا، جب عمرو بن عبدود عرب کا مشہور ترین جنگجو اس خندق کو اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر پار کرنے میں کامیاب ہو گیا تو فوج اسلام کو لاکارنے لگا۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اُسکے مقابلہ پر بھیجا، اور آپؐ نے اُس کا سر کاٹ کر آنحضرتؐ کے پاتے اقدس میں ڈال دیا۔ اُس موقع پر رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا: ”جنگِ خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربِ ثقلین کی عبادت سے افضل ہے“

(۱۴) نصرتِ رسولؐ مغزوۃ بنی قریظہ شہ کے موقع پر:

۲۴ مئی ۶۲۷ء مدینہ پہنچنے کے فوراً بعد رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کو لشکرِ اسلام کا علمدار بن کر بنی قریظہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ ایک ماہ تک قلعہ کا محاصرہ کیا، اور بالآخر قلعہ پر حضرت علیؑ نے علمِ اسلام کو نصب کر دیا۔

(۱۵) نصرتِ رسولؐ بموقعہ مہم بنی سعد شہ:

بنی سعد کی سرکوبی کا سہرا بھی حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کے سر رہا۔ آپؐ کے اچانک حملے سے وہ لوگ بھاگ نکلے اور کثیر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا، جو آپؐ نے خمس ادا کرنے کے بعد مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔

(۱۶) نصرتِ اسلام بموقعہ صلح حدیبیہ و تخریرِ عبداللہ:

پیغمبرِ اسلامؐ عمرہ خانہ کعبہ کے لیے تشریف لے گئے

مشرکین مکہ مانع ہوئے۔ آخر نوبت صلح نامہ تک پہنچی۔ پیغمبر اسلامؐ نے اپنا عہد نامہ حضرت علیؑ سے لکھوایا۔ مشرکین نے عہد نامہ میں "رسول اللہؐ" کا لفظ لکھا ہوا دیکھا تو اعتراض کیا کہ ہم آپؐ کو "رسول اللہؐ" مانتے ہی نہیں، اس لفظ کو مٹا کر صرف اپنا نام لکھیں۔ جب حضرت علیؑ سے مٹانے کے لیے کہا گیا تو آپؑ نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ حضور! میں تو آپؐ کو رسول اللہؐ مانتا ہوں، پھر جہلا میں کیونکہ مٹا سکتا ہوں۔ یہ معذرت حضور اکرمؐ نے قبول فرمائی اور قلم لیکر خود حذف کر دیا۔

(۱۴) نصرتِ اسلام جنگِ خیبر شہ پہری میں:

اس جنگ میں اصحابِ رسولؐ یکے بعد دیگرے خیبر کے قلعہ قموص کو فتح کرنے کے لیے شکرِ اسلام کو لے کر جاتے اور ناکام لوٹ آتے۔ بالآخر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو طلب کیا جو اُس وقت آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ رسول اللہؐ نے لعابِ دہن آنکھوں میں لگایا تو یہ تکلیف دور ہو گئی، تو حضور اکرمؐ نے علمِ اسلام آپؑ کے حوالے کیا۔ حضرت علیؑ روانہ ہوئے۔ سب پہلے مرحب جیسے جاناں زہنگو سے مقابلہ ہوا، اُس کو آپؑ نے بڑی چابکدستی سے ایک ہی ضربت میں قتل کیا، پھر آپؑ قلعہ قموص کے دروازے پر پہنچے اور ایک ہی جھٹکے میں بابِ خیبر کی چولیس جہاز کر دیں، قلعہ کے اندر داخل ہوئے تو عنتر جیسے نامی گرامی پہلوان سے مقابلہ ہوا، اس مقابلے کو یہودیوں اور ان کی فوج نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔ حضرت علیؑ نے اُس کو بھی دو حصوں میں برابر تقسیم کر دیا، پھر مزید پانچ پہلوانوں کو قتل کیا، اور قلعہ قموص فتح ہو گیا۔

خدمتِ رسولِ خدا میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے آگے بڑھ کر آپؑ کا استقبال کیا

اور گلے لگایا، دونوں آنکھوں کا برسہ لیا اور فرمایا: "یقیناً اے علی! اللہ بھی تم سے راضی ہے اور میں بھی راضی و مسرور ہوں۔"

(۱۸) نصرتِ اسلام، واقعہ فک شہ کے موقع پر:

جناب رسولِ خدام نے حضرت علیؑ کو خیبر کی نواحی بستیوں میں مصالحت کے لیے بھیجا اور یہ مصالحت اُن کے ہاتھوں طے پائی اس طرح کہ نہ جنگ ہوئی، نہ کوئی قتل ہوا۔ یہودیوں نے فک کو اُن کے حوالے کیا، جو پیغمبرِ اسلامؐ کا خاص حق و ملکیت قرار پایا۔ اسی فک کو رسولِ خدام نے اپنی بیٹی فاطمہ زہراؑ کے نام ہبہ کر دیا، اور آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے چھین لیا۔

(۱۹) نصرتِ اسلام واقعہ غزوہ وادی القریٰ شہ ہجری:

بعد فتح خیبر رسولِ خدام نے وادی القریٰ کا رخ کیا۔ لڑنا مقصود نہ تھا۔ مگر یہودی جنگ کے لیے تیار تھے۔ انھوں نے تیر اندازی شروع کر دی۔ ہر دو جانب سے صفوفِ جنگ آراستہ ہو گئیں۔ حضرت علیؑ نے اس جنگ میں بھی اسلام کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اور بہت سوں کو تربیع کر کے فتح حاصل کر لی۔

(۲۰) نصرتِ اسلام بمقتلہ ذوالسلاسل شہ ہجری:

بحکم پیغمبرِ اسلامؐ اس سرِ یہ میں دشمنانِ اسلام کو دفع کے لیے حضرت علیؑ مامور کیے گئے، اور کامیاب واپس آئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "خدا نے علیؑ کے ذریعہ میری نصرت فرمائی۔"

(۲۱) نصرتِ اسلام - فتح مکہ ۱ھ ہجری :

پیغمبر اسلامؐ جب فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو آپؐ نے تین علم سجاتے۔ ان میں سے ایک حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا۔ بوقت داخلہ مکہ دوسرا علم جو قیس بن سعد کے پاس تھا وہ بھی حضرت علیؑ کو دے دیا گیا کیونکہ قیس سے یہ خون پیدا ہو گیا کہ وہ جنگ نہ شروع کر دے۔ حضرت علیؑ کی بردباری کی وجہ سے مکہ میں داخلہ بغیر کسی خون خرابی کے ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد کعبہ میں نصب بتوں کو رسولِ خداؐ اور حضرت علیؑ نے توڑا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے شانوں پر سوار کیا تو پوچھا: اے علیؑ! اب تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ آپؑ نے عرض کیا کہ: میں اس وقت پردہ ہائے غیبت کو برطرف دیکھتا ہوں اور ساقِ عرش تک پہنچ چکا ہوں، اس وقت ہر شے میری دستِ گاہ میں ہے۔

(۲۲) غزوہٴ حنین ۸ھ ہجری :

دشمنوں کا لشکر تیس ہزار اور لشکرِ اسلام سو لاکھ ہزار^{۱۶} اسلام کی علمبرداری علیؑ کے ہاتھ میں۔ ابتداء میں مشرکین کے اچانک حملے سے لشکرِ اسلام بوکھلا گئے اور بہت سورا جنگ سے فرار ہو گئے۔ لیکن حضرت علیؑ جنابِ رسولِ خداؐ کے شانہ بہ شانہ دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے اور موقع پا کر آپؐ نے قوم ہوازن کے عمار کے اونٹ کی پھلی ٹانگیں کاٹ دیں اور ترمیخ کر دیا۔ لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہو گئی۔

(۲۳) واقعہ طائف شہ ہجری :

غزوہ طائف میں حضرت علیؑ علیہ السلام نے
تقریباً چالیس روز رہا۔ مگر بے سود۔ دریں اثناء پیغمبر اسلامؐ نے
حضرت علیؑ کو مامور کیا کہ اطراف طائف کے بجانوں اور بتوں کو
توڑ ڈالیں۔ چنانچہ آپؑ نے ایسا ہی کیا، قبیلہ بنی غشم سے جنگ
کی اور سردار قبیلہ کو قتل کر دیا۔ جب حضرت علیؑ واپس آئے تو آنحضرتؐ
منتظر تھے تخلیہ میں طولانی گفتگو کی، جو اصحاب کو ناگوار گذری۔ رسولؐ
سے فریاد کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ علیؑ سے گفتگو میں کوئی راز کی باتیں نہیں
کر رہا تھا، بلکہ اللہ خود علیؑ سے راز کہہ رہا تھا۔

غزوہ طائف رسول خداؐ کی زندگی کا آخری غزوہ تھا کہ اس کے بعد
تبوک میں جنگ کی نوبت نہ آئی۔ ابتدائے حیات دعوتِ ذوالعشرہ
اور اختتام حیات نبوت غزوہ طائف تھا۔ اسی لیے رسول خداؐ
نے اپنی طویل گفتگو میں حضرت علیؑ کو تخلیہ میں ابناؤ خداوندی
اسرار الہی، احکامات ربانی، علوم سبحانی اور وہ کل علوم و اسرار جو
لوازم نبوت ہیں حضرت علیؑ کو سپرد کر دیے اور حضرت علیؑ کو
اپنا جانشین مقرر کر دیا۔

(۲۴) نصرت اسلام، سورۃ برأت :

(۱) شہ ہجری میں پیغمبر اسلامؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو
امیر حجاج بنا کر بھیجا، اور سورۃ برأت کی تبلیغ کا حکم دیا۔

(۲) پیغمبر اکرمؐ پر وحی آئی کہ تبلیغ رسالت تم کر سکتے ہو یا وہ شخص جو تم سے ہو۔
 (۳) بموجب حکیم خداوندی حضرت علیؑ کو اس کارِ خداوندی کے لیے روانہ کیا گیا
 انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حاضرین و اجتماع مکہ پر سورۂ برأت کی تبلیغ
 کی اور فرمایا کہ کوئی شخص حکیم خدا و رسولؐ کی نافرمانی نہ کر سکے گا۔
 (۲۵) نصرتِ اسلام تبلیغِ اسلام درمیں:

یمن میں یہدان سب سے بڑا و کثیر التعداد اور
 با اثر خاندان تھا رسولِ خداؐ نے تبلیغ کے لیے خالد بن ولید
 کو مامور کیا۔ ۶ ماہ تک وہ دعوتِ اسلام دیتے رہے لیکن کسی نے
 اسلام قبول نہیں کیا۔ بالآخر آنحضرتؐ نے انھیں بلا بھیجا اور ان کی
 جگہ حضرت علیؑ کو روانہ کیا، آپؑ نے معجزانہ انداز سے تبلیغ فرمائی
 نتیجتاً سارا قبیلہ یہدانی یمنی مسلمان ہو گیا، ان کے ساتھ دوسرے
 اہل یمن بھی مسلمان اور پکے موحد ہو گئے۔
 (۲۶) نصرتِ اسلام، سریرۂ وادی الرمل:

جب اسلام کی مخالفت پر مشرکین کا لشکر وادی الرمل
 میں جمع ہونا شروع ہوا اور رسولِ اکرمؐ کو خبر ہوئی آپؐ نے صحابہ
 کو بھیجا لیکن وہ ناکام واپس ہوئے پھر آپؐ نے حضرت علیؑ کو
 روانہ کیا، آپؑ نے وہاں پہنچ سخت جنگ کر کے دشمنانِ دین
 خدا کا صفایا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ عادلِ محض ہے، وہ اپنی صفتِ عدالت

کرم گستری، مہربانی، عطاء و بخشش اور بے حد فرماں برداری بندگان کی وجہ سے کسی کا قرض اپنے اوپر باقی نہیں رہنے دیتا۔

خدا و رسول خدام کے سید فرماں بردار، اطاعت گزار بندے حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مندرجہ بالا و مذکورہ خدمات دین خدا اور فروغ اسلام کے پیش نظر سنہ ہجری میں جب جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری حج سے واپس ہوئے تو مقام غدیر خم پر وارد ہوئے مسلمانوں کا جم غفیر آنحضرت کے ہمراہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر سورہ مائدہ پارہ کی آیت ۶۵: ”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ... إلخ نازل فرمائی:

یعنی: ”اے رسول! پہنچا دو (میرے اس حکم کو میرے بندوں تک) جو تم پر تھا پالنے والے مالک کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا حق رسالت کا کوئی کام انجام ہی نہیں دیا۔ اور اللہ لوگوں کے شر سے تمھاری حفاظت کرے گا۔“

چنانچہ اللہ کے رسول نے فوراً اس حکم الہی کی تعمیل کی۔ تمام منتشر لوگوں کو یکجا جمع ہو جانے کا حکم دیا، پھر ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے بعد اعلان کیا: ”مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلَيْ مَوْلَاهُ“ یعنی: جس کا میں مولی ہوں اس کا علی بھی مولی ہے۔“

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعے حضرت علی کو جانشین و خلیفہ رسول کا منصب عطا فرمایا۔ اس کے بعد وحی فرمائی: ”الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا“ (آئمہ)

یعنی: ”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا
اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا“ اور تمہارے لیے دینِ اسلام
اپنا پسندیدہ دین قرار دے دیا۔“

حضرت علیؑ کی آنحضرتؐ کے سایہ رحمت سے محرومی:

کتاب ”موءۃ القربی“ میں ہے کہ:
”حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۸ صفر سالہ ہجری کو
انتقال فرمایا۔ حضرت علیؑ آپؐ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عمرؓ
حضرت ابوبکرؓ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے، جہاں اجماع کیا، اور حضرت
ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا۔ (جبکہ جناب رسول خداؐ نے اپنا خلیفہ حضرت
علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بحکم خدا ۱۸ رزی الحجۃ الوداع، مقام غدیر خم مقرر فرما دیا
تھا۔ قرآن شامد ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر قبل خاتم الانبیاءؑ ایسا انتخاب کسی نبیؑ
کی امت نے نہیں کیا جیسا کہ آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کی امت نے کیا۔)
(غیاث اللغات)

حضرت علیؑ اس (انتخاب) کے دوران آنحضرتؐ کی تدفین
سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت علیؑ خلیفہ برحق) سے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت
(خود ساختہ) پر بیعت کا مطالبہ کیا گیا جو آپؐ نے مسترد کر دیا اور فرمایا کہ حضرت
رسول خداؐ مقام غدیر پر تمہاری موجودگی میں مجھ کو اپنا خلیفہ مقرر فرما چکے تھے
تو کس اصول کے تحت آنحضرتؐ کی مخالفت میں تم نے یہ کام انجام دیا ہے، بلکہ

قُلُوبُ النَّاسِ

مُطَهَّرَةٌ

تَاوِيلُ

مَوْلَانِ

عِلْمُورَتَانِ

سَيِّدُ الْقُرُونِ

مَحَبَّتِ

دَوَائِرِ

سَرَاتِ

الْمُعَاطَاةِ

مُسْتَبْطَ

رَأْيِ

الْمُتَلَبِّينِ

مُطَهَّرَتِ

وَلِيٍّ

الْمُسْتَفِيدِينَ

أَمَامَ

الْعَالَمِينَ

الْقَادِمِينَ

وَالْمُتَلَبِّينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

وَالْمُسْتَفِيدِينَ

حُبِ دُنْیَا اور جَاہِ دُنْیَا نے اُن کو مجبور کر دیا تھا، اپنی اس مجبوری کے تحت حضرت علیؑ سے بیعتِ ابوبکر کے لیے، اُمیدوار خلیفہ حضرت عمرؓ نے پُر روز مطالبہ کیا، بیعت سے انکارِ مسلسل کے بعد "کھسیانی بلی کھبانو چے" مقولہ کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے اپنے غلام اور چند ساتھیوں کی مدد سے بنتِ رسولِ فاطمہؑ الزہراءؑ کے دروازے کو آگ لگا دی، دروازہ توڑ ڈالا، جس سے فاطمہؑ الزہراءؑ شدید زخمی ہو گئیں، شکیم مبارک میں استسقاء جنین ہوا، اور آپ ان زخموں کی تاب ضبط نہ کر سکیں، اور اسی صدمہ میں، انتقالِ رسولؐ کے ستون کے اندر ہی آپ اپنے بابا جان کی خدمت میں جا پہنچیں۔

و اس طرح حضرت ابوبکر کے بعد کے اُمیدوار خلیفہ مسلمان حضرت عمرؓ نے اولادِ رسولِ اکرمؐ کا حقِ مودۃ (جس کو اللہ نے اجر رسالت قرار دیا تھا) ادا کر دیا۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کا آغاز ہوا، تو پہلا مطالبہ اور حکم خلیفہ یہ ہوا کہ رسولِ خداؐ کی بیٹی کو باغِ فک سے محروم کر دیا جائے، چنانچہ باغِ فک بحق سرکار ضبط کر لیا گیا۔ حالانکہ رسولِ خداؐ نے باغِ فک اپنی بیٹی کو خود مہبہ کر دیا تھا، لیکن حضرت ابوبکر نے آنحضرتؐ کے فیصلے کو یکسر مسترد کر دیا۔ گویا رسولِ خداؐ نے (معاذ اللہ) اُمت کا حق اپنی بیٹی کو مہبہ کیا جو غلط تھا۔

ان ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر حضرت علیؑ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی لیکن وقتِ ضرورت اُمت کی فلاح و بہبودی کے لیے خلفاء کو اپنے قیمتی مشورے سے نوازا، یہاں تک کہ خلافت کے تین دورِ اسلام کی تقدیر کے چکر بن کر گزر گئے۔

اور ۲۵ ہجری میں تیسرے خلیفہ سے تخت خلافت خالی ہو گیا۔

بالآخر اصحاب وغیرہم اس نتیجے پر پہنچے کہ عہدہ خلافت حضرت علیؑ کو بلا شرط سونپ دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے حجت تام کرنے کے لیے اُن کی اس درخواست کو قبول فرمایا، لیکن افسوس کہ آپؑ کے پاس اختیاراتِ خلافت اُس وقت پہنچے جب لوگوں کی نیتیں فاسد اور انتظاماتِ ملکی اور اصولی حکومت کے متعلق اہل کار اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمع دنیا پیدا ہو کر راسخ ہو چکی تھی۔ انھوں نے اپنی حکومت جمانے کے لیے لوگوں کو دھوکہ و فریب دے کر اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔

(تاریخ التمدن الاسلام ص ۳ طبع مصر)

حضرت علیؑ نے صورتِ حال سے نمٹنے کی حد درجہ کوشش کی، عمالِ حکومت کو تبدیل کیا۔ عامل بیٹے گئے اور اُن میں سے کچھ تو معاویہ کے پاس شام میں اور کچھ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ کے پاس مکہ میں جمع ہونے لگے۔ طلحہ اور زبیرؓ مکہ جا کر ام المؤمنین سے جا ملے اور انتقام خونِ عثمان کی تحریک چلائی نتیجتاً جنگِ صفین، جنگِ جمل، جنگِ نہروان واقع ہوئیں اور صفین کے سازشی فیصلے کے بعد حضرت علیؑ نے ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری کر لی۔

لیکن ایک خارجی عبدالرحمن ابن ملجم نے مسجدِ کوفہ میں نمازِ صبح کے دوران ۱۹ ماہِ رمضان کو آپؑ کے سرفردس پر زہر آلود شمشیر سے ایک ایسی ضرب لگائی کہ آپؑ ۲۱ ماہِ رمضان المبارک کو اس طوفانی سے یہ کہتے ہوئے کوچ کر گئے کہ ”فُتُتْ بِرَبِّ كَعْبَةٍ“ ابن ملجم نے حضرت علیؑ کا کام تمام نہیں کیا بلکہ پوری ملتِ مسلمہ کو قتل کر ڈالا جس سے ملتِ مسلمہ کا دھارا قیام قائم آلِ محمدؐ کے ظہور تک بدل گیا۔ ”وما علينا الا البلاغ“

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ دعا بلند کرتے ہیں کہ اس کتاب کے فاضل مصنف سید مراد علی جعفری صاحب کی اس سعی و کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے، اور موصوف کی تحریری صلاحیت میں اضافہ فرماتے، تاکہ آئندہ اس عظیم تر نگارشات قوم و ملت کے سامنے پیش کر سکیں، اور ہمارے نوجوانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ ان نگارشات کا مطالعہ کر کے سیرتِ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور دیگر ائمہ و اہل بیت معصومین علیہم السلام کی سیرت پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو مولا کائنات کا حقیقی شیعہ اور محب ثابت کرنے کے لیے ایسی سعی و کوشش کریں کہ جیسی سعی و کوشش کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ خود رب العزت کا ارشاد ہے:

”وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعِيهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعِيهِمْ شُكْرًا“

(سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۹)

یعنی: ”اور جو شخص آخرت کا طلب گار ہو اور وہ اُس کے لیے ایسی سعی کرے جو کوشش سعی کرنے کا حق ہے (پوری پوری سعی کرے) لیکن وہ سعی کرنے والا (مومن ہو، پس ایسے ہی لوگوں کی سعی قابلِ قدر (یا قابلِ شکر گزاری) ہے۔“

* احقر العباد *

سید غلام نقی رضوی: ۶ شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ ۲۶ نومبر ۱۹۹۸ء
مینجنگ ٹرسٹی پاک حرم ایجوکیشن ٹرسٹ (رجسٹرڈ) صدر پاک حرم البیوی ایشین (مرکز)



مولائے کائنات نے فرمایا !

فَتَكَلَّمُوا الْعَرَفُوا

کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ



ادارہ تحقیق دانش مشرق

امام
مہدیین

مخاف
بغیر

نفس
رسول

زوت
بیول

الان
رسول

مستف
بغیر

فاتح
بیچند

فاتح
حند

فاتح
جسک

فاتح
حسین

فاتح
بکر

فاتح
الحک

فاتح
مہدیین

افشار
انبیاء

افشار
اولیاء

افشار
اوصیاء

افشار
الدین

افشار
المومنین

امام
المہدیین

سید
الصلوات

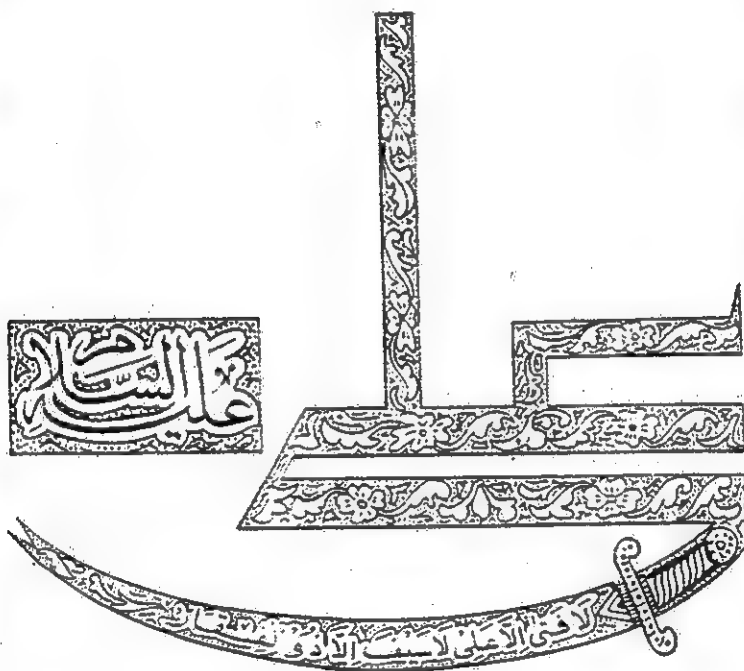
سید
السالکین

سید
الاحرار

سید
الاسرار

سید
الاسرار

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



اداره تحقیق و دانش شرق

حضرت علی کا سوانحی خاکہ

اسوگرامی : حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام
 والد ماجد : ابو طالب علیہ السلام
 والدہ ماجدہ : جناب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا
 مقام ولادت : جوف کعبۃ اللہ
 تاریخ ولادت : ۳۰ شعبان ۵۹۸ھ یا ۶۰۰ھ ۱۳ رجب جمعہ
 القابات : امیر المومنین ، امام المتقین ، ولی المتقین ،
 سید الصادقین ، صدیق اکبر ، فاروق الاعظم ۔
 کنیت : ابو الحسن ، ابو المحسن ، ابو محمد ، ابو الریحانین
 ابو تراب ، ابو السبطین ۔
 نسب مبارک : حضرت اسماعیل کے فرزند قیدار کی نسل میں
 فہر تیسری صدی عیسوی میں مشہور گزرا فہر کا
 لقب قریش تھا ۔ فہر کی نسل سے پانچویں
 صدی عیسوی میں قصی پیدا ہوئے قصی کے
 فرزند عبد مناف اور ان کے فرزند ہاشم ۔
 ہاشم کے بیٹے عبد المطلب کے ایک فرزند
 عبد اللہ کے صاحب زادہ حضرت محمد مصطفیٰ
 اور دوسرے بیٹے ابو طالب کے فرزند علی تھے

تعداد ازواج : سات

تعداد اولاد : اکتیس

ظاہری عہد خلافت: ۲۵ ہجری تا ۴۰ ہجری
جنگوں کی تعداد جسمیں آپ نے شرکت فرمائی: تیس
تاریخ شہادت:

۲۱ رمضان ۴۰ ہجری تریسٹھ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔
آفتاب امامت جو خانہ کعبہ سے طلوع ہوا تھا افق نجف
میں غروب ہو گیا۔



مولائے کائنات کا

نسب نامہ مبارک

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے تقریباً ۲۷۹۳ (دو ہزار سات سو ترانوے) سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بحکم خدا نے لم یزل ولایہ ایل سرزمین مکہ پر چھوڑ گئے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی ماور گرامی حضرت ہاجرہ کے ساتھ اسی زمین پر سکونت پذیر ہوئے پانی کی وجہ سے قبیلہ جرہم یہیں آکر آباد ہو گیا اور حضرت اسماعیلؑ نے اسی قبیلہ کی ایک خاتون کے ساتھ شادی کر لی۔ آپ کے بارہ فرزند پیدا ہوئے اور انہیں کی اولاد مکہ میں برہمی، حضرت اسماعیلؑ کے فرزند قیدار کی نسل میں ایک شخص فہر نامی تیسری صدی عیسوی میں بہت مشہور گذرا ہے۔ فہر کا لقب قریش تھا اور مکہ میں انہیں کی اولاد قریش کہلاتی۔ فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں قصی پیدا ہوئے۔ قصی کے بیٹے عبد مناف اور عبد مناف کے بیٹے ہاشم تھے۔ جناب ہاشم کے بیٹے عبد المطلب کے ایک فرزند

حضرت عبداللہ کے صاحبزادے حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اور دوسرے بیٹے حضرت ابوطالب کے فرزند حضرت
علی علیہ السلام تھے۔ جناب ہاشم کے دوسرے بیٹے کا نام اسد
تھا۔ جن کی صاحبزادی جناب فاطمہ بنت اسد کی شادی حضرت
ابوطالب سے ہوئی اور انہیں حنا تون سے حضرت علی علیہ السلام
پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت علی علیہ السلام کے پدر بزرگوار
حضرت ابوطالب بھی ہاشمی تھے اور آپ کی مادر گرامی جناب
فاطمہ بنت اسد بھی ہاشمیہ تھیں۔ جناب ہاشم حضرت علی علیہ السلام
کے پردادا بھی تھے اور پرانا بھی تھے۔

ولادت باسعادت !

سنہ نام الفیل ۵۹۸ھ یا ستہ میں جب کہ حضرت محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیس سال کے ہو چکے تھے، ۱۲ رجب
بروز جمعہ حنا کعبہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ولادت باسعادت
ہوئی۔

نام، کنیت اور القاب !

آپ کی والدہ گرامی نے آپ کا نام حیدر اور اسد رکھا۔
حضرت ابوطالب نے زید اور خداوند تعالیٰ نے علی رکھا۔ آپ کی

مشہور رکنیتیں ابو الحسن، ابو السبطین، ابو الریحان تہیں اور
ابو تراب ہیں۔ اور القابات صدیق اکبر، فاروق اعظم،
امیر المومنین، اسد اللہ، المر قاضی، صفدر، حیدر کوثر
وغیرہ ہیں۔

شکل و صورت!

حضرت علی علیہ السلام کا رنگ گورا اور آنکھیں بڑی اور کشادہ
تھیں، میانہ قد کے نہایت حسین و خوبصورت تھے۔
(اسد الغابہ)

زمانہ طفلی!

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے
حکم سے آپ کا نام علی رکھا اور ابستدا ہی سے آپ کی تربیت
کرتے رہے اور بہت دنوں تک اپنے لعاب دہن سے غذا
پہنچاتے رہے۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام خود فرمایا کرتے
تھے کہ

”شروع ہی سے رسول کریم نے میری تربیت اس طرح کی
ہے اور مجھے علوم اس طرح بھرائے جس طرح کوئی طائر اپنے بچہ
کو دانا بھراتا ہے۔“

تصدیق اسلام!

حضرت علی علیہ السلام پہنچنے ہی سے آنحضرت کے ساتھ ساتھ رہے اور مزاج رسول اللہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے آپ نے تصدیق کی۔ اسی لئے آنحضرت فرمایا کرتے تھے کہ صدیق تین ہیں!

۱۔ مومن آل یاسین
۲۔ مومن آل سرغون — اور
۳۔ علی ابن ابی طالب

اور ان میں سب سے افضل علی ابن ابی طالب ہیں۔
حضرت علی علیہ السلام خود بھی فرمایا کرتے تھے۔!

میں سے صدیق اکبر ہوں

حضرت علی کی خدمات!

حضرت علی آنحضرت کے ساتھ رہ کر تین سال تک پوشیدہ طور سے اسلام اور رسول اسلام کی خدمت کرتے رہے اور رسول کریم کے ساتھ ساتھ احکامات الہی کی تعمیل کرتے رہے چنانچہ مؤرخ طبری جلد اول حصہ سوم میں لکھتے ہیں۔

”عقیف سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ مکہ آیا اور عباس عبدالمطلب کے یہاں مہمان ٹھہرا۔ جب آفتاب طلوع ہو کر آسمان پر پھیل گیا میں کعبہ کی طرف دیکھ رہا تھا، ایک جوان شخص وہاں آیا، اس نے آسمان کو دیکھا پھر کعبہ کی طرف بڑھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، فوراً ہی ایک لڑکا اس کے داہنی سمت آکر اسی طرح کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ہی ایک عورت آکر ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئی۔ اس جوان نے رکوع کیا، اس کے ساتھ لڑکے اور عورت نے بھی رکوع کیا۔ جوان نے سر اٹھایا، ان دونوں نے بھی سر اٹھایا، پھر وہ سجدہ میں گیا، وہ دونوں بھی سجدہ میں گئے۔ میں نے عباس سے کہا کہ یہ تو بڑی اہم بات ہے کہ ایسا ہو رہا ہے انہوں نے کہا بے شک جانتے ہو یہ کون ہیں؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے کہا یہ محمد بن عبد اللہ بن عبدالمطلب میرا بھتیجا ہے جانتے ہو اس کے ساتھ کون ہے؟ میں نے کہا نہیں جانتا انہوں نے کہا یہ علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب میرا بھتیجا ہے۔ اور اس عورت کو جانتے ہو جو دونوں کے پیچھے کھڑی؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا یہ خدیجہ بنت خویلد میرے بھتیجے کی بیوی ہے۔ اور اس نے مجھ سے یہ کہا کہ تمہارا رب وہ ہے جو آسمان کا رب ہے۔ اور اس بات کا جس کو کہتے ہوئے تم ان کو دیکھ رہے ہو ان کو اسی نے حکم دیا ہے اور خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ تمام رُوحے زمین پر اس مسلک پر ان تینوں کے علاوہ اور بھی کوئی ہے۔“ (تاریخ طبری)

دعوتِ مشیرہ کا انتظام آپ ہی کے ذمہ تھا اور جب آنحضرتؐ نے سردارانِ قریش کے سامنے فرمایا کہ آج میری نبوت کی تصدیق کرے گا وہ میرا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہوگا تو آپ ہی نے تصدیق فرمائی اور اسی وقت سے آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے۔ جب قریش نے حضرت ابوطالب اور تمام بنی ہاشم سے تعلقات ترک کر دیئے اور حضرت ابوطالب کو مجبوراً شعب ابوطالب (سپاہی) میں پناہ لینی پڑی اس وقت بھی حضرت علی علیہ السلام شمعِ رسالت کے پروانے بنے رہے طائف کے سفر میں بھی آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہے اور آنحضرتؐ کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ یثرب ہواں سال آگیا اور آخر بحکمِ خدا اور رسولِ خدا شبِ ہجرت آنحضرتؐ کے بستر پر دشمنوں کے زور میں وہ گرنیابتِ اطمینان سے سوئے اور رسولِ کریمؐ کے ساتھ جانشینِ ربی کا وہ ثبوت دیا جس کی نظیر ساری دنیا میں نہیں مل سکتی۔ رسولِ کریمؐ کے پاس جو امانتیں تھیں ان کو قریش تک پہنچا کر پھر رسولِ اللہؐ کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے اور یہاں سے آپؐ کی زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہوا۔

سہ ہجری

آنحضرتؐ جب کبھی بھی مہاجرین اور انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو حضرت علیؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا۔ چنانچہ سہ میں

جب مواخاۃ قائم کی تو حضرت علیؑ ہی کو اپنا بھائی بنایا۔

سہ ہجری

سہ میں رسول اللہؐ نے خدا کے حکم سے اپنی چھیتی اور اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہؑ کی شادی حضرت علیؑ سے کر دی۔

جنگ بدر

اسی سال جنگ بدر ہوئی جس میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے اور ستر ہی قید کئے گئے۔ چھتیس کافر صرف حضرت علیؑ علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس جنگ کا سہرا آپ ہی کے سر رہا۔

مولانا شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرۃ النبیؐ میں لکھتے ہیں۔
”جنگ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالبؑ تھے۔“

جنگ بدر سہ ہجری میں ختم ہوئی لیکن اس کا تار و پود تاریخ میں سہ ہجری تک نظر آتا ہے۔ یزید بن معاویہ بن ابوسفیان اپنے کفر و شرک کا اعلان سہ میں اس طرح کرتا ہے !

حسین یوم عاشورہ یوم بدر کا بدلہ ہے۔ (یزید)

مختصر سی تفصیل پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے !
غزوہ بدر مشرکوں اور کافروں سے مسلمانوں کی جنگ تھی جیسا کہ آپؐ نے ملاحظہ فرمایا۔ جنگ بدر میں بنی اُمیہ شجر ملعونہ ابوسفیان

کی بیوی معاویہ بن ابوسفیان کی ماں اور یزید بن معاویہ کی دادی جگر
خوارہ ہندہ کے کافر باپ "عمتہ" کافر بھائی "ولید" کافر
چچا "شعبہ" اور کافر بیٹے "حنظلہ" کو حسین کے باپ
الوطائب کے بیٹے علی نے قتل کر کے واصل بہ جہنم کیا تھا۔
لہذا ان مشرکوں اور کافروں کے قتل کا بدلہ فرزند رسول، حسین
سے یزید نے سترہ ہجری میں حسین کو قتل کر کے، حسین کے
اٹھارہ سالہ فرزند علی اکبر اور چھ ماہ کے معصوم بچے علی اصغر کو قتل
کر کے یوم عاشورہ لیا لیکن تاریخ نے پوری دیانت داری سے ان
طلقاء بنی امیہ کے منحوس اور مکروہ چہرے سے نقاب الٹ
دی ہے۔

جنگِ اُحد

۳۰ میں اُحد کے مقام پر مسلمانوں اور کفار قریش میں ایک
زبردست جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں ۲۲ یا ۳۰ کافر مارے
گئے۔ جن میں ۱۲ کو صرف حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا۔
مسلمان حکم رسول اللہ کے خلاف مال غنیمت لوٹنے میں اس طرح
مشغول ہو گئے کہ جب خالد بن ولید نے پلٹ کر حملہ کیا تو مسلمان
حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور رسول کریم کے پکارنے
کے باوجود کوئی تو مسلمان کی طرف بھاگا کوئی پہاڑ کے غار میں پناہ
ڈھونڈنے لگا۔ اور کوئی ایسا بھاگا کہ تین روز کے بعد مدینہ میں

آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن حضرت علیؑ حمایت اور حفاظت رسول اللہؐ میں جھے رہے اور جب آنحضرتؐ نے پوچھا کہ
 ”یا علی تم کیوں نہ بھاگے؟“
 تو آپؑ نے جواب دیا کہ

”خدا کے رسولؐ! آپؑ پر ایمان لانے کے بعد کافر ہو جانا“
 اس جنگ میں حضرت علیؑ علیہ السلام کی تلوار ٹوٹ گئی تو آنحضرتؐ نے آپؑ کو ذوالفعار عطا فرمائی، پھر آپؑ اس طرح کفارِ قریش سے لڑے کہ ہاتھ غیبی نے آواز دی!
 ”لا اُستی الا علی لا سیف الا ذوالفعار“
 یعنی: علیؑ جیسا کوئی بہا اور نہیں اور ذوالفعار جیسی کوئی تلوار نہیں۔

سہ ہجری

جنگِ احد کے بعد ابوسفیان بن حرب نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ کفارِ قریش کے ساز و سامان جنگ سے مسلمانوں کو ڈرائے۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ مقامِ بدر تک گئے مگر کفارِ قریش نہیں آئے۔ اس شکر کے بھی علمبردار حضرت علیؑ علیہ السلام ہی تھے۔

۵۰ ہجری

غزوہ بنو مصطلق

عرب کے ایک مشہور قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ شعبان ۵۰ھ کو آنحضرتؐ مسلمانوں کا ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ اس غزوہ میں بھی حسب سابق اسلامی لشکر کے پر سالار حضرت علیؑ علیہ السلام ہی تھے۔

غزوہ خندق

اسی سال جنگ خندق ہوئی اور تمام قبائل عرب نے ایک ساتھ ہو کر مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ آنحضرتؐ نے مدینہ کے کنارہ خندق کھدوا کر مسلمانوں کی حفاظت فرمائی۔ لیکن عرب کا ایک مشہور بہادر پہلوان عمرو بن عبدود خندق پار کر کے مسلمانوں کے قریب آگیا اور لٹکار کر آنحضرتؐ کو پکارا۔ اصحاب رسولؐ میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اس بہادر کا مقابلہ کرتا۔ آنحضرتؐ نے کئی مرتبہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں جانے کی دعوت دی، مگر بجز حضرت علیؑ علیہ السلام کوئی تیار نہ ہوا۔ آخر حضرت علیؑ روانہ ہوئے۔

اس وقت خدا کے رسولؐ نے فرمایا !

”برزالايمان كله الى الكفر كله“

یعنی !

کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جاتا ہے۔

حضرت علیؑ نے عمرو عبدود اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور باقی تمام کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام جب کفر و ایمان کا معرکہ سر کر کے پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو آنحضرتؐ نے انہیں سینے سے لگایا اور ان کی عظیم خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا !

”ضربة علیؑ يوم النخندق افضل من

عبادة الثقلين“

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۲۰)

یعنی !

خندق کے دن علیؑ کے ایک ضربے

جنت و انجس کے عبادت پر بھاری ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی

شخصیت کے چند پہلو

= آپ حنا کعبہ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ شرف ہے جو کہ آدم سے لے کر آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہوگا۔

= حضرت علی کی دنیا میں سب سے پہلی غذا العباب رسول ہے۔ جو رسول اکرم کی زبان چوس کر حاصل کیا۔

= حضرت علی کی تربیت پیغمبر آخر الزماں کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔

= دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام رسول اللہ نے حضرت علی کے سپرد کیا۔

= شب ہجرت بستر رسول پر حضرت علی سوئے۔
وقت ہجرت رسول خدا نے اہل مکہ کی امانتوں کا امین حضرت علی کو بنایا۔

== مسجدِ قبا کا سنگِ بنیاد حضرت علیؑ نے رکھا۔

== جنگِ احد میں ہاتھ نے مڑوہ سنایا،

لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذو الفقار،

== جنگِ خندق میں رسولِ اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو یمن ایمان کہا۔

== حضرت علیؑ کی ایک ضربتِ ثقلین کی عبادت سے بہتر قرار پائی۔

== حضرت علیؑ تمام صحابہ سے زیادہ عالم تھے۔

== حضرت علیؑ خطیبِ منبرِ سلوئی تھے۔ رسولِ علم کا شہر اور

آپ اس کے دروازے تھے۔

== رسولِ اکرمؐ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؑ کے شوہر تھے۔

== بوقتِ مباہلہ آپؐ نفسِ رسولؐ مترار پائے۔

== حضرت علیؑ دس ہزار سے زیادہ مشرکوں کو قتل کیا۔

== رسولِ خدا کی نبوت کے عینی گواہ حضرت علیؑ تھے۔

== حضرت علیؑ کئی عسکروں کے مؤجد تھے۔

== حضرت علیؑ فرشتوں کی آواز سنتے تھے۔

== جنگِ خیبر میں حضرت علیؑ کو کربِ غیر قرار کے معزز لقب سے

ہمارے رسولؐ نے نوازا۔

== حضرت علیؑ کو رسولِ خداؐ نے کبھی کسی شکر کا ماتحت نہیں

بنایا۔

== شبِ معراج خداؐ نے اپنے رسولؐ سے علیؑ کے لیے میں

کلام کیا۔

== حضرت علیؑ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی کسبی نہیں ہوا۔

امام
مہدیین

مخاف
بیگم

نفس
رسول

روحِ رسول

کائنات
رسول

مستند
بیگم

فاتح
خیبر

فاتح
خندق

فاتح
جسسان

فاتح
حسین

فاتح
کربلا

فاتح
احد

= حضرت علیؑ جتنا فصیح و بلیغ دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔
 = حضرت علیؑ تمام مسلمانوں سے سات برس پہلے رسولؐ
 کے ساتھ نماز پڑھنے والے تھے۔
 = آپؑ رسولؐ خدا کے ساتھ سایہ کی طرح رہتے تھے۔
 = آپؑ سب سے بہتر فیصلے کرنے والے تھے۔
 = آپؑ نے کبھی کسی بُرت کی پرستش نہیں کی، اسی لئے مسلمان
 آپؑ کو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔
 = آپؑ نے کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں کھائی۔
 = جنگ بدر کی فتح آپؑ کی شخصیت کا نتیجہ تھی۔
 = جنگ احد میں سب مسلمان آپؑ کو چھوڑ کر بھاگ گئے لیکن
 حضرت تنہا جنگ کرتے رہے۔
 = جنگ خیبر میں سب شکست کھا کر بھاگ گئے تو رسولؐ
 خدا نے فرمایا کل ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرار و غیر فرار ہے۔
 خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسولؐ اس کو
 دوست رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو علم ملا۔
 = صلح حدیبیہ میں ایمان کامل کے ساتھ آپؑ نے صلح نامہ
 لکھا۔



عہدِ نبویؐ کے غزوات

— اور —

مولائے کائنات

امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ

امیر المومنین کا پہلا دور (قبل از ہجرت رسولؐ)

دعوتِ عشیرہ کا انتظام حضرت علیؑ علیہ السلام کے ذمہ تھا
آنحضرتؐ نے سردارانِ فتنہ و شر کے سامنے فرمایا کہ !
آج جو میری نبوت کی تصدیق کرے گا
وہ میرا بھائی، وزیر، وصی اور خلیفہ ہوگا
تو حضرت علیؑ علیہ السلام نے تصدیق فرمائی اور اسی وقت
سے آپؐ، آنحضرتؐ کے جانشین اور خلیفہ قرار پائے۔

جب قریش نے حضرت ابوطالب اور تمام بنی ہاشم سے تعلقات ترک کر دیئے اور حضرت ابوطالب کو مجبوراً شعب ابوطالب (پڑھائی) میں پناہ لینی پڑی اس وقت بھی تو ان کا ثبات شمع رسالت کے پروانے بنے رہے۔

طائف کے سفر میں بھی آنحضرت کے ساتھ ساتھ رہے اور رسول اللہ کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ بعثت کا تیرھواں سال آگیا اور آخر بحکم خالق دو جہاں اور رسول اللہ شب بھرت آنحضرت کے بستر پر دشمنوں کے نزعہ میں رہ کر نہایت اطمینان سے سوئے اور رسول اکرم کے ساتھ جان نثاری کا فقید المثال کارنامہ انجام دیا۔

رسول اللہ کے پاس جو امانتیں تھیں ان کو قریش تک پہنچا کر حضرت رسول اکرم کی خدمت میں مدینہ تشریف لائے۔ یہاں سے مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کا دوسرا مرحلہ (دور) شروع ہوا۔

امیر المومنین کا دوسرا دور

سلسلہ ہجری:

آنحضرت نے جب کبھی بھی ہاجرین یا انصاریوں اور ہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا تو حضرت علی ہی کو اپنا بھائی بنایا۔ چنانچہ سلسلہ ہجری میں جب مواخاۃ کی تو حضرت علی ابن طالب ہی کو اپنا بھائی بنایا۔

سُتہ ہجری!

۲ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم سے اپنی پارہ جگر اور اکلوتی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی شادی حضرت علیؑ کے ساتھ کر دی!

اب عہد رسالت کے چند مشہور غزوات کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ ایک طرف جنگوں کا دفاعی پہلو اجاگر کیا جاسکے اور دوسری طرف ان غزوات کے فاتح و علمبردار حضرت علیؑ کی مثال خدمات اور فقیہ المثال شجاعت و دلولہ سے شریک ہونے پر روشنی پڑ سکے۔

مولائے کائنات غزوہ تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں پورے بوش اور عدیم النظیر شجاعت و دلولہ سے شریک جہاد رہے اور اپنی خداداد قوت سے دشمنوں کے پرے الٹے مگر تاریخ کے اوراق پر یہ ثبت کر دیا کہ کسی مرحلہ پر نہ اخلاقی قیود کو توڑا اور نہ اسلامی حدود سے تجاوز فرمایا۔ چنانچہ نہ کسی عورت اور بچے پر ہاتھ ڈالا اور نہ ہی کسی بھاگنے والے کا پیچھا کیا نہ کسی زخمی پر ہاتھ ڈالا۔ اور نہ ہی کسی کی پردہ دری کی۔ اور تاریخ آدم و عالم کے اوراق پر ایسی مثالیں چھوڑ گئے۔ جنہیں ہمیشہ دین خدا اسلام کی اصول پرستی، صلح پسندی اور امن دوستی کے ثبوت میں فخریہ پیش کیا جاتا رہے گا۔

سُتہ ہجری ہی میں! غزوہ بدر

قریش مسلمانان مکہ کے درپے ایذا تو تھے ہی۔ ہجرت کے بعد انصار مدینہ بھی ان کے عتاب کی زد میں آ گئے۔ انہوں نے انصار

مدینہ پر یہ فرد جسم عائد کی کہ انہوں نے رسول اسلام کو اپنے شہر میں پناہ دے کر نہ صرف ان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ لیا ہے بلکہ دین اسلام کی روز افزوں ترقی کا بھی سامان فراہم کر دیا ہے۔ قریش جس دین کو اپنے ہاں پھیلتا پھولتا نہ دیکھ سکے تھے وہ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ اسے کہیں اور ترقی، عروج اور فروغ حاصل ہو۔ اور مسلمان ان کی تاہرانہ گرفت سے نکل کر آزادانہ سانس لیں۔ انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے معاشرتی و روایتی آداب و رسوم کے تحفظ کے لئے اس نئے دین کو پروان چڑھنے نہ دیں گے۔ اور مسلمانوں کی خلاف اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک انہیں صفحہ ہستی سے مٹانہ دیں یا دین اسلام سے دستبردار ہونے پر مجبور نہ کر دیں۔ چنانچہ قرآن مجید ان کے عزائم کی ترغیبی کرتے ہوئے کہتا ہے!

«وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُوكُمْ حَتَّى يَبْرُوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ أَوْ اسْتَطَاعُوا»
یعنی!

یہ کفار ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے تو تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں۔

یہود مدینہ نے اگرچہ رسول اللہ کی آمد پر ان سے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر مدینہ پر حملہ ہوا تو وہ دشمن کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ مگر پیغمبر اکرم کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت کو دیکھ کر انہیں خود اپنا اقتدار خطرہ میں نظر آیا تو انہوں نے قریش سے رابطہ کر لیا اور قریش بھی ان سے گٹھ جوڑ کر کے ایک مشترکہ محاذ بنالیا اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ و دایاں شروع کر دیں چنانچہ فتنہ اور باہم آویز

کو ہوا دینے کے لئے کرزا بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہوں پر
 حملہ کر دیا اور اہل مدینہ کے مویشی ہنگامہ کر اپنے ساتھ لے گیا آنحضرت
 نے وادیء سفوان تک اس کا پیچھا کیا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ ان حالات
 میں ضروری تھا کہ ان لوگوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھی جائے تاکہ
 بروقت ان فتنہ انگیزوں کا تدارک کیا جاسکے اس دیکھ بھال کے
 لئے آنحضرت نے عبد اللہ ابن جحش کو چند آدمیوں کے ہمراہ نخلہ کی
 جانب روانہ کیا جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مشہور جگہ تھی
 جب یہ لوگ نخلہ میں وارد ہوئے تو قریش کا ایک قافلہ جو طائف
 سے مال تجارت لے کر آرہا تھا قیام پذیر ہوا۔ عبد اللہ ابن جحش
 کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص واقعہ ابن عبد اللہ بن عرو
 ابن الحفصی کو تیر مار کر ہلاک کر دیا اور عثمان ابن عبد اللہ اور حکم ابن
 کیسان کو گرفتار کر لیا گیا۔ عبد اللہ ابن جحش ان دونوں اسیروں
 اور قافلہ کے مال و متاع کو سمیٹ کر مدینہ چلے آئے یہ واقعہ چونکہ ماہ
 رجب کی آخری تاریخ میں ہوا تھا جس میں جنگ و قتال ممنوع ہے۔
 اس لئے آنحضرت نے عبد اللہ ابن جحش کو سرزنش کی اور دونوں
 اسیروں کو آزاد اور قافلہ کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اگرچہ یہ ایک انفرادی
 فعل تھا جو پیغمبر کی اجازت کے بغیر سرزد ہوا مگر اس سے قریش کو
 جنگ چھیڑنے کا بہانہ مل گیا اور انہوں نے ابن الحفصی کے قصاص کا
 دھمکدہ واپس کر جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور یہ طے کیا کہ ابوسفیان
 کی واپسی پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جائے۔ ابوسفیان تجارتی قافلہ لے
 کر شام گیا ہوا تھا۔ اور اسے واپسی پر مدینہ کی طرف سے گزرنا تھا کیونکہ

مدینہ قریش کے قافلوں کی گذرگاہ تھا۔ ادھر اہل مکہ اس کی واپسی کے منتظر تھے کہ اس نے شام سے پلٹتے ہوئے اہل مکہ کو ضمضم ابن عمرو غفاری کے ذریعے یہ غلط اور شرانگیز پیغام بھیجا کہ مسلمان دھاوا بول کر مال تجارت لوٹنا چاہتے ہیں لہذا تم جنگی ہتھیاروں کے ساتھ نکل کھڑے ہو۔ قریش پہلے ہی سے جنگ کے لئے آمادہ تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ادھر ابوسفیان نے عام راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا اور پانچ دن میں جدہ اور جدہ سے تین دن میں مکہ پہنچ گیا جب قریش کا لشکر بدر کے قریب پہنچا تو اسے قافلہ کے صحیح و سالم پہنچنے کی اطلاع ملی۔ بنی زہرہ کے چند آدمیوں نے کہا کہ قافلہ تو آچکا ہے اب جنگ کی کیا ضرورت ہے ہمیں واپس پلٹ جانا چاہیئے مگر ابو جہل جنگ سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔

ابو جہل کی ضد اور ہٹ دھرمی سے صاف ظاہر ہے کہ قریش کے پیش نظر قافلہ کا بچاؤ نہ تھا بلکہ وہ ہر حالت میں جنگ چھیڑنا اور اہل مدینہ کو تاخت و تاراج کرنا چاہتے تھے چنانچہ قریش کی اس روش کو دیکھ کر بنی زہرہ واپس چلے آئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے۔

مدینہ میں یہ خبر تو عام ہو چکی تھی کہ ابوسفیان کا قافلہ بار بردار اونٹوں پر سامان تجارت لاد کر ادھر سے گزرے گا مگر اس کے ساتھ یہ خبریں بھی پہنچ رہی تھیں کہ لشکر قریش پورے جنگی ساز و سامان کیساتھ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے پرتول رہا ہے۔ مسلمان کم اور پھر بے سروسامانی کے عالم میں تھے اور قریش کے مسلح و منظم فوج سے دوید ہو کر لڑنے سے بچنا چاہتے تھے اور وہ کہ ان کی نظریں رہزور کی طرف

اٹھتی تھیں کہ ابوسفیان سے مد بھیڑ ہو جائے تو بہتر ہے ایک تو گنتی کے چند آدمیوں کا مقابلہ دشوار نہ ہوگا اور دوسرے مال فراوان آسانی سے ہاتھ لگے گا قرآن اس کی شہادت دیتے ہوئے کہتا ہے۔
قرآن!

«وَاذْ يَعِدُكُمْ اللَّهُ أَحَدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنهَا لَكُمْ دُودُونَ

ان غیر ذات الشوكة تكون لكم»

یعنی! جب اللہ نے تمہیں اطلاع دی کہ کفار کے دو گروہوں میں سے ایک سے تمہارا سامنا ہوگا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ جو قوت و طاقت نہیں رکھتے وہ تمہارے حصہ میں آئے۔

عام طور پر مورخین نے بنی امیہ کے ہوا خواہوں کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے یہ تحریر کر ڈالا ہے کہ رسول اسلام ابوسفیان کے قافلہ کو لوٹنے کے ارادہ سے نکلے تھے مگر کاروان تجارت کے بجائے اچانک شکر قریش کا سامنا ہو گیا اور جنگ چھڑ گئی۔ بے شک بعض لوگوں کی نظر میں مال پر تھیں اور وہ قافلہ لوٹنا چاہتے تھے مگر تاریخ نگاروں کی یہ ستم ظریفی ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرم کو بھی اس میں شریک کر لیا اور صرف کاررواں کو لوٹنا ہی اس ہم کام مقصد قرار دے دیا۔

چنانچہ محمد ابن اسمعیل بخاری نمک نے یہ روایت لکھ دی کہا کہ
«انہا خرج رسول الله يريد غير قریش حتى جمع الله بينهم و

بين عدوهم على غير ميعاد»

(صحیح بخاری جلد ۳ ص ۴۳)

یعنی! رسول اللہ تو قریش کے تجارتی قافلہ کے ارادے سے نکلے

تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ناگہانی طور پر ان کا اور ان کے دشمنوں کا سامنا کر دیا۔

یہ نظریہ قرآنی تصریحات کے خلاف ہے قرآن کریم میں واقعات بدر کے سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے۔

”کَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ أَبْنِیٰكٍ بِالْحَقِّ وَإِنْ فَرِیقًا مِّنَ

الْمُؤْمِنِیْنَ لَطَارَهُوْنَ یَتَجَادَلُونَكَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبِیْنَ كَانَمَا یَسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ یُنْظَرُونَ“

یعنی! جس طرح تمہارے پروردگار نے تمہیں حق کے ساتھ گھر سے باہر بھیجا اس حالت میں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جنگ سے ناگواری محسوس کر رہا تھا اور حق کے ظاہر ہونے کے بعد حق کے بارے میں تم سے جھگڑ رہا تھا گویا ان کی آنکھوں کے سامنے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

اگر رسول اسلام کا یہ اقدام کارواں کو لوٹنے کی غرض سے ہوتا تو یہ مسلمانوں کی خواہش کے عین مطابق تھا لہذا کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ قافلہ سے دوچار ہونے سے گھبراتے، لڑنے بھڑنے سے پہلو تھی کرتے اور یہ سمجھتے کہ وہ موت کے منہ میں دھکیلے جا رہے ہیں جب کہ ابوسفیان کے قافلہ میں چالیس سے زیادہ افراد نہ تھے اور مسلمانوں کی تعداد تین سو سے اوپر تھی یہ خوف و ہراس اور احساس ناگواری ہو سکتا ہے تو قریش کے لشکر سے جن کے دفاع کی سکت اپنے اندر نہ پاتے تھے قرآن حکیم کے اس بیان کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کارواں کے تعاقب میں نہیں نکلے تھے بلکہ قریش کی پیش قدمی کی خیر سن کر صرف آرا

ہوئے تھے۔ چنانچہ مولائے کائنات، امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ!

”وكان النبي يتخبر عن بدر فخلما بلغنا ان المشركين قد اقبلوا سار رسول الله صلى الله عليه وسلم الى بدر وبدر بيئر فسبقنا المشركين اليها۔“
(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۳۳)

یعنی! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے جب ہمیں معلوم ہوا کہ مشرکین آگے بڑھ آئے ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کی جانب روانہ ہوئے بدر ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین (قریش) سے پہلے پہنچ گئے یہ کفر و اسلام کے درمیان پہلا معرکہ رونما ہونے والا تھا۔ مسلمان اسلحہ جنگ کے لحاظ سے کمزور اور کفار کی متوقع تعداد کے مقابلہ میں کم تھے اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری خیال کیا کہ انصار و ہاجرین کا عندیہ معلوم کریں کہ وہ کہاں تک عزم و ثبات کے ساتھ دشمن کا دفاع کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے استفسار پر لوگوں نے مختلف جوابات دیئے ان میں کچھ ہمت شکن تھے اور کچھ ہمت افزاء، صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے جواب پر آنحضرتؐ نے منہ پھیر لیا۔ مقداد ابن اسود نے پیغمبرؐ کے چہرے پر تنکڑ کے آثار دیکھے تو کہا یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا۔

”اذ هب انت وريك فقاتلانا ههنا قاعدون“

یعنی! تم جاؤ اور تمہارا خدا اور تم ہی دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ کو خلعت رسالت پہنایا ہے ہم آپ

کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہو کر لڑیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت عطا فرمائے اس جواب سے پیغمبرؐ کا تکرار جاتا رہا اور آپ نے مقدار کے حق میں دعا فرمائی۔ پھر انصار کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ سعد بن معاذ انصاری نے بڑی گرم جوشی سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور اطاعت کا عہد و پیمان کیا لہذا ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ سمندر میں کودیں گے تو ہم آپ کے ساتھ کودیں گے اور کوئی چیز ہماری راہ میں حائل نہ ہوگی آپ اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں ہم میں سے کوئی ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ پیغمبر اسلام اس جواب پر انتہائی خوش ہوئے۔

اور فرمایا!

”واللہ لکافی النظر الی مصابح القوم“

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۴۰)

یعنی! خدا کی قسم اب میں دشمن کے گرجہ کرنے کی جگہوں کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

پیغمبر اسلام تین سو تیرہ آدمیوں کی ایک مختصر جمعیت کے ساتھ جن میں ۷۷ ہاجر اور باقی انصار تھے مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور چاہ بدر سے کچھ فاصلہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ اندیشہ تو تھا ہی کہ کہیں دشمن اچانک حملہ نہ کر دے یا رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر شب خون نہ مارے آپؐ پیش بندی کرتے ہوئے حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاص اور زبیر ابن عوام کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھ کر دشمن کا ٹھکانا معلوم کریں اور دیکھیں کہ وہ یہاں سے کتنے فاصلہ پر ہیں یہ تینوں حضرات دیکھتے

بھالتے ہوئے چاہ بدر تک پہنچ گئے وہاں چند آدمیوں کو دیکھا جو انہیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؑ نے تعاقب کر کے ان میں سے دو غلاموں کو پکڑ لیا اور انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ صحابہ کرام ان کو دیکھتے ہی ان کے گرد جمع ہو گئے اور پوچھا تم کون ہو؟ کہا کہ ہم قریش کے سقے ہیں انہوں نے ہمیں پانی لانے کے لئے بھیجا ہے۔ صحابہ کرام نے قریش کا نام سنا تو ان کے تیور بگڑ گئے اور مار پیٹ کر ان سے یہ کہلوانا چاہا کہ وہ قریش کے غلام نہیں ہیں بلکہ ابوسفیان کے آدمی ہیں انہوں نے ڈر کے مارے کہہ دیا کہ ہم ابوسفیان کے آدمی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نماز میں مشغول تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ وہ سچ بولتے ہیں تو تم انہیں مارتے ہو اور جھوٹ بولتے ہیں تو چھوڑ دیتے ہو۔ یہ قریش ہی کے بھیجے ہوئے ہیں پھر آنحضرتؐ نے ان سے پوچھ گچھ کی تو انہوں نے ابوسفیان کے قافلہ سے لاعلمی کا اظہار کیا اور بتایا کہ قریش کا لشکر یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ہے آنحضرتؐ نے پوچھا کہ لشکر کی تعداد کیا ہے؟ کہا کہ ہمیں تعداد کا صحیح علم نہیں ہے البتہ کبھی نو اور کبھی دس اونٹ خرکئے جاتے ہیں فرمایا کہ پھر ان کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار تک ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے نمایاں و سرکردہ افراد کون کون ہیں؟

انہوں نے چند سرداران قریش کے نام لئے آنحضرتؐ نے فرمایا! یعنی! مکہ نے تو اپنے جگر پاروں کو میدان میں لا انڈیلا ہے۔

قریش کی آمد کی خبر سن کر لشکر اسلام نے حرکت کی اور چاہ بدر کی جانب روانہ ہو گیا۔ لشکر قریش وادی بدر کے آخری کنارے پر ریت

کے ایک ٹیلے کے پاس پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ان کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے ان کیساتھ تھے اور نیزوں اور تلواروں کی کوئی کمی نہ تھی اس کے برعکس مسلمانوں کی تعداد کم اور سامان جنگ کے لحاظ سے انتہائی کمزور تھے ان کے پاس اسلحہ جنگ میں سے چند تلواریں اور گنتی کی چند زبردیں تھیں اور بار برداری اور سواری کے لئے ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے اور جہاں پڑاؤ ڈالا تھا وہاں زمین کی حالت یہ تھی کہ اس پر سپر رکھتے تھے تو دھنس جاتے تھے مگر اللہ کی کار سازی آڑے آئی اور رات کو خوب بارش ہوئی جس سے ریت بھی جم گئی اور پینے کے لئے پانی کی بھی فراوانی ہو گئی۔ اس قدر قی تا ئید سے مسلمانوں کی ہمت بندھ گئی دل بڑھ گئے اور پوری مجاہدانہ سر جو ش کی ساتھ دشمن سے ٹکرانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔

ابن اثیر طبری اور دوسرے مورخین نے واقعات بدر کے سلسلے میں یہ روایت درج کی ہے کہ جب پیغمبر اسلام وادی بدر میں وارد ہوئے تو سعد ابن معاذ نے کہا یا رسول اللہ ہم کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر ڈال دیتے ہیں آپ اس میں قیام فرمائیں اس چھپر کے قریب آپ کی سواری موجود رہے گی اگر ہم دشمن پر غالب آئے تو بہتر اور اگر نہیں شکست سے دوچار ہوتے دیکھیں تو آپ سواری پر بیٹھ کر مدینہ واپس چلے جائیں وہاں ہماری قوم کے لوگ موجود ہی ہیں وہ آپ کے سینہ سپر رہیں گے۔ اگر انہیں یہ گمان ہو تا کہ آپ کو جنگ سے واسطہ پڑے گا۔ تو وہ کبھی سچے نہ رہتے۔ آنحضرتؐ نے سعد کے حق میں دعائے خیر کی اور چھپر بنانے کی اجازت دے دی اور اس میں قیام فرما ہوئے۔

اگر روایات کی جانچ پرکھ میں روایت کو دخل ہے تو آنکھ بند کر کے اس روایت کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ نہ واقعات بدر سے اس کی تائید ہوتی ہے اور نہ سیرت رسولؐ ہی سے سازگار ہے اول تو یہی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کھجوروں کی اتنی شاخیں کہاں سے لائی گئیں جن سے چھپر مرتب ہوا۔ جب کہ بدر کے آس پاس کہیں کھجور کے درخت تھے ہی نہیں!

چنانچہ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے۔

لا عجب من امر العرش من این کان لہو اذ معہ من سعف النخل
ما ینبون بہ عرشا ولیس تلک الارض اعنی ارض بدر ارض نخل

(شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۳)

یعنی! مجھے عرش (چھپر) کے معاملہ میں بڑی حیرت ہے کہ کھجور کی اتنی شاخیں جن سے چھپر بنایا گیا کہاں سے یہاں کی گئیں۔ جب کہ بدر کی سرزمین پر کھجور کے درخت ہوتے ہی نہ تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مدینہ سے لا کر ساتھ لائے تھے تو یہ بھی بعید ہے کیونکہ بار بردار سواروں کی پہلے ہی کمی تھی اور نہ وہاں سے چلتے وقت چھپر کے تعمیر کرنے کا انہیں کوئی خیال تھا اس کے علاوہ پیغمبرؐ اسلام کی سیرت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ ہر مرحلہ پر مسلمانوں کے ساتھ ان کے کام میں شریک ہوتے تھے خواہ وہ معمولی سے معمولی کام کیوں نہ ہوتا چنانچہ مسجد کی تعمیر اور جنگ احزاب میں خندق کی کھدائی تک میں حصہ لیا اور ان کی قیادت و سربراہی کا تقاضا بھی یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ سرگرم عمل رہیں اس لئے کہ اگر قائد شریک عمل نہ ہو تو سعی و عمل کا ولولہ

اقامہ
مہین

حفاظ
پیشہ

نفس
رسول

روح
شہد

ازاد
رسول

مستقر
پیشہ

فاتح
شہد

فاتح
حسد

فاتح
حسد

فاتح
حسد

فاتح
حسد

فاتح
حسد

مضمحل ہو جاتا ہے اور اس کی شرکت سے جوش و سرگرمی بٹھ جایا کرتی ہے اور جنگ میں تو کامیابی کا انحصار ہی جوش و ولولہ اور قوت معنوی پر ہوتا ہے پھر کیونکر یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہو کر ان کے جوش و ولولہ اور عزم اور ہمت کو ڈھارس دینے کے بجائے عاقبت کوشش بن کر ایک گوشہ میں بیٹھ جانا گوارا کیا ہوگا اور صرف یہی نہیں بلکہ شکست کی صورت میں یقینہ السیف کو نرغہ اعدا میں چھوڑ کر اپنے فرار کا راستہ ہموار کر لیا ہوگا۔ حالانکہ اسی جنگ کی کامیابی سے مسلمانوں کی عزت و عظمت اور ان کا قومی و ملی تحفظ وابستہ تھا۔ واقعات بدر شاہد ہیں کہ پیغمبرؐ اسلام نے لشکر کی صف بندی کی۔ مہینہ و میسرہ ترتیب دیا۔ موقع محل کے مطابق جنگ کے احکام صادر کئے دشمن کے قتل ہو ہو کر مرنے کے مقامات کی نشاندہی کی اور ایک ماہر و آزمودہ کار سپہ سالار کی طرح فوج کی کمان کی۔

علامہ طبری نے تحریر کیا ہے!

و رَوَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي أَثَرِ الْمُشْرِكِينَ يَوْمَ بَدْرٍ مَصْلَبًا السَّيْفَ يَتْلُوا

هَذِهِ الْآيَةُ: «سَيَهْزِمُ الْجَمْعُ وَيُولُونُ الدِّينَ»

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۴۲)

یعنی! بدر کے دن پیغمبرؐ اکرمؐ تلوار علم کے مشرکوں کا پیچھا کرتے دیکھے گئے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے۔

» عنقریب لشکر شکست کھائے گا اور پیٹھ پھیر کر چل دے گا» یہ تمام امور لشکر سے علیحدہ رہ کر اور ایک چھپر میں بیٹھ کر انجام

نہیں دیئے جاسکتے۔ ان امور کی انجام دہی اور فتح و کامرانی کی پیش گوئی کے بعد جو یقیناً وحی الہی کی بنا پر تھی فرار کا سامان تیار رکھا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے بھی آنحضرت کی سرگرمی و سرجوشی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے۔

”لما ان كان يوم بدر وحضر الناس اتقوا برسول الله فكان من اشد الناس باسا وما كان منا احد اقرب الى العدو منه“

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۳۵)

یعنی! جب بدر کا دن آیا اور لوگ حاضر ہوئے تو ہم رسول اللہ کے دامن میں پناہ لیتے تھے آپ کا دبدر یہ سب لوگوں سے زیادہ تھا اور ہم سب کی بہ نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت چھپر کا گوشہ منتخب کرنے یا شکست کی صورت میں فرار کی سبیل ڈھونڈ رکھنے کے بجائے شکر میں شامل تھے۔ اور کسی خوف و خطر کا احساس کئے بغیر دشمن کی صفوں سے قریب تر تھے اس روایت کا آخری ٹکڑا کہ:

”اگر مدینہ میں رہ جانے والوں کو یہ گمان کہ آپ کو جنگ سے سابقہ پڑے گا تو وہ گھروں میں بیٹھے نہ رہتے۔“

اس روایت کی کمزوری کا آئینہ دار ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں میں واضح طور پر کہا گیا ہے۔

کہ گھروں سے نکلتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ ناگواری محسوس کر رہا تھا اور یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے

امام
مبین

معاذ
بن جبلہ

نفس
رسول

زین
بشیر

راشد
بن زید

ہشام
بن عمار

فاتح
بن حذافہ

فاتح
بن حذافہ

فاتح
بن حذافہ

فاتح
بن حذافہ

فاتح
بن حذافہ

فاتح
بن حذافہ

فاتح
بن حذافہ

اگر انہیں جنگ کا سا گمان نہ تھا تو یہ خوف و اضطراب کس بنا پر تھا اور نہ کیوں ڈرے سہمے جا رہے تھے۔

قریش کے لشکر میں کچھ افراد ایسے بھی تھے جن کا رویہ پیغمبر کے ساتھ زیادہ معاندانہ نہ رہا تھا اور وہ کفر کے باوجود کچھ نہ کچھ آنحضرتؐ کا پاس و لحاظ کرتے تھے اسی طرح کچھ لوگ اسلام لا چکے تھے اور ابھی تک اعلان اسلام نہ کیا تھا یہ لوگ جنگ میں شریک ہونا نہ چاہتے تھے مگر قریش ان کو کھینچ تان کر اپنے ساتھ لے آئے تھے آنحضرتؐ نے ضروری خیال کیا کہ جنگ چھڑنے سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں لشکر اسلام کو متنبہ کر دیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم میں سے کچھ افراد اگرچہ لشکر کفار میں شامل ہیں مگر وہ ہم سے جنگ و محاصرت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے لہذا تم سے کوئی ابو النجری بن حارث، عباس ابن عبد المطلب یا کسی ہاشمی کو دیکھے تو قتل نہ کرے اس لئے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں۔

پیغمبرؐ اسلام کے اس اعلان پر بعض لوگ تلملائے اور ناگواری کا احساس کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ابو حذیفہ ابن عتبہؓ نے آنحضرتؐ سے کہا ہم اپنے ماں باپ بیٹے بھائیوں کو اور عزیزوں کو تہ تیغ کر دیں اور عباس کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم اگر میں ان سے دو بدو ہوا تو انہیں قتل کئے بغیر نہیں رہوں گا۔

پیغمبرؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ سنتے ہو یہ ابو حذیفہؓ کیا کہہ رہا ہے کیا میرے چچا پر تلوار چلائے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

”یا رسول اللہ! حتی فلا ضرب من عنقه فواللہ لقد نافع“

یعنی! یا رسول اللہ ﷺ مجھے اجازت دیجیے میں تلوار سے ان کی گردن
مادروں خدا کی قسم یہ منافق ہے۔

اس ضروری ہدایت کے بعد فوج کی صفیں اور میمنہ و میسرہ کو
ترتیب دے کر انصار کا علم سعد ابن عبادہ کو اور مہاجرین کا راہیت
علیؑ ابن ابی طالب کو دیا۔
ابن کثیر نے تحریر کیا ہے!

”دفعۃ النبی الراية یوم بدر الی علیؑ وهو ابن عشرين سنة

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۲۲۳)

یعنی! بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن راہیت
جنگ علیؑ کو دیا اور اس وقت آپؐ کی عمر بیس برس تھی۔

دشمن بھی صفیں باندھے ہتھیار سنبھالے میدان میں اتر آیا اور
عتبہ ابن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ اور بیٹا ولید قریش کی صفوں سے
نکل کر مبادز طلب ہوئے، مسلمانوں کے لشکر سے عوف بن حارث،
معوز ابن حارث اور عبد اللہ ابن رواحہ مقابلہ کے لئے نکلے۔

عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟

کہا کہ ہم انصار مدینہ ہیں۔

عتبہ نے پیشانی پر بل ڈال کر کہا کہ تم ہمارے ہم رتبہ نہیں ہو واپس
جاؤ اور آنحضرت سے مخاطب ہو کر کہا

”یا محمد اخرج الینا احقادنا من قومنا“

یعنی! اے محمدؐ ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر لوگوں کو بھیجئے
جو ہماری قوم میں سے ہوں۔ یہ تینوں اپنی صفوں میں واپس آ گئے۔

آنحضرتؐ نے جب قریش کی یہ متمردانہ ذہنیت دیکھی کہ وہ انصار کو اپنا حریف و مد مقابل نہیں سمجھتے تو ان کی جگہ عبیدہ ابن حارث ، حمزہؓ ابن عبد المطلب اور علیؓ ابن ابی طالب کو بھیجا۔ عتبہ کا مطالبہ تو یہ تھا کہ ان کے مقابلہ میں قریش آئیں مگر پیغمبرؐ اسلام نے نہ صرف قریش بلکہ عبد المطلب کے جگر پاروں کو منتخب کیا تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ پیغمبرؐ اکرم نے اپنے قریبوں اور عزیزوں کو روکے رکھا اور دوسروں کو جنگ کے شعلوں میں بھونک دیا۔ حالانکہ حضرت عبیدہ ستر سال کے ضعیف تھے اور حضرت علیؓ ابھی نوخیز تھے اور پہلی مرتبہ ایک نبرد آزما کی حیثیت سے میدان کارزار میں اترے تھے جب عتبہ کو یہ معلوم ہوا کہ علیؓ، حمزہؓ اور عبیدہؓ لڑنے کے لئے آئے ہیں تو کہا کہ یہ برابر کا جوڑ ہے حضرت عبیدہؓ عتبہ سے حضرت حمزہؓ شیبہ سے اور علیؓ ولید سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے آگے بڑھے ولید نے تلوار سونت کر حملہ کرنا چاہا مگر حضرت علیؓ نے ایک تیر مار کر اسے بے بس کر دیا۔ اور اس قابل نہ چھوڑا کہ وہ حملہ کر سکے تیر کھاتے ہی اپنے باپ عتبہ کے دامن میں پناہ لینے کے لئے دوڑا مگر فرزند ابوطالب نے اس طرح گھیرا ڈالا کہ جان توڑ کوشش کے باوجود تلوار کی زد سے بچ نہ سکا اور باپ کی گود میں پہنچنے سے پہلے موت کی آغوش میں سو گیا۔ جب امیر المومنینؓ ولید کے قتل سے فارغ ہوئے تو مسلمانوں نے پکار کر کہا کہ اے علیؓ، شیبہ آپ کے چچا حمزہؓ پر چھایا جا رہا ہے حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ دونوں آپس میں گتھے ہوئے ہیں تلواریں کند ہو چکی ہیں اور ڈھال کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں آپؐ نے بڑھ کر شیبہ

مولود لکھنؤ

امین لکھنؤ

مشاعر فاضل اسلام آباد

مالک فقیر ہلال دی

افغان لکھنؤ

مظہر انوار احمد لکھنؤ

معلم اللہی

سید احمد واصطلاح

کامیلان مقصد

جامع نور حسین

دیباچہ کتاب ولایت

تاجدار عہد وصال

قطب آسمان صدارت

شیخ بزم فصاحت

معاذت سرور حیرت

ممنی لالہ شہادت

راز دار سیر و زیارت

مناجعت شہادت اللہ

میر حسن لکھنؤ

آفاق اہل ایمان

نیشنل سن گیت

نور محمد نعتیہ

واقف عالم لاہور

موسک بزم آفت بخت

پروار کیا اور تلوار سے اس کا سر اڑا ڈالا اب حضرت علیؓ اور جناب
 حمزہؓ عتبہ کی طرف بڑھے جو جناب عبیدہؓ سے نبرد آزما تھا۔ دیکھا کہ
 عبیدہ، عتبہ سے گھائل ہو کر تاب مقاومت کھو چکے ہیں قریب تھا کہ عتبہ
 تلوار لے کر چھپٹے اور انہیں شہید کر دے کہ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ
 کی تلواریں چمکیں اور اس کا لاشہ خاک و خون میں تڑپتا نظر آنے لگا
 حضرت عبیدہؓ شدید زخمی ہو چکے تھے حضرت علیؓ اور جناب حمزہؓ دونوں
 نے مل کر انہیں اٹھایا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ پیغمبرؐ نے
 دیکھا کہ عبیدہؓ کا پیر کٹ چکا ہے اور پنڈلی کی ہڈی سے گودا بہہ رہا ہے
 آپؐ نے عبیدہؓ کے سر کو زانو پر رکھا آنکھوں سے آنسو آگئے جو عبیدہؓ
 کے چہرے پر گرے، انہوں نے آنکھیں کھول کر پیغمبرؐ کی طرف دیکھا
 اور کہا یا رسول اللہ کیا میں شہیدوں میں محسوب ہوں گا؟ فرمایا کہ ہاں
 آپؐ شہیدوں میں شمار ہوں گے۔

عبیدہؓ نے کہا کاش! آج ابو طالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے
 ان کی بات کو جھوٹا نہیں ہونے دیا۔ ے

ونسلمہ حتی نصرع دونہ

ونذہل عن ابنائنا والحلائل

یعنی! ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں جب تک
 لڑتے ہوئے ان کے سامنے مرجائیں اور بیوی بچوں کی یاد سے غافل
 کر دیئے جائیں۔

عبیدہؓ میدان بدر سے پلٹے ہوئے وادی روجاء یا صفراء میں
 انتقال فرما گئے اور وہیں دفن ہوئے۔

قریش کے ان ملنے ہوئے سوراووں کے قتل سے کفار پر خوف
وہ اس چھا گیا۔ ابو جہل نے ان کی ہمت کو پست دیکھا تو چیخ چیخ
کراہیں ابھارنے اور دم دلاسا دے کر ان کی ہمت افزائی کرنے
لگا۔ طعیہ ابن عدی کو جوش آیا اور وہ فیل مست کی طرح جھومتا ہوا
نکلا حضرت علیؑ نے اس پر نیزہ مارا جس سے وہ سنبھل نہ سکا لڑکھڑاکر
زمین پر گر کر اور کچھ دیر ایڑیاں رگڑنے کے بعد دم توڑ دیا۔
حضرت نے فرمایا!

«واللہ لا یخافنا فی اللہ بعد الیوم ابدا»

(اعلام الوری ص ۱۹)

یعنی! خدا کی قسم آج کے بعد یہ کبھی اللہ کے بارے میں ہم سے
جنگ و خصومت پر نہ اترے گا۔

طعیہ کے بعد عاص ابن سعید ہتھیار سجا کر میدان میں اتر حضرت
علیؑ نے اسے بھی تلوار کی ضرب سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پھر عبد اللہ
ابن منذر اور حمرہ ابن عمر گرجتے دندناتے ہوئے نکلے اور دونوں ہی
حضرت علیؑ کی تلوار سے لقمہ اجل بن گئے اسی طرح حنظلہ یح و تاب کھاتا
ہوا نکلا۔ حضرت علیؑ نے اس کے سر پر تلوار کا ایسا بھر پور ہاتھ چلایا کہ
اس کا سر دو پارہ ہو گیا، آنکھیں حلقہ ہائے حشم سے باہر آگئیں اور ترپ
ترپ کر ٹھنڈا ہو گیا حنظلہ ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی
تھا، اس سے پہلے اس کا نانا عتبہ اور ماموں ولید حضرت علیؑ کے
ہاتھ سے مارے جا چکے تھے چنانچہ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں جب
معاویہ نے انہیں جنگ کی دھمکی دے کر مرعوب کرنا چاہا تو آپؑ نے معاویہؓ

کو اس کے بھائی، نانا اور ماموں کا انجام یاد دلاتے ہوئے تحریر فرمایا تھا
 ”فانا ابو الحسن قاتل جدك وخالك واخيت شدخا يوم الميذر“

(نہج البلاغہ)

یعنی! میں (کوئی اور نہیں) وہی ابو الحسن ہوں جس نے تمہارے
 نانا عقبہ تمہارے ماموں ولید اور تمہارے بھائی حنظلہ کے پرچے اڑا
 کر بدر کے دن مارا تھا۔“

کفار قریش کے ان نامی گرامی شخصیتوں کے قتل ہو جانے سے
 دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی اور اکیلے دوکیلے میدان میں اترنے سے
 خوف زدہ ہو گئے انہوں نے سمجھ لیا کہ اس طرح ایک ایک کر کے
 میدان میں نکلتے رہے تو کوئی بھی علی رضی اللہ عنہ کی تلوار سے بچ کر زندہ
 نہ پلٹے گا اور ایک ایک کر کے سب موت کے گھاٹ اتر جائیں گے اب
 انہوں نے جنگ مغلوبہ کے لئے بڑھنا شروع کیا مسلمانوں نے ان کی
 بڑھتی ہوئی یلغار دیکھ کر قدم آگے بڑھنا چاہا، مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ
 وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ صفوں کو درہم برہم نہ کریں اور قریش
 کے حملہ کو تیروں سے روکیں اور خود بارگاہِ احدیت میں دست بدعا ہو کر
 عرض کی۔

”اللھم ان تھلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد فی
 الارض اللھم ان تجزئ ما وعدتني“

(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۸۷)

یعنی! یا ارباب! اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین
 پر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔

پروردگار! اپنے وعدہ نصرت کو پورا کر۔
پھر نیند کی ایک جھپکی لی اور آنکھیں کھول کر فرمایا خدا کا شکر ہے
اس نے میری دعا قبول فرمائی اور ہماری امداد کے لئے فرشتے بھیج
دیئے۔

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے!

«اذ يستغيثون ربكم فاستجاب لكم الى من دعاهم بالفاء من
الملائكة مردفين»

یعنی! جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے اس نے
تمہاری دعا قبول کی اور جواب دیا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے جو پے
در پے آئیں گے تمہاری مدد کروں گا۔

جب قریش تیروں کے جواب میں تیر برساتے ہوئے لشکر اسلام کے
قریب آئے تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایک دم حملہ کر کے
دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ چنانچہ ایک ساتھ تلواریں بے نیام ہوئیں کمانیں
کڑکیں۔ تیسر رہا ہوئے اور ایسا گھمسان کارن پڑا کہ تلواروں کی جھنکا
اور تیروں کی بوچھاڑ سے میدان جنگ گونج اٹھا۔ مسلمان تلواریں چلاتے
صفوں کو چیرتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔
آخر حضرت علیؓ اور جناب امیر حمزہؓ کے پر زور حملوں سے کافروں کے
قدم ڈمگ گئے اور اس طرح تتر بتر ہوئے جس طرح شیر کے حملہ آور ہونے
پر بھیڑیں تتر بتر ہوتی ہیں۔

سعید کہتے ہیں!

«رایت علیاً یوم بدر یحکم کما یحکم محمد الفرس ویقول

الشعر فما رجع حتى حتى خضب سيفه دما۔

(کنز العمال جلد ۵ ص ۲۷۰)

یعنی! میں نے بدر کے دن علیؑ کو لڑتے دیکھا ان کے سینہ سے گھوڑے کے ہنہانے کی سی آواز نکل رہی تھی اور برابر رجز پڑھتے جاتے تھے اور جب پلٹے تو ان کی تلوار خون سے رنگین تھی۔

اس معرکہ کارزار میں نوفل ابن خویلد جو پیغمبرؐ اسلام کا انتہائی دشمن تھا حضرت علیؑ کے سامنے سے گزرا۔ آپؑ کے سامنے سے گزرا تو آپؑ نے اس کے سر پر تلوار ماری جو خود کو کاٹتی ہوئی سر کو توڑتی ہوئی جبرے تک اتر آئی اور پھر دوسرا وار اس کی ٹانگوں پر کیا جس سے اس کے دونوں پیر کٹ گئے۔

آنحضرتؐ اس دشمن دین کے قتل ہونے سے خوش ہوئے اور فرمایا! کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا کو شرف قبولیت بخشا۔

جنگ آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ کفار کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ابو جہل، اس کا بھائی عاص ابن ہشام اور دوسرے سردار تہ تیغ ہو چکے تھے دشمن شکست کی آخری منزل پر پہنچ گیا۔ زوال آفتاب کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور اپنا مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ مسلمانوں نے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا اور انہیں قتل کرنے کے بجائے پکڑ پکڑ کر اسیر کرنا شروع کر دیا تاکہ ان کے عوض قریش سے زرقذیرہ حاصل کر سکیں سعد ابن معاذ نے جب دیکھا کہ مسلمان کفار کو تہ تیغ کرنے کے بجائے زندہ گرفتار کر رہے ہیں تو وہ مسلمانوں کی حرکت پر بیچ و تاب کھانے لگے اور اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ اپنی ناگواری کو چھپانے سکے۔ پیغمبرؐ نے ان

کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو فرمایا !
 ”کیا مسلمانوں کا یہ طرز عمل تمہیں برا معلوم ہوتا ہے؟“
 عرض کیا کہ !

”یا رسول اللہ اول دفعۃً اوقعھا اللہ بالمشرکین کان الاتحان
 احب الی من استقیاء الرجال۔“

(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۸۸)

یعنی ! یا رسول اللہ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں اللہ نے مشرکوں کو
 شکست دلائی ہے ان لوگوں کو زندہ چھوڑ دینے کے بجائے انہیں اچھی
 طرح کچل دینا مجھے زیادہ پسند تھا۔

ستر کفار کے لاشے میدان میں بکھرے پڑے تھے۔ آنحضرتؐ نے
 ان لاشوں کو چاہ بدر میں پھینکوادیا اور انہیں فحاطب کر کے کہا کہ
 ”میں نے اپنے پروردگار کے وعدے کو سچا پایا ہے کیا تم نے
 بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے۔“ کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسول
 اللہ آپ مردوں سے باتیں کرتے ہیں کیا مردے بھی سنا کرتے ہیں فرمایا !
 ما انتہم باسمع لما اقول منهم ولكنهم لا يستطيعون
 ان يجیبونی۔

(تاریخ کامل جلد ۲ ص ۹۰)

یعنی ! وہ تم سے زیادہ میری بات سنتے ہیں جواب دینے سے البتہ
 عاجز ہیں۔“

ان امور سے فارغ ہو کر آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ مال غنیمت ایک جگہ
 پر جمع کر دیا جائے یہ حکم بعض طبیعتوں پر گراں گذرا۔ کیونکہ وہ چاہتے تھے

کہ دستور عرب کے مطابق جو جس نے لوٹا ہے وہ اسی کے پاس رہے
 مگر پیغمبر اسلام نے اس کی اجازت نہ دی اور تمام مال غنیمت کو یکجا کر کے
 عبداللہ ابن کعب کی نگرانی میں دے دیا اور اسیران جنگ کو جبراست میں
 لے کر مدینہ روانہ ہو گئے جب وادی صفراء میں پہنچے تو آپ نے مال غنیمت
 شرکاء جنگ پر مساوی تقسیم کر دیا یہ کام مدینہ پہنچ کر بھی انجام دیا جاسکتا
 تھا مگر ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے صبر آزما انتظار سے بچنے کے لئے جلدی
 کی ہو اور آپ نے یہی مناسب سمجھا ہو کہ اسے یہیں تقسیم کر دیا جائے جب
 مدینہ پہنچے تو آپ نے ان اسیروں کو مختلف لوگوں کے ہاں ٹھہرایا اور ان
 سے حسن سلوک کی ہدایت فرمائی چنانچہ جب تک مسلمانوں کی تحویل میں
 رہے ان سے بہتر سے بہتر سلوک کیا جاتا رہا جس کا بعض اسیروں نے خود
 بھی اعتراف کیا اور پھر ان قیدیوں میں جو صاحب حیثیت تھے۔ ان
 سے فدیہ لے کر اور جو نادار تھے انہیں ویسے ہی آزاد کر دیا۔ آنحضرت
 کی بعثت کے وقت قریش میں صرف سترہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے
 تھے۔ آپ نے اس کمی کو محسوس فرماتے ہوئے ان لوگوں سے جو مالی
 اعتبار سے کمزور اور لکھنا پڑھنا جانتے تھے یہ طے کیا کہ وہ مدینہ کے
 دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں اور اس کے عوض انہیں رہا کر دیا
 جائے گا۔ ان اسیران بدر کے بارے میں یہ روایت بھی ہے کہ آنحضرت
 نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ کیا کہ انہیں
 قتل کیا جائے یا ان سے مالی معاوضہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ
 نے یہ مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینا چاہیئے اور حضرت
 عمرؓ نے اس رائے کے خلاف رائے دیتے ہوئے کہا:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الَّذِي دَانِي أَبُو بَكْرٍ وَلَكِنِّي أَرَىٰ أَن تَمَكَّنِي مِنْ فَلَانٍ فَاضْرِبْ
عَنْقَةً وَتَمَكَّنْ حِمْرَةً مِنْ أَخِي لَهُ فَيَضْرِبُ عَنْقَهُ وَتَمَكَّنَ عَلِيًّا مِنْ عَقِيلٍ
فَيَضْرِبُ عَنْقَهُ»۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۶۹

یعنی! خدا کی قسم مجھے ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق نہیں ہے آپ
مجھے حکم دیں کہ میں فلاں کی گردن اڑا دوں اور حمزہؓ سے کہیے کہ وہ اپنے
بھائی (عباس) کی گردن مار دیں اور علیؓ سے کہیے کہ وہ عقیل کو قتل
کر دیں۔

آنحضرتؐ نے اپنے (اجتہاد) سے کام لے کر حضرت عمرؓ کے
مشورہ پر عمل کرنے کے بجائے حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ کو ترجیح دی
اور فدیہ لے کر اسیروں کو رہا کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلہ کے
دوسرے دن حضرت عمرؓ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر دھاروں دھاروں
رو رہے ہیں حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ دونوں کیوں رو
رہے ہیں اگر رونے کی کوئی وجہ ہے تو اس رونے دھونے میں شریک
ہو جاؤں۔ فرمایا کہ فدیہ کے قبول کرنے پر مجھے عذاب منڈلاتا نظر آیا ہے
جو اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک تھا اور ایک درخت کی طرف
اشارہ کیا، اور یہ تہدید آمیز آیت نازل ہوئی ہے!

«مَا كَانَ لِبَنِي آدَمَ أَنْ يَبْعُوهُنَّ لَهُ اسْرِيَ حَتَّى يَتَخَنَ فِي الْأَرْضِ تَرْيِدُونَ
عَرْضَ الدَّيَا وَاللَّهُ يَرْيِدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ لَوْلَا كِتَابُ مِنَ اللَّهِ
سَبَقَ لِمَسْكُمْ فِيمَا اخَذْتُمْ عَذَابَ عَظِيمٍ»

یعنی! بنی کو نہیں چاہیے کہ اچھی طرح خون ریزی کئے بغیر لوگوں

کو قیدی بنائے تم لوگ مال دینا چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے اگر خدا کا نوشتہ پہلے سے موجود نہ ہوتا تو تم جو کچھ سمیٹے اس پر تمہیں بڑا عذاب ہوتا۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس فدیہ ہی کے نتیجہ میں دوسرے سال جنگ احد میں رسول اللہ کے ستر صحابی شہید ہوئے ستر اسیر کئے گئے آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرہ اور سر زخمی ہوا اور آپ کے اصحاب آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ پیغمبر اسلام کو صحابہ سے مشورہ لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی کیا قرآن مجید میں اسیروں کے بارے میں کوئی ہدایت موجود نہ تھی؟ ایسا تو نہیں ہے بلکہ قرآن پاک میں واضح طور پر جنگی اسیروں کے احکام اور ان سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کرنے کی تعلیم موجود ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے۔

”وَإِذَا الْقِيَمَةُ نَزَلَتْ كَفَرُوا فَضُوبِ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْنَتُمُوهُمْ فَشَدُّوا الوَثَاقِ فَمَا مَنَابِعِدْ مَا مَفَادُ حَتَّىٰ لَغْنَمَ الْحَرْبِ أَوْ ذَاهَا

یعنی! جب تم کافروں سے لڑو تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب انہیں زخموں سے چور چور کرو تو ان کی مشکیں کس لو۔ پھر ان پر احسان کرتے ہوئے انہیں چھوڑ دو یا مافوضہ لے کر رہا کر دو یہاں تک کہ دشمن جنگ کے ہتھیار رکھ دے۔“

یہ سورہ محمدؐ کی آیت کریمہ ہے جو بالاتفاق جنگ بدر سے پہلے

نازل ہوئی لہذا جب اسیروں کے بارے میں پہلے سے حکم آچکا تھا کہ انہیں یونہی چھوڑ دیا جائے یا ان سے فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے تو پیغمبر اسلام نے اس حکم قرآنی کے پیش نظر جب کچھ لوگوں سے فدیہ لے لیا اور کچھ لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا اور کچھ لوگوں کو تعلیم کتابت کے عوض آزاد کر دیا ہے۔ تو اس پر عتاب کیوں اور عذاب کی دھمکی کس جرم کی پاداش میں ظاہر ہے کہ اس نص صریح کے ہوتے ہوئے صحابہ سے مشورہ لینا اور پھر اپنے اجتہاد سے کام لے کر ایک کا مشورہ قبول کر لینا اور ایک کا مشورہ مسترد کر دینا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ جب کہ پیغمبر اسلام کا وظیفہ ہی یہ ہے کہ وہ وحی الہی پر عمل پیرا ہو اور اس کے مقابلہ میں کسی کے مشورہ ور لٹے پر عمل پیرا ہونے کا جواز ہو تو وحی الہی کی ضرورت اور افادیت ہی ختم ہو جاتی ہے باقی رہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ کہ حمزہؓ سے کہیے کہ وہ عباسؓ کو قتل کریں اور علیؓ سے کہیے کہ وہ عقبیل کی گردن ماریں، خدا جانے پیغمبر اکرمؐ نے اس کا کیا جواب دیا جب کہ وہ میدان جنگ میں بنی ہاشم اور عباس کو قتل کرنے سے منع کر چکے تھے اور اللہ جانے کہ حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ کیسے دیا جب کہ وہ ابو حذیفہ کو جب اس نے عباسؓ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا منافق کہہ چکے تھے۔ کیا حضرت عمرؓ کے ذہن سے یہ دونوں باتیں اتر چکی تھیں یا میدان جنگ میں تو ان کا قتل ناجائز تھا اور اب جائز ہو گیا تھا۔ کیسے؟

اگر اس روایت کی بناء پر یہ فرض کر لیا جائے کہ فدیہ قبول کرنے کی وجہ سے عذاب منڈلاتا نظر آتا تو پیغمبر اسلام اس عذاب کی جھلک

دیکھنے کے بعد اس فدیہ کو مسترد کر دیتے جب کہ یہ واقعہ فدیہ قبول کرنے کے دوسرے دن کا بتایا جاتا ہے ظاہر ہے کہ ان قیدیوں کے پاس فدیہ زر موجود تو نہ تھا کہ انہوں نے فوراً ادا کر کے رہائی حاصل کر لی ہوگی بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس کے منگوانے اور حاصل کرنے میں ڈیڑھ ماہ یا دو ماہ کا عرصہ لگ گیا تھا۔ اور پھر احد کی ہزیمت صحابہ کے فرار اور ستر مسلمانوں کے شہیدوں کو اس فدیہ کی پاداش قرار دینا ایک عجیب سی بات ہے یہ سزا تو انہیں ملنا چاہیے تھی جنہوں نے یہ رقم فدیہ لی تھی کیا اس سے عدل الہی پر حرف نہیں آتا کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی بھگتے۔ بہر حال یہ روایت موضوع ہے اور بظاہر اس کے گڑھنے کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ احد میں صحابہ کے فرار کو قدرت کی طرف سے ایک طے شدہ امر قرار دے کر ان کے فرار عن الزحف کے جرم کو ہلکا کر کے دکھایا جائے اس طرح کہ یہ فرار اس جرم کی پاداش میں تھا جس میں معاذ اللہ خاتم بدہن پیغمبر اسلام بھی شریک تھے اور وہی فدیہ قبول کر کے اس فرار و ہزیمت کا باعث ہوئے تھے لہذا اس میں بھاگنے والوں کا کیا قصور نہ پیغمبر اسلام فدیہ وصول کرتے اور نہ صحابہ کے میدان چھوڑنے کی نوبت آتی اور ساتھ ہی فدیہ کی خاطر مشرکوں کو زندہ ہی گرفتار کرنے کی کارروائی کو اس طرح ڈھانپ دیا جائے کہ آیت تہدیری لہجے کا رخ پیغمبر اکرم کی طرف مڑ جائے کہ انہوں نے اجتہادی غلطی کے نتیجے میں فدیہ لینے پر رضامندی ظاہر کی جس پر قدرت نے اپنا عذاب دکھایا اور تنبیہ کے لئے آیت نازل فرمائی۔ حالانکہ آیت میں پیغمبر اسلام پر عتاب کا شائبہ تک نہیں ہے بلکہ ان لوگوں پر عذاب ہے جنہوں

نے فدیہ بٹورنے کے لئے مشرکوں کو قتل کرنے کے بجائے اسیر بنایا۔ چنانچہ آیت کا صاف اور واضح مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اکرم کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کفر کی طاقت کو کچلنے اور اس کا زور توڑنے سے پہلے کافروں کو گرفتار کرنے لگے مگر تم نے دنیوی مفاد کی خاطر پکڑ دھکڑ شروع کر دی تاکہ زر فدیہ حاصل کر سکو۔ بے شک تمہیں فدیہ لینے کی اجازت دی جا چکی ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دشمن کا قلع قمع کرنے میں کوتاہی کی جائے اور فدیہ کی خاطر ہاتھ روک لیا جائے اور مال کی جمع آوری ہی کو جہاد کا مقصد قرار دے لیا جائے چنانچہ شاہ ولی اللہ نے صحابہ ہی کو مورد عتاب سمجھتے ہوئے تحریر کیا ہے !

”كان ميلهم الا فتد اذ مخالفا لما احبه الله من قطع دابر
الشرك فغوبتوا ثم عفى عنهم

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۵۷۳)

یعنی ! صحابہ فدیہ لینے کی طرف مائل تھے اور یہ اللہ کی پسندیدہ چیز کے خلاف تھا۔ اللہ تو یہ چاہتا تھا کہ شرک کی جڑ کٹ جائے۔ اسی وجہ سے ان پر عتاب ہوا اور پھر انہیں معاف کر دیا گیا۔

مال و دولت کی ہوس یوں تو انسان کی طبعی کمزوری ہے مگر جہاں ایک طرف دین کے استحکام اور دشمنان دین کے استحصال کا سوال ہو تو دوسری طرف مالی مفاد کو نظر انداز کر دینا ہی دین کا بنیادی تقاضا ہے مگر مال و زر کی ہوس عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اسلام کے بعد بھی اس دیرینہ ذہنیت میں تبدیلی نہ ہوئی تھی اور اس کا مظاہرہ ایسے مواقع پر ہوتا رہا ہے چنانچہ ابتدا میں قریش کے لشکر سے بھرتے اور اس کی

فکر کرنے کے بجائے ابوسفیان کے کارروان کی جستجو میں رہے جو شام سے لدا پھندا ہوا آ رہا تھا اور جنگ کے خاتمہ پر اپنے سمیٹے ہوئے حال پر اپنا حق جتانے بیٹھ گیا لوٹنے والے کہتے ہیں کہ ہماری ملکیت ہے اور لڑنے والے کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ملا ہے اس لئے ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں اور اسی دولت کے لالچ میں آکر کفار کا استحصال کرنے سے پہلے انہیں پکڑ پکڑ کر قیدی بنانے لگے جس پر سعد ابن معاذ انصاری نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا اور رسول اللہ سے کہا کہ کافی خونریزی سے پہلے کفار کو اسیر بنانا مجھے قطعاً پسند نہیں ہے حضرت عمرؓ نے بھی اگرچہ مشرکوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا مگر اس وقت کہ جب انہیں اسیر بنا کر مدینہ لایا جا چکا تھا اور ان کے قتل کا کوئی موقع و محل نہ رہا تھا۔ چنانچہ نہ تو قرآن میں ہے اور کوئی حدیث میں کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد اسیروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور نہ آیت کا عتاب اس بناء پر تھا کہ ان سے فدیہ لینے کے بجائے انہیں قتل کیوں نہ کر دیا گیا، بلکہ وجہ عتاب یہ تھی کہ میدان جنگ میں پوری خونریزی سے پہلے انہیں اسیر کیوں کیا گیا اور اب جب کہ انہیں اسیر بنایا جا چکا تھا تو سورہ محمدؑ کی آیت کی رو سے ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینا عین منشاء اللہی کے مطابق تھا۔

اب اس غزوہ میں جو اسلام کا پہلا غزوہ تھا کفار کو بری طرح زک اٹھانا پڑی۔ ان کے ستر آدمی قتل اور ستر اسیر ہوئے اور باقی ماندہ افراد نے راہ فرار اختیار کر کے اپنی جانیں بچائیں مسلمانوں میں سے صرف چودہ آدمی شہید ہوئے جن میں چھ ہاجر اور آٹھ انصار تھے۔

اَمَامُ
مُحَمَّدٍ

مُحَمَّدٌ
بِعَبْدِهِ

نَفْسُ
رَسُولِ

رُوحِ
شَوَّانِ

زَادَ
رَسُولُ

هَمْسُ
بِعَبْدِهِ

فَاتِحُ
رَبِّكَ

فَاتِحُ
حَدَّثَ

فَاتِحُ
جَسَدِ

فَاتِحُ
حَدَّثَ

فَاتِحُ
رَبِّكَ

فَاتِحُ
أَحَدِ

مولائے کائنات امیر المومنینؑ کی تلوار سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد پینتیس تھی یعنی جتنی تعداد کل مسلمانوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوئی اتنی ہی تعداد تنہا حضرت علیؑ کے ہاتھ سے واصل جہنم ہوئی تھوہا امراہان قریش شیبہ، ولید، حنظلہ، نوفل ابن خولید، عاص ابن سعید، مغیرہ ابن ولید وغیرہ۔ حضرت علیؑ کے مقتولین کی تعداد اس امر کی شاہد ہے کہ آپؑ نے نہ مال غنیمت سمیٹنے کی فکر کی اور نہ اسیر بنانے کے لئے بھاگنے والوں کا پیچھا کیا بلکہ ہمہ تن دشمنان دین کے استحصال اور کفر و شرک کی بیخ کنی میں لگے رہے اور شجاعت و فنی بہارت کا وہ فقیہ المثال مظاہرہ کیا جس سے دشمن کے دلوں پر اسلام کی قوت و برتری کی ہمیشہ کے لئے دھاک بیٹھ گئی اور مسلمانوں کے لئے فتح و کامرانی کی راہیں ہموار ہو گئیں اگر اس مرحلہ پر مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تو وہ کفار کے مقابلہ میں مرعوبیت کا شکار ہو جاتے اور یہ احساس شکست انہیں دشمن سے ٹکرانے اور میدان جنگ میں اترنے سے پست ہمت بنا دیتا اور بالیوی اور کم ہمتی کا نتیجہ شکست و ہزیمت کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا ہے مگر فتح بدر کے نتیجہ میں مسلمان ایک بڑی طاقت سمجھے جانے لگے اور اسی شہرت نے مسلمانوں کو فاتحین کی صف اول میں لاکھڑا کیا بلاشبہ تمام اسلامی فتوحات اس فتح و کامرانی کا نتیجہ و ثمر ہے اور یہ فتح جو حق و صداقت عدل و انصاف اور عزم و عمل کی فتح تھی علیؑ کے دست و بازو کی رہن منت ہے اور انہیں کے سر اس کامیابی و کامرانی کا سہرا ہے۔ یہ جنگ روز جمعہ ۱۲ رمضان المبارک سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوئی۔

۶۰ ہجری میں یزید بن معاویہ بن ابوسفیان اپنے کفر و شرک کا

اعلان اس طرح کرتا ہے۔ غور فرمائیے!

حسینؑ یوم عاشورہ یوم بدر کا بدلہ ہے۔ (یزید)
جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا! غزوہ بدر مشرکوں اور کافروں
سے مسلمانوں کی جنگ تھی جس میں بنو امیہ شجر ملعونہ ابوسفیان کی بیوی
معاویہ بن ابوسفیان کی ماں اور یزید کی داری جگر خوارہ کے کافر باپ

”عتبہ“

کافر بھائی ”ولید“

کافر چچا ”شیبہ“

اور کافر بیٹے ”ضطلہ“

کو حسینؑ کے باپ ابوطالب کے بیٹے ”علیؑ“ نے قتل کر کے
واصل جہنم کیا تھا۔

لہذا ————— ان مشرکوں اور کافروں کا بدلہ —————

فرزند رسولؐ اسلام حسینؑ سے یزیدؑ نے

حسینؑ کو قتل کر کے

حسینؑ کے اٹھارہ سالہ فرزند علی اکبرؑ اور —————

چھ ماہ کے معصوم بچے ————— علی اصغرؑ

کو قتل کر کے یوم عاشورہ لیا۔ تاریخ نے پوری دیانت داری سے ان
ظلماء بنی امیہ کے منحوس اور مکروہ چہرے سے نقاب الٹ دی ہے۔

غزوة احمد

بدر میں قریش کے ستر نامور سور مارے گئے۔ ستر اسیر کئے گئے اور باقی ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس شکست فاش سے مکہ کی فضاء میں ایک سکون سا پیدا ہو گیا تھا یہ سکون عارضی اور سمندر کی اس خاموش سطح کی مانند تھا جس کے نیچے طوفانی لہریں موجزن ہوں یا اس خاموش آتش فشاں کے مانند تھا جس کے اندر ہی اندر لاوا سلگ رہا ہو اور زمین کی تہوں اور چٹانوں کو چیر کر پھوٹ نکلنے کے لئے بے قرار ہو۔ قریش کے دلوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑی ہوئی تھی اور سینوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور اس خیال سے کہ کہیں جوش انتقام سرد نہ پڑ جائے۔ مقتولین بدر پر رونے سے منع کر رکھا تھا اور یوں بھی عرب کا دستور تھا کہ عورتیں اس وقت تک اپنے مقتولین پر نہ روتی تھیں جب تک ان کا انتقام نہ لے لیا جاتا تھا۔ اس ضبط گیر جانی اور مالی نقصان شکست و ہزیمت کی شرمندگی اور انتقامی جذبہ نے انہیں فیصلہ کن جنگ لڑنے پر ابھارا۔ ابوسفیان جو قیادت و سربراہی کے خواب دیکھ رہا تھا اسے ابوجہل اور دوسرے سرگردہ افراد کے مارے جانے سے آگے آنے کا موقع مل گیا۔ اس نے عوام کے جذبات کو متاثر کرنے کے لئے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک سر میں تیل نہیں لگاؤں گا جب تک قریشیوں کے کشتوں کا بدلہ نہیں لے لوں گا۔ چنانچہ ذی الحجہ ۲ ہجری کو

دوسو کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ پر تاخت و تاراج کے ارادہ سے نکل کھڑا ہوا۔ جب مدینہ کے قریب پہنچا تو قبیلہ انصار کے دو آدمیوں کو جو کھیتوں میں کام کر رہے تھے قتل کر دیا اور کھجوروں کے ایک باغ میں آگ لگا دی۔ پیغمبر اکرمؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے مقام کدر تک اس کا تعاقب کیا مگر وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔

یہ حملہ ایک بڑے حملے کی تمہید تھا جس کی تیاری بدر کے بعد سے کی جا رہی تھی اور عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان بن امیہ، عبداللہ ابن ربیعہ اور دوسرے سرکردہ لوگوں نے گزشتہ سال کی تجارت کا مشترکہ منافع جو پچاس ہزار مثقال سونا اور ایک ہزار اونٹوں کی شکل میں تھا اور ابھی تک شرکاء میں تقسیم نہیں ہوا تھا۔ جنگی مصارف کے لئے مخصوص کر دیا تاکہ مالی اعتبار سے مضبوط ہو کر مسلمانوں سے جنگ لڑی جاسکے چنانچہ قرآن مجید میں ان کے بارے میں ارشاد ہے۔

ان الذین کفروا ینفقون اموالہم لیصدوا عن سبیل اللہ فسینفقونہا ثم ینقلبون والذین کفروا الی جہنم یمحشرون۔

یہ کفار اپنے مال کو اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو خدا کی راہ سے روک دیں یہ عنقریب اسے خرچ کریں گے پھر یہی مال ان کے لئے حسرت و اندوہ کا باعث ہوگا پھر یہ شکست کھا جائیں گے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ سیدھے جہنم میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ قریش کو مصارف جنگ کی طرف سے تو اطمینان تھا ہی البتہ جنگجو افراد کی کمی کا احساس تھا۔ اس کا تذکرہ انہوں نے یوں کیا کہ چند آتش بیل قسم

کے شاعروں کو اپنا نمائندہ بنا کر قتل قبائل کی طرف بھیج دیا تاکہ مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات ابھار کر انہیں قریش سے تعاون پر آمادہ کریں مکہ کا ایک شاعر ابو عذرہ عمرو ابن عبد اللہ تہامہ میں آیا اور اہل تہامہ اور بنی تہامہ کو اپنے کلام سے متاثر کر کے قریش کا ہمنوا بنالیا اور ان کے ساتھ سو آدمی قریش کے لشکر میں شامل ہو گئے اس طرح بڑھتے بڑھتے لشکر کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی جس نے سردھڑ کی بازی لگا کر جنگ کرنے کی ٹھان لی۔

ہند زوجہ ابو سفیان جس کا باپ عقبہ، بھائی ولید اور چچا شیبہ جنگ بدر میں مارے گئے تھے اس نے بھی سملگتی ہوئی چنگاری کو بھڑکتا ہوا شعلہ بنانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور چودہ عورتوں کی سرگردہ بن کر فوج میں شامل ہو گئی۔ ان عورتوں میں خالد بن ولید کی بہن فاطمہ، عمرو ابن عاص کی بیوی ریطہ، عکرمہ ابن ابی جہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث، اور سفیان ابن عویف کی بیوی رملہ بنت طارق اور صفوان ابن امیہ کی بیوی برہ بنت مسعود بھی شریک تھیں ان عورتوں کے شامل ہونے کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان کارزار میں جنگ آزماؤں کے جذبات کو بھڑکائیں اور پسپائی کی صورت میں انہیں جوش و غیرت دلا کر واپس میدان میں لائیں۔ جب یہ لشکر ابو سفیان کی قیادت میں مکہ سے نکل کھڑا ہوا تو عباس ابن عبد المطلب نے اس خیال سے کہ اگر اس لشکر گراں نے بے خبری کے عالم میں مدینہ پر حملہ کر دیا تو مسلمان اس منظم و مسلح فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے، بنی غفار کے ایک شخص کے ذریعہ آنحضرتؐ کو پیغام بھیجا کہ قریش کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے مکہ سے نکل چکا ہے آپ اس بڑھتی ہوئی

یلغار کو روکنے کا بندوبست کر لیں ایسا نہ ہو کہ وہ اچانک حملہ کر دے اس
 بروقت اطلاع کے ملتے ہی آنحضرتؐ نے دو آدمیوں کو مدینہ کے باہر بھیجا
 کہ وہ دیکھیں بھالیں کہ یہ خبر کہاں تک درست ہے انہوں نے پلٹ کر
 بتایا کہ عباس کی بھیجی ہوئی اطلاع صحیح ہے اور قریش کا لشکر مار دھاڑ کرتا
 ہوا اطراف مدینہ میں پہنچ چکا ہے اور کسی وقت بھی حملہ کر سکتا ہے اگرچہ
 یہ وہی بدر کے شکست خوردہ لوگ تھے مگر پہلے سے زیادہ تیار ہو کر آئے
 تھے اور اہل تہامہ اور بنی کنانہ کے شامل ہو جانے سے ان کی تعداد بڑھ گئی
 تھی مسلمانوں کو دشمن کے سر پر پہنچ جانے کی خبر ہوئی تو ان میں اختلاف
 رائے پیدا ہو گیا کچھ لوگوں کی رائے یہ تھی کہ چونکہ مسلمان تعداد میں کم ہیں
 اور کفار کی تعداد زیادہ ہے لہذا دفاعی صورت اختیار کرنا بہتر ہو گا۔ اس
 طرح کہ جنگجو افراد تیروں تلواروں اور نیزوں سے راستوں کے ناکوں پر
 انہیں روکیں اور اگر ان سے کچھ لوگ سینہ زوری کر کے حدود شہر میں
 داخل ہو جائیں تو عورتیں، بچے اور بوڑھے چھتوں پر سے سنگباری کر
 کے انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں اور جب دشمن کا زور ٹوٹ جائے
 تو پھر اس کے مقابلہ میں صف آرا ہو کر لڑا جائے۔ اور کچھ لوگوں کی یہ
 رائے تھی کہ شہر کے اندر محصور رہ کر صرف دفاعی جنگ لڑی جاسکتی ہے
 اور دفاعی جنگ اس صورت میں اختیار کی جایا کرتی ہے جب دشمن سے
 زور آزما ہونے کا حوصلہ نہ ہو۔ لہذا دشمن کو اپنی کمزوری و بے طاقتی کا
 کا تاثر دینے کے بجائے ہمیں شہر سے باہر نکل کر محاذ جنگ قائم کرنا چاہئے
 جو لوگ حدود شہر سے نکل کر جنگ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ ان
 میں حضرت حمزہؓ، سعد ابن عبادہؓ اور وہ افراد شامل تھے جو جنگ بدر

میں شریک نہ ہو سکے تھے اور اب شہر کی تنگ و تاریک گلیوں کے بجائے
کھلے میدان میں داد شجاعت دینا چاہتے تھے اور جو شہر میں محصور ہو کر
مقابلہ کرنا چاہتے تھے ان میں عبداللہ ابن ابی مشہور منافق پیش پیش تھا
ذہن اس چیز کو تو قبول نہیں کر سکتا کہ اس کی یہ تجویز مسلمانوں کی ہمدردی
اور خیر خواہی کے پیش نظر ہوگی جب کہ وہ اور اس کا گروہ یہ چاہتا ہے
کہ مسلمانوں کا شیرازہ درہم و برہم ہو کر رہ جائے اور ذلت و خواری کے
ساتھ مدینہ سے نکال باہر کئے جائیں۔

مورخین نے عام طور پر لکھ دیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بھی مدینہ میں محصور
رہ کر جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ مگر رائے عامہ سے متاثر ہو کر مدینہ سے
نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر کی یہی رائے تھی۔
تو اس پر عمل درآمد کرنے میں مانع ہی کیا تھا۔ جب کہ تاریخ یہ بتاتی
ہے کہ جو لوگ باہر نکلنے پر اصرار کر رہے تھے انہوں نے پیغمبر کو ہتھیار
سج کر باہر نکلتے دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر آپ مدینہ میں رہ کر
دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔
آنحضرتؐ نے فرمایا!

ما ینبغی لنبی اذا البس لامتہ ان یضعہا حق تقاتل۔

(تاریخ طبری ج ۲۔ ص ۱۹)

نبیؐ کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ جب وہ جنگ کا لباس پہن
لے تو پھر جنگ کئے بغیر اسے اتارے۔

یہ الفاظ اطمینان، استقلال، مزاج اور دشمن سے جہاد کرنے کے
غیر متبدل عزم و ارادہ کے عکاس ہیں۔ جس سے یہ صاف عیاں ہے کہ

کہ پیغمبرؐ کسی خارجی دباؤ کے زیر اثر شہر سے نکلنے پر مجبور نہ ہوئے تھے بلکہ جوشِ عمل اور ولولہ جہاد کا تقاضا ہی یہ تھا کہ غنیم سے کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے اور شہر میں محصور رہ کر دشمن کو مدینہ پر تاخت و تاراج کا موقع نہ دیا جائے۔ پیغمبرؐ کا یہ ارشاد نہ صرف ان کے ناقابلِ تسخیر عزم اور بلند جوہلی کا ترجمان ہے بلکہ مسلمانوں کے لئے بھی عزم و عمل کا ایک زریں درس ہے کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں بددلی کا مظاہرہ نہ کریں اور جب جنگ ناگزیر ہو چکی ہو تو اس میں عملی کمزوری کا گزرنہ ہونے دیں۔ اور کتنی ہی ناگوار صورتوں کا مقابلہ کرنا پڑے دشمن کو پیٹھ نہ دکھائیں اور اس کی قوت و کثرت کو نظر انداز کر کے آخر دم تک لڑتے رہیں۔

آنحضرتؐ نے ابنِ مکتوم کو مدینہ میں منتظم و نگران مقرر کیا اور ہم اشوال سترہ صبح کو نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار کی جمیعت کے ساتھ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور ایک قریب کے راستے سے کوہ احد کی جانب روانہ ہو گئے جہاں قریش کا لشکر ۱۲ اشوال سے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ ابھی پیغمبرؐ نے آدھا راستہ طے کیا ہو گا کہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں سمیت لشکر سے کٹ کر واپس مدینہ آگیا اور عذر یہ تراشا کہ چونکہ میری رائے پر عمل نہیں کیا گیا کہ اندرون شہر نہ کر جنگ لڑی جائے لہذا میں حدود شہر سے باہر نکل کر اپنے ساتھیوں کی جانیں خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ اب مسلمانوں کی تعداد سات سو رہ گئی جنہیں تین ہزار جنگجوؤں سے مقابلہ کرنا تھا۔ ان سات سو میں سے انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ و بنی حارثہ بھی واپسی کے منصوبے باندھنے لگے مگر پھر سنبھل گئے اور پلٹنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ قرآن مجید میں انہی کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

اذھمت طائفتان منکم ان تغشلا۔

جب تم میں سے دو گروہوں نے رہیں سے اپسا ہونے کی ٹھان

لی۔ ۴

پیغمبر اسلام نے انہیں سات سو لشکریوں کے ساتھ دابن کوہ میں
پڑاؤ ڈال دیا۔ آج کا دن تو گزر ہی چکا تھا دوسرے دن ۱۵ اشوال روز شنبہ
دونوں طرف کی فوجوں نے اپنے اپنے مورچے سنبھال لئے۔ مشرکین کی
تعداد بہت زیادہ تھی اور اسلحہ جنگ بھی ان کے پاس فراوان تھا۔ ان کے
لشکر میں سات سو زرہ پوش تھے اور مسلمانوں کے پاس کل ایک سو زرہ ہیں
تھیں۔ ان کے پاس تین ہزار اونٹ اور دو سو کوتل گھوڑے تھے اور یہاں
صرف دو گھوڑے ایک رسول اللہ کے پاس اور ایک ابو ہریرہ کے پاس بس
فوج کی قلت اور سامان جنگ کی کمی کی وجہ سے ضرورت تھی کہ لشکر کو اس طرح
ترتیب دیا جائے کہ دشمن کو ہر سمت سے حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے چنانچہ
تحفظی تدابیر کے پیش نظر آنحضرتؐ نے کوہ احد کو پس پشت رکھا اور مدینہ کو
سامنے کے رخ پر اور بائیں جانب کوہ عینین کے ایک تنگ درہ پر پچاس
ہمانداروں کا ایک دستہ عبداللہ ابن جبیر کی زیر نگرانی کھڑا کر دیا اور اسے
تاکید کی کہ خواہ فتح ہو یا شکست جب تک اسے حکم نہ دیا جائے کسی حالت
اور کسی صورت میں اپنا مورچہ نہ چھوڑے جنگی اعتبار سے یہ کارروائی نہایت
ضروری تھی اگر یہ انتظام نہ کیا جاتا تو کفار اس سمت سے حملہ آور ہو کر
لشکر اسلام کو اپنے محاصرہ میں لے لیتے اور مسلمانوں کے لئے ان کے حصا
کو توڑ کر اپنی جانیں بچا لے جانا مشکل ہو جاتا۔ اس نظم و انصرام کے بعد
بقیہ لشکر کی صف بندی کی۔ یمنینہ پر سعد ابن عبادہ کو اور عیسرہ پر اسیر ابن جھیر

کو متعین کیا۔ لواء مصعب ابن عمیر کو دیا اور رایت جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا جو جنگ بدر میں بھی علمبردار تھے اور بعد کے غزوات میں بھی علمبردار رہے۔

کفار نے بھی اپنے لشکر کو مہینہ و میسرہ میں تقسیم کیا۔ مہینہ کا سردار خالد بن ولید کو اور میسرہ کا عکرمہ ابن ابی جہل کو۔ سواروں کا افسر عمرو ابن عاص کو مقرر کیا اور تیر اندازوں کا عبد اللہ ابن ربیعہ کو۔ اور قلب لشکر میں جہاں قریش نے اپنا مشہور بت ہبل ایک اونٹ پر لا رکھا تھا ابو حقیان جا کھڑا ہوا اور علم لشکر بنی عبد الدار کی ایک فرد طلحہ ابن عثمان کے سپرد کیا گیا۔ جب کیل کانٹے سے لیس ہو گئے تو قریش نے اعل صبل رہیل کا بول بالا کا نعرہ لگایا اور پسند اور دوسری عورتیں صفوں کے آگے کھڑی ہو گئیں اور شکریوں میں جوش پیدا کرنے کے لئے دف پر ٹھک ٹھک کر گانے لگیں۔

نحن بنات طابق نمشی علی الفارق مشی القطا النوازي
ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ قالینوں پر ناز و انداز سے اس طرح چلتی ہیں جس طرح سبک رو قطا پرندہ چلتا ہے۔

والمسك في المفارق والدر في المخانق ان تقبلوا فائق
مانگ میں مشک بھری ہے اور گردنوں میں موتی جگمگا رہے ہیں اگر تم آگے بڑھو گے۔ تو ہم تمہیں گلے سے لگائیں گے۔

ولفرش الفارق اوتدبروا الفارق فراق غير وامق
اور تمہارے لئے مسندیں بچائیں گے اور پیٹھ پھرائی تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔ اس طرح کہ گویا تم سے کبھی چاہرت تھی ہی نہیں۔
اس ترانہ کے ختم ہوتے ہی طبل جنگ بجنے لگا اور دست بدست لڑائی

لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ قریش کا علمبردار طلحہ ابن عثمان ہتھیار سمجھ کر بڑے
 کروفر سے میدان میں آیا اور طنز آمیز لہجہ میں کہنے لگا مسلمانوں تمہارا یہ
 خیال ہے کہ اگر تم سے کوئی مارا جائے تو جنت میں جاتا ہے اور ہم میں
 سے کوئی مارا جائے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوتا ہے۔ لہذا تم میں جو جنت
 جانا چاہے تو یا مجھے دوزخ میں بھیجنے کا خواہشمند ہو وہ آئے اور مجھ سے
 لڑے حضرت علیؓ تلوار لہراتے اور رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے
 لئے نکلے۔ اور دونوں شمشیر کیف آپس میں بھڑکئے طلحہ نے تلوار سے حملہ
 کیا، حضرت نے اس کا وار خالی دے کر اس پر جوابی حملہ کیا اور بیک
 ضرب شمشیر اس کی دونوں ٹانگیں کاٹ کر رکھ دیں۔ طلحہ ٹکھڑا کر زمین پر
 گرا۔ پیغمبرؐ نے اسے گرتے اور علم کفار کو سرنگوں ہوتے دیکھا تو صراٹے
 بخیر بلند کی اور اس کے ساتھ مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا حضرت
 نے اس کا سر کاٹنا چاہا تو دیکھا کہ وہ برہنہ ہو چکا ہے۔ آپ نے اس حالت
 میں اس پر دوسرا وار کرنا گوارا نہ کیا اور اسے تڑپتا سسکتا چھوڑ دیا۔ کچھ
 لوگوں نے کہا کہ آپ نے اسے ختم کئے بغیر کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ جب وہ
 بے پردہ ہو گیا تو مجھے اس پر حملہ کرتے ہوئے شرم آئی اور پھر اس نے
 مجھے قربت و عزیزداری کا واسطہ بھی تو دیا تھا۔ آخر اس نے تھوڑی دیر
 زمین پر سر ٹپک کر دم توڑ دیا۔ طلحہ کے مارے جانے سے مشرکین کے جوصلے
 پست ہو گئے اور عام بے دلی سی پیدا ہو گئی اور ایک ایک کر کے میدان
 میں نکلنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ اب انہوں نے ایک دم ہلب بول دیا مسلمانوں
 نے آگے بڑھ کر ان کے ریلے کو روکا۔ دونوں طرف سے کمانیں کڑکیں
 تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ابودجانہ

انصاری اور جناب حمزہ اور حضرت علیؑ اور دوسرے مجاہدین نے حملوں پر حملے کئے اور دشمن کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔

رسولؐ خدا نے اس موقع میں ابودجانہ کو ایک تلوار مرحمت فرمائی تھی۔ ابودجانہ نے سر پر سرخ پٹکا باندھا اور تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں کفہ کی عورتیں دف بجابجا کر اپنے نفوس سے فوج میں جوش پیدا کر رہی تھیں آپؐ نے ہند بنت عتبہ پر تلوار اٹھائی اور چاہا کہ اس کے پرچے اڑا دیں مگر اس خیال سے ہاتھ روک لیا کہ رسولؐ اللہ کی دی ہوئی تلوار کو ایک عورت کے خون سے رنگین کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت حمزہؑ کی تلوار صاف تھی اور بھی دشمن کے سروں پر پیہم چل رہی تھی۔ طلحہ ابن عثمان کے مارے جانے کے بعد عثمان ابن ابی طلحہ نے قریش کا علم بلند کیا تھا۔ آپؐ نے تلوار سے اس پر حملہ کیا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ حضرت علیؑ دونوں صفوں کے درمیان علم کو فضا میں لہراتے ہوئے حملوں پر حملے کئے جا رہے تھے اور لشکر قریش میں سے جو بھی علم ہاتھوں میں لیتا اسے تہ تیغ کر کے پرچم کفر کو سرنگوں کر دیتے یہاں تک کہ آٹھ علمبرداروں کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور جب بنی عبدالمطلب میں سے کوئی پرچم اٹھانے والا نہ رہا تو اس قبیلہ کے ایک غلام صواب نے پرچم برداروں کا خاتمہ ہوتے دیکھ کر علم سنبھال لیا۔ حضرت نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر تلوار کا وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اس طرح تمام پرچم برداروں کا خاتمہ کر دیا۔ ابن اثیر نے تحریر کیا ہے۔

كان الذي قتل أصحاب السوء

تاریخ کامل ج ۲۔ ص ۱۰۷

جس نے علبرداروں کو تہ تیغ کیا وہ علی رضی تھے۔

علبرداران لشکر کے قتل سے قریش کا دم خم جاتا رہا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور کفار کے مقابلہ میں ایک چوتھائی سے بھی کم ہونے کے باوجود بڑی بے جگری سے لڑتے سینوں کو چھیدتے اور صفوں کو الٹتے ہوئے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں جم نہ سکے اور شکست کھا کر میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

ابوسفیان علم کو سرنگوں اور ہیل کو خاک بسر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قریش کی عورتیں بھی پانچے سمیٹے دوڑ پڑیں۔ مسلمانوں نے جب کفار کو دوڑتے اور میدان خالی کرتے دیکھا تو ان پر حرص و طمع کی کمزوری غالب آگئی اور دشمن کی طرف سے غافل ہو کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ درہ کوہ کے حافظوں نے جب مال غنیمت لٹے دیکھا تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا۔ عبداللہ بن جبیر نے انہیں پیغمبر کا حکم یاد دلایا اور درہ کوہ کو خالی چھوڑ کر جانے سے منع کیا مگر وہ اس سے کم آدمیوں کے علاوہ کسی نے ان کی بات نہ سنی اور مالی غنیمت لوٹنے کے لئے دوڑ پڑے۔

علامہ طبری نے لکھا ہے :-

جعلوا يقولون الغنیمۃ الغنیمۃ فقال عبد اللہ مہلّا ما علمتم ما عہد الیکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فابوا فانطلقوا۔

تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۹۳

وہ لوگ غنیمت غنیمت پکارنے لگے۔ عبداللہ نے کہا ٹھہرو۔ کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں ہے۔ مگر انہوں نے ٹھہرنے

سے انکار کر دیا اور مال غنیمت لوٹنے کے لئے چل دیئے۔

کمانداروں کی اس بے عبری و ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد ابن ولید اور عمرہ ابن ابی جہل نے درہ کوہ کو خالی پا کر دو سو کی جمعیت کیساتھ عقب سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن جبیر نے اپنے دو چار آدمیوں کے ساتھ بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا مگر چند آدمی اس یلغار کو روک نہ سکتے تھے ایک ایک کر کے سب شہید ہو گئے خالد کے اس کامیاب حملہ کو دیکھ کر بھاگنے والے پلٹ آئے۔ سرنگوں علم کو بنی عبدالدار کی ایک عورت عمرہ بنی علقمہ حارثہ نے اٹھالیا۔ کفار نے اپنی بکھری ہوئی طاقت کو از سر نو جمع کیا اور مسلمانوں کے منتشر لشکر پر حملہ کر دیا۔ مسلمان حملہ سے بے خبر مال غنیمت سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے کہ ایک طرف سے پسپا ہونے والی فوج اور دوسری طرف سے خالد کے دستہ نے گھیراؤ ڈال لیا اور تلواریں لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ اس دو طرفہ یلغار سے مسلمان حواس باختہ سے ہو گئے اور کچھ خوف و دہشت اور کچھ گرد و غبار کی وجہ سے اپنے آدمیوں کے چہرے بھی نہ پہچان سکے اور بے دیکھے بھاگنے ایک دوسرے پر تلواریں چلانے لگے۔ چنانچہ اسید ابن حضیر کو ابو بردہ ابن نیار نے زخمی کر دیا اور ابو بردہ ابو زعنے کی تلوار سے زخمی ہو گئے اور اس افراتفری میں حذیفہ کے والد یمان حذیفہ کے چہینے چلانے کے باوجود مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے۔ جنگ کا نقشہ پلٹ گیا، جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ کچھ مسلمان شہید ہو گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مورخ طبری نے تحریر کیا ہے۔

كان المسلمون لما اصابهم ما اصابهم من اليل والاذنات لث قتيل ثلث جريح وثلاث منهرم

(تاریخ طبری - ج ۲ ص ۱۹۷)

اس ہنگامہ درست و خیر میں سباع ابن عبد العزیز حضرت حمزہ کے سامنے سے گزرا آپ نے اسے ”اے ختنہ کرنے والی کے بیٹے“ کہہ کر خطاب کیا اور شمشیر لے کر اس پر بھیسے اور وہیں پر اسے ٹھنڈا کر دیا۔ جبیر ابن مطعم جس کا چچا طعیم ابن عدی جنگ بدر میں حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس نے اپنے غلام وحشی سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ محمدؐ، علیؑ یا حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا اور ہند بنت عتبہ نے بھی اسے زرو جو اہر سے نہال کرنے کا وعدہ کیا تھا وحشی کے لئے پیغمبرؐ اور علیؑ پر حملہ کرنا تو مشکل تھا اس نے حضرت حمزہؓ کو شہید کرنے کی ٹھان لی اور موقع تاک کر پوری چابکدستی سے اپنا بھالا ان کی طرف پھینکا جو ناف پر لگا اور پیٹ کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ آپ اس دھک ضرب کے باوجود اس کی طرف پکے مگر قوت نے ساتھ نہ دیا اور زمین پر گر کر شہادت عظمیٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔

ابن اثیر نے اسد الغابہ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ جب عام بھگدڑ مچی تو پیغمبر اسلام میری نظروں سے اوجھل سے ہو گئے۔ میں نے مقتولین کے لاشوں میں دیکھا بھالا مگر کہیں نظر نہ آئے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ آپ میدان چھوڑ کر چلے جائیں اور جہاد راہ خدا سے منہ موڑ لیں۔ کہیں اللہ نے مسلمانوں کی نازیبا حرکت پر غضبناک ہو کر انہیں زندہ آسمانوں پر نہ اٹھالیا ہو۔ اب میرے لئے یہی بہتر ہے کہ لڑتے لڑتے قتل ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے تلوار کا نیام توڑ ڈالا اور دشمنوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔ جب کفار کا پراچھا تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ میدان

میں ثابت قدم کھڑے ہیں۔ غرض اس ہنگامہ دار و گیر میں آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی میدان چھوڑنا گوارا نہ کیا اور جان سے بے نیاز ہو کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ آور ہوتے، تیر و تلوار کے وار سہتے اور انہیں درہم و برہم کرتے رہے اور پورے ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیغمبرؐ کے سینہ سپر رہے۔

ابن سعد نے تحریر کیا ہے۔

وكان على من ثبت مع رسول الله يوم احد حين انهزم الناس وباعده على الموت۔

(طبقات ج ۳ ص ۲۳)

احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تو علیؑ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور موت پر پیغمبرؐ کی بیعت کی اس اثناء میں پچاس سواروں کا ایک دستہ آنحضرتؐ پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھا۔ آپؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ دشمن حملہ کے لئے بڑھ رہا ہے اسے آگے بڑھ کر روکو علیؑ نے شیرازہ حملہ کر کے انہیں منتشر کر دیا پھر دوسری سمت سے مشرکین نے حملہ کرنا چاہا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے علیؑ اب انہیں روکو۔ حضرت نے انہیں بھی تتر بتر کر دیا۔ غرض جدھر سے ہجوم بڑھتا جدھر علیؑ آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور دشمن کے پرے توڑ کر رکھ دیتے۔ ان حملوں میں شیبہ ابن مالک عامری اور سفیان ابن عوف کے چاروں بیٹوں ابو الشعماء، خالد، ابو الجراء اور غراب کو قتل کر کے پیغمبرؐ کو خون آشام تلواروں سے محفوظ رکھا۔ حضرت کی اس جاں نثاری و فداکاری کو دیکھ کر جبرائیلؑ ابنؑ نے پیغمبرؐ سے کہا۔

یا رسول اللہ ان ہذا للمواساة - تاریخ طبری - ج ۲ ص ۱۹۷

یا رسول اللہ ہمدردی و غمخواری اسے کہتے ہیں ۔

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ کیوں نہ ہو جب کہ علی میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور جبریلؑ نے کہا اور میں آپ دونوں کا ہوں اسی موقع پر لاسیف اللہ والفقار ولا فتی الا علی کی آواز فضا میں گونجی اور فرش سے عرش تک تحسین و آفرین کی صدا میں بلند ہوئیں۔

حضرت علیؑ میدان جنگ میں مصروف پیکار تھے کہ مشرکین نے پیغمبرؐ پر هجوم کیا اور عبد اللہ ابن شہاب، عتبہ ابن ابی وقاص، ابن قیسہ لیشی، ابی ابن خلف اور عبد اللہ ابن حمید نے براہ راست آپ پر حملہ کر دیا۔ عبد اللہ ابن شہاب نے آپ کی پیشانی اقدس پر ضرب لگائی۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے یکے بعد دیگرے چار پتھر پھینکے۔ جس سے آپ کے چار دانت شہید اور ہونٹ شکافتہ ہو گئے۔ ابن قیسہ نے قریب آ کر تلوار کی ضرب لگائی جس سے خود کی کڑیاں پیشانی میں گر گئیں۔ چہرہ مبارک خون سے رنگین ہو گیا۔ ابی ابن خلف نے آگے بڑھ کر حملہ کیا آنحضرتؐ نے ایک صحابی حارث ابن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا جس سے ہلکا سا زخم آیا مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا اور پلٹتے ہوئے مقام سرف تک پہنچا تھا کہ مر گیا۔ ان حملہ آوروں میں سے عبد اللہ ابن حمید کو ابو دجانہ نے تیر تیغ کیا۔ قبیلہ انصار کے چند آدمیوں نے پیغمبرؐ پر حملہ ہوتے دیکھا تو وہ آگے بڑھ کر حائل ہوئے۔ انصار کو دیکھ کر کفار پیچھے ہٹے اور تھوڑے فاصلے سے تیر برسائے شروع کئے۔ ابو دجانہ انصاری تیروں کی بوچھاڑ میں پیغمبرؐ کے سینہ سپر بن گئے اور آنحضرتؐ پر جھک کر اپنی پیٹھ پر تیر کھاتے رہے پیغمبرؐ کے قریب ہی مصعب

بن عمیر دشمن کے حملوں کو روکنے میں مصروف تھے کہ ابن قبیہ نے حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ اور یہ سمجھ لیا کہ اس نے پیغمبر کو قتل کر دیا ہے چنانچہ اس نے اپنی صفوں کے قریب پہنچ کر فخر پر لہجے میں کہا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے یہ سنتے ہی لوگوں نے شور مچا دیا کہ الا ان محمدًا قد قتل (محمد قتل کر دیئے گئے) مسلمانوں میں سے کچھ تو پہلے ہی منتشر ہو چکے تھے اور جو رہ گئے تھے اس خبر کو سن کر ان کی ہمت جواب دے گئی اور ایک عام بھگدڑ مچ گئی۔ کچھ لوگ دوڑ چٹانوں کی اوٹ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے اور کچھ لوگوں نے مدینہ میں پہنچ کر دم لیا۔ طبری نے تحریر کیا ہے۔

تفرق عنه اصحابه ودخل بعضهم المدينة وانطلق بعضهم فوق الجبل الى الصخرة فقاموا عليه وجعل رسول الله يدعوا للناس الى عباد الله الى عباد الله۔
تاریخ طبری۔ ۲ ج۔ ۲۰۱

آنحضرت کے اصحاب آپ کو چھوڑ کر الگ ہو گئے ان میں سے کچھ تو مدینہ پہنچ گئے کچھ پہاڑ کے اوپر ایک چٹان پر چڑھ گئے اور وہیں پر ڈیرے ڈال دیئے۔ پیغمبر خدا انہیں پکارتے تھے ”اے بندگان خدا اے اللہ کے بندو میرے پاس آؤ میرے پاس آؤ۔“
قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔

اوتصعدون ولا تلون على احد والرسول يدعوكم في اخراكم۔
جب تم پہاڑ پر چڑھے جا رہے تھے اور رسول پیچھے سے تمہیں پکار رہا تھا مگر تم کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔
اس اخرا تفری اور نفسا نفسی کے عالم میں انس ابن نضر کا گزرا اس پہاڑ کی

چوٹی کی جانب ہوا جہاں چند ہاجر و انصا سر چھپائے بیٹھے تھے۔ آپ نے حیرت و استعجاب سے انہیں دیکھا اور کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو انہوں نے کہا کہ رسولؐ تو قتل کر دیئے گئے ہیں کہا کہ ان کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ اٹھو اور جس دین کی خاطر انہوں نے جان دی ہے تم بھی اپنی جانیں دے دو۔ یہ کہہ کر انس میدان کی طرف بڑھے۔ میدان جنگ میں سعد ابن معاذ دکھائی دیئے ان سے کہا کہ وہ کوہ احد کی سمت سے میسر مشام میں جنت کی خوشبو آرہی ہے یہ کہہ کر تیروں کی بو چھار اور تلواروں کی جھنکار میں دشمن کی سپاہ پر حملہ کر دیا اور تیر و تلوار کے ستر زخم کھا کر شہادت سے ہمکنار ہو گئے۔ علامہ طبری نے چٹان پر بیٹھنے والوں میں حضرت عمر اور طلحہ ابن عبید اللہ کا خصوصیت سے نام لیا ہے اور ان کی باہمی گفتگو بھی درج کی ہے جس سے ان خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے جن میں غلطان و بیچان تھے وہ لکھتے ہیں۔

ابن ابی فیاخذ لنا امانة من ابي سفيان يا قوم ان
محتدًا قد قتل فارجدوا الى قوم محمد قبل ان ياتوكم
فيقتلوكم

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۱۲)

چٹان پر بیٹھنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ کاش ہمیں کوئی قاصد مل جاتا جسے ہم عبداللہ ابن ابی کے پاس بھیجتے جو ہمارے لئے ابو سفیان سے امان کی درخواست کرتا اے لوگو! محمدؐ تو قتل ہو گئے اب اپنی قوم (قریش) کی طرف واپس چلو قبل اس کے کہ وہ آئیں اور تمہیں قتل کر دیں۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

افان مات او قتل القلب تم علی اعقابکم ومن یتقلب علی عقبیہ
فلن یضرا اللہ شیئاً سیحزی اللہ الشاکرین۔

اگر پیغمبرؐ (اپنی موت) مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے
پیروں کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پلٹے گا وہ خدا کا کچھ
نہیں بگاڑ سکتا۔ اور خدا جلد ہی شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دے گا۔

آنحضرتؐ نے مصعب کی شہادت کے بعد لوہاء حضرت علیؑ کے سپرد کر
دیا تھا۔ آپ دشمن کو پیچھے دھکیلنے میں معروف تھے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی خبر شہادت سن کر چونکے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر
آئے جہاں پیغمبرؐ زندہ و سلامت موجود تھے اگرچہ خود بھی زخموں سے چور چور
تھے مگر پیغمبرؐ کی حالت دیکھ کر اپنی حالت کو بھول گئے اور آنحضرتؐ کو سہارا دے
کر ایک گھاٹی کی طرف لے چلے۔ کعب ابن مالک کی نظر آنحضرتؐ پر پڑی تو
انہوں نے خوش ہو کر بے ساختہ کہا یہ رہے رسول خدا آپؐ نے انہیں خاموش
رہنے کا اشارہ کیا اور بچے کچھے مسلمانوں کے ساتھ گھاٹی میں تشریف فرما ہوئے
امیر المومنینؑ پیغمبرؐ کو گھاٹی میں پہنچا کر چشمہ مہر اس سے ڈھال میں پانی بھر
کر لائے۔ اتنے میں جناب فاطمہؑ زہراؑ فچند خواتین کے ہمراہ یہ سن کر کہ پیغمبرؐ
شہید کر دیئے گئے اس گھاٹی میں تشریف لے آئیں۔ باپ کو زندہ و سلامت
دیکھ کر اطمینان ہوا مگر چہرہ و پیشانی کو خون سے رنگین دیکھ کر رونے لگیں
اور بے ساختہ باپ سے پٹ گئیں اور علیؑ کے ساتھ مل کر زخموں کو دھویا
اور بوریئے کا ٹیڑا جلا کر زخموں پر رکھا جس سے خون تھم گیا۔

جنگ عملاً ختم ہو چکی تھی۔ کفار اپنی فتح یابی اور مسلمانوں کی ہزیمت پر
خوش تھے۔ ابوسفیانؑ نے پہاڑ کی ایک چوٹی پر چڑھ کر مسلمانوں سے پوچھا کہ

ناصح رسول

فانال الحجة

صاحب

الحجة

رأيت

الامانة

صالح

ميجر

فانال

القاسم

شيخ

الامانة

کیا محمد زندہ ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اسے کوئی جواب نہ دے اس نے پھر پوچھا کہ کیا ابن ابی قحافہ ہیں کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کہ کیا عمر ابن خطاب ہیں۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ دیا گیا تو اس نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ یہ تو سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ نے پیغمبرؐ کے منع کرنے کے باوجود خاموش نہ رہ سکے اور کہا کہ ہم سب زندہ موجود ہیں۔ ابوسفیان نے اعلیٰ ہبل کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں نے پیغمبرؐ کی ہدایت پر اللہ اعلیٰ واجل (اللہ بزرگ و برتر ہے) کہہ کر اس کے نعرہ کا جواب دیا۔ ابوسفیان نے کہا کہ لانا العزی ولا عزی لکم (ہم عزری رکھتے ہیں اور تم عزری نہیں رکھتے) مسلمانوں نے کہا، اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا کوئی والی نہیں ہے) اس نے پھر کہا کہ کل تم جیتے تھے اور آج ہم جیتے ہیں۔ ہم نے مقتولین بدر کا بدلہ تمہارے مقتولین سے لے لیا ہے۔ اب سال آئندہ اسی مہینہ میں بدر کے مقام پر تم سے مڈبھیڑ ہوگی۔

مسلمانو! تمہارے ہاں کی کچھ لاشوں کو ملکہ کیا گیا ہے مگر میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ اس سے منع کیا تھا۔ یہ کہہ کر ابوسفیان اپنے لاؤ شکر کے ساتھ مکہ روانہ ہو گیا۔

اس خونیں معرکہ میں دو غورتوں کا کردار جو میدان جنگ میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی پلانے کے لئے آئی تھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ان میں ایک ام عمارہ نسیدہ بنت کعب ہیں جن کا شوہر زید بن عاصم اور دو بیٹے حبیب اور عبد اللہ اس جنگ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اس خاتون نے جب دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام تیروں کی زد میں ہیں تو آنحضرتؐ کے آگے کھڑی ہو گئیں اور تیروں کو اپنے سینہ پر روک کر پیغمبرؐ کا بچاؤ کرتی رہیں

اور جب ابن قتیہ تلوار لے کر آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوا تو تلوار لے کر اس کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں یہاں تک کہ بازو زخمی ہو گیا اور دوسری خاتون ام ایمن میں جنہوں نے مسلمانوں کو جنگ سے پیٹھ پھرا کر بھاگتے دیکھا تو ان کی غیر ایمانی جوش میں آئی اور تو ان کا کوئی بس نہ چلا مٹی اٹھا اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینکتی جاتی تھیں اور یہ کہتی جاتی تھیں۔

هاك المغزل فاعزل به و هلمح السيف۔

(سیرۃ حلبیہ ج ۲ - ص ۲۵۲)

اے یہ تکلا لیتا جا اور گھر میں بیٹھ کر سوت کات اور اپنی تلوار مجھ دیتا جا۔

ان عورتوں کے کردار کے مقابلہ میں مردوں کے کردار پر نظر کی جائے تو میدان چھوڑنے والوں کی فہرست میں ایسے ایسے لوگوں کے نام بھی صفحہ تاریخ پر ثبت ہیں جن سے اس کٹھن مرحلہ پر ثبات قدم کی امید کی جاسکتی تھی۔ مگر حضرت علیؓ، ابودجانہ انصاری، سہل ابن حنیف، عاصم ابن ثابت، مقداد ابن عمرو، سعد ابن معاذ، اسید ابن حضیر، طلحہ ابن عبید اللہ اور زبیر ابن عوام کے علاوہ کوئی ثابت قدم نظر نہیں آتا۔ بلکہ ان میں سے بھی اکثر میدان سے روگرداں ہو گئے تھے اور پھر واپس ہوئے تھے۔ ان پلٹ کے آنے والوں میں سے ایک حضرت ابو بکرؓ بھی تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

لما صوف الناس يوم احد عن رسول الله كنت اول من جاء النبي.

(تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۸۵)

جب احد کے دن لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں سب

سے پہلے پلٹ کر آنحضرتؐ کے پاس آیا۔

اگرچہ اس قول میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واپسی کس وقت ہوئی۔ لیکن واقعات سے ظاہر ہے کہ یہ واپسی خاتمہ جنگ کے بعد ہوئی۔ اس لئے کہ اگر دوران جنگ میں ہوتی تو کسی نہ کسی موقع پر ضرب لگانے یا کھانے والوں میں ان کا نام آتا جب کہ لڑنے والوں میں سے جو بھی مجروح ہوا اس کا نام تاریخ میں آئے بغیر نہیں رہا۔ یہاں تک کہ طلحہ کی ایک انگلی پر خراش آگئی تو تاریخ نے اسے بھی محفوظ کر لیا البتہ ان کا نام آتا ہے اس موقع پر جب دونوں طرف کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور پیغمبرؐ چند لوگوں کے ہمراہ گھاٹی میں تشریف فرما ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر دیکھے گئے تھے۔ چنانچہ وہ خود کہتے ہیں۔

تفرقنا عن رسول الله يوم احد فصعدت الجبل۔

راز الہ الخفار۔ ج ۱۔ ص ۱۲۸

ہم احد کے دن رسول اللہؐ سے الگ ہو گئے اور میں پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔

حضرت عثمانؓ اس گروہ میں شامل تھے جو تین دن کے بعد مراجعت فرما ہوا۔

چنانچہ ابن اثیر تحریر کرتے ہیں۔

فيهم عثمان بن عفان وغيره الى الاعوص فاقاموا به ثلثا ثم اتوا النبي

فقال لهم حين رأوه لقد ذهبت فيها عريضة

(تاریخ کامل۔ ج ۲۔ ص ۱۱)

ناصير رسول

فانال الخيرة

صاحب

جاء الله

راصة

المنع

من ابن

الاسمان

صالح

الوحيين

منع

فانك

التاكيين

فانك

القاسطين

شيخ

المحاربين

امام

الانصار

ان بھاگنے والوں میں عثمان ابن عفان اور دوسرے لوگ شامل تھے جو اعرص میں تین دن ٹھہرنے کے بعد نبی اکرم کے پاس آئے آپ نے انہیں دیکھا تو فرمایا تم لوگ تو بہت دور نکل گئے۔

حضرت علی رضی اس غزوہ میں جس پامردی و ثبات قدمی سے لڑے وہ اسلامی جہاد کا ایک عظیم نمونہ اور تاریخ کا ایک مثال کارنامہ ہے آپ اس وقت جب کہ یورش سے گھبرا کر لشکر کے قدم ڈگمگائے تھے۔ تنہا دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوتے رہے اور اپنے زور بازو سے ان کی برصغری ہوئی یلغار کو روک کر اسلام اور بانی اسلام کا تحفظ کرتے رہے اور جب تک معرکہ کارزار گرم رہا ایک لمحہ کے لئے نہ ہاتھ قبضہ شمشیر سے الگ ہوا اور نہ پائے عزم و ثبات کو جنبش ہوئی۔ حالانکہ پے درپے حملوں سے نڈھال اور تیروں اور تلواروں کے وار سے گھاتل ہو چکے تھے۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔

اصابت عیایوما احد ست عشرۃ

(تاریخ الخلفاء ص ۱۱۴)

احد کے دن حضرت علی رضی کو تلوار کی سولہ ضربیں لگیں۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح تو حاصل نہ ہو سکی۔ پھر بھی حضرت علی رضی جناب حمزہ رضی اور دوسرے دو چار جانبازوں کی ثبات قدمی نے مسلمانوں کو شکست کی بدترین صورت سے بچالیا۔ شکست کی یہ پیش آمدہ صورت کسی ناگہانی صورت حال کی بنا پر واقع ہوئی۔

چنانچہ مسلمان پہلے محاذ جنگ ہی کے سلسلہ میں دو گروہوں میں بٹ گئے ایک گروہ مدینہ میں رہ کر بڑا چاہتا تھا اور دوسرا گروہ شہر سے باہر نکل کر نبرد آزما

ہونے کا خواہشمند تھا اور جب پیغمبرؐ کے نکل کھڑے ہونے پر باہر نکلنا
 طے پا گیا تو پھر کچھ لوگوں کی رائے نے پلٹا دکھایا اور ایک گروہ کٹ کر مدینہ
 واپس آ گیا جس نے مسلمانوں کے عزم و ثبات اور جماعتی یکجہتی کو متاثر کیا
 اور انصار کے دو قبیلے بنی سلمہ و بنی حارثہ جنگ سے منہ موڑ کر واپس مدینہ
 چلے جانے پر آمادہ ہو گئے۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ شروع ہی
 سے مسلمانوں کے طرز عمل میں کمزوری رونما ہو چکی تھی۔ اور جہاد میں جس جوش
 اور ولولہ اور وحدت عزم و عمل کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید تھی اور آخر
 اس ذہنی پراگندگی اور عملی کمزوری کے نتیجے میں مجموعی طور پر شکست و ہزیمت
 اور ناقابل تلافی جانی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ ہزیمت مسلمانوں کی
 قلت اور کفار کی عددی کثرت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ اس میں عزم کی کمزوری اور
 فرض کے عدم احساس ہی کا دخل تھا۔ چنانچہ جب تک مسلمانوں میں تعدد
 بہت ادا لے فرض کا احساس اور مجاہدانہ ولولہ رہا تعداد میں کم ہونے کے
 باوجود دشمن انہیں مغلوب کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ بلکہ انہوں نے کفار
 کو ان کی کثرت و قوت کے باوجود ہرا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور جب انہوں
 نے صبر و استقلال اور جماعتی تنظیم کو ختم کر کے خود ناکامی کو دعوت دی تو
 پھر کس طرح شکست و ہزیمت سے بچ سکتے تھے چنانچہ اس ہزیمت و ناکامی
 کو قریب تر لانے اور قیمتی جانوں کے ضیاع کا باعث وہی لوگ ہوئے جو
 درہ کوہ کی حفاظت پر متعین تھے۔ انہوں نے نظم و ضبط کو خیر باد کہہ کر
 اپنی جگہ چھوڑ دی اور وقتی فتح کو مستقل فتح سمجھ کر مال غنیمت کے لوٹنے
 میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے نہ رسول خداؐ کا تاکیدی فرمان یاد رکھا نہ
 اپنے سربراہ کا حکم مانا نہ انجام کار پر نظر کی اور مال دنیا کے طمع میں اگر دشمن

کو حملہ آور ہونے کا موقع دے دیا۔ اگر یہ لوگ ناعاقبت اندیشی سے کام نہ لیتے اور اپنا مورچہ خالی نہ چھوڑتے تو شکست کا کوئی امکان نہ تھا۔ قرآن مجید میں ان لوگوں کی دنیا طلبی کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يَرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يَرِيدُ الْآخِرَةَ۔

تم میں کچھ لوگ دنیا کے طالب ہیں اور کچھ آخرت کے خواستگار ہیں۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ طالبان دنیا سے مراد وہ لوگ ہیں جو درہ کو خالی چھوڑ کر غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور طلبگارانِ آخرت سے مراد وہ ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ ہم ہر حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں گے اور اس جگہ کو خالی نہیں چھوڑیں گے۔

ابن مسعود کہتے ہیں۔

ما شعثت ان احدا من اصحاب النبي كان يريد الدنيا وعرضها حتى كان يومئذ

(تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۹۳)

میں نہیں سمجھتا تھا کہ اصحاب رسول میں سے کوئی دنیا و مال دنیا کا بھی پرستار ہو سکتا ہے یہاں تک کہ یہ دن دیکھنے میں آیا۔

اس محافظہ دستہ کے علاوہ ان لوگوں پر بھی شکست کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو رسول خدا کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ کر میدان کارزار سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پیغمبر کے پیہم پکارنے پر بھی ان کے قدم نہ رکے حالانکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَخُفُوا فَلَا تُولُوهُمُ الْوُدَّ بَار۔

اسے ایماندار و جب تم سے اور کافروں سے میدان جنگ میں مدد
بھیڑ ہو تو خبردار ان کی طرف سے پیٹھ پھر کر چلے نہ جانا۔

اگرچہ مسلمانوں کو کثیر جانی نقصان اٹھا کر اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا
مگر اس تباہی و ناکامی نے انہیں یہ درس بھی دیا کہ وہ اپنی صفوں میں انتشار
و نمانہ ہونے دیں، ہر قیمت پر نظم و ضبط کو برقرار رکھیں اور امیر و سربراہ
کے احکام کی پابندی کریں کیونکہ انتشار، خود غرضی اور نزاع و بددلی شکست
کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور عزم و نظم ہی سے دشمن پر قابو پایا جاسکتا ہے۔
اس شکست سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ ظاہری فتح و شکست حالات و اسباب
کے تابع ہوتی ہے۔ اسے حق و باطل کا معیار قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کبھی حق
پر ہوتے ہوئے شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور کبھی باطل پر ہونے
کے باوجود مادی اعتبار سے فتح ہو جاتی ہے اس لئے اسلام نہ قوت اور
اقتدار کو حق کا سرچشمہ قرار دیتا ہے اور نہ مادی شکست کو باطل کا نتیجہ اس
کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہوا کہ نفاق کی دہیز تہوں میں چھپے ہوئے بے نقاب
ہو گئے جنہوں نے تھوڑی دیر کے لئے ساتھ دیا اور پھر اپنا راستہ الگ کر
لیا اور ان ٹھٹھروں کا بھی حال معلوم ہو گیا جو دشمن کے مقابلہ میں جم کر لڑنے
کے بجائے تلواروں کو دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور جہاد راہ خدا میں عملی
اعتبار سے کمزوری دکھائی۔

اس غزوہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بائیس کفار موت کے گھاٹ
اتارے گئے۔ مشرکین قریش نے اگرچہ مقتولین بدر کا بدلہ لے لیا مگر ان کا
جوش انتقام فرو نہ ہوا اور فتح و کامرانی کی سرستییوں میں کھو کر شہداء کے لاشوں
سے بھی بدلہ لیا۔ چنانچہ معاویہ ابن مغیرہ ابن ابی العاص نے حضرت حمزہؓ کی

میت کی ناک کاٹی اور ہند بنت عقبہ نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور اسے اپنے دانتوں سے چایا اور اعضاء و جوارح کاٹ کر ان کا ہار بنایا اس کی دیکھا دیکھی دوسری عورتوں نے بھی شہیدوں کے ناک کان کاٹے اور رسی میں پرو کر ہاتھوں میں سجائے اور ابوسفیان نے بھی تہذیب و شرافت کو بالائے طاق رکھ کر حضرت حمزہؓ کے لاشہ کی بے حرمتی کی اور نیزے کی آبی ان کے چہرے پر ماری جس پر بنی کنانہ کی ایک فرد حلیس ابن علقمہ نے چیخ کر کہا کہ دیکھو یہ ابوسفیان ایک شریف قوم کے لاشہ سے کیا شرمناک سلوک کر رہا ہے ابوسفیان نے سنا تو شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

ابوسفیان کی دشمنی و عناد اور انتقامی جذبہ اسلام لانے کے بعد بھی بدلتا قائم رہا چنانچہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اس نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر ٹھوکر ماری اور کہا۔

يا ابا عمارة ان الامر الذي اجتلدنا عليه بالسيف امسى في يد غلماننا يتلعبون به -

(شرح ابن ابی الحدید - ج ۴ ص ۵۵)

اے ابوعمارہ (حمزہؓ) وہ حکومت جس پر ہم آپس میں تلواریں چلاتے تھے آج ہمارے لڑکے بالوں کے ہاتھ میں ہے جس سے وہ کھیل رہے ہیں۔ یہ تھی ابوسفیان کی انتقام پسندی و کینہ جوئی جو اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی اولاد میں اسی جوش و خروش کے ساتھ باقی رہی چنانچہ ابوسفیان کے بیٹے معاویہ نے میدان صفین میں عبداللہ ابن یزید کے لاشہ کو ملکہ کرنا چاہا جس پر انہی کے گروہ کی ایک فرد عبد اللہ ابن عامر نے کہا۔

لا یمثل به دوقی دو ح - (شرح ابن ابی الحدید ج ۵ ص ۱۲)

میرے جیتے جی اسے مثلہ نہیں کیا جاسکتا۔

آخر معاویہ کو ہاتھ روکنا پڑا۔ یونہی اس کے پوتے یزید ابن معاویہ نے
امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کی بے حرمتی کرتے ہوئے اپنے باپ
والد کے عمل کو دہرایا اور بنی امیہ کی بد فطرتی و بد طینتی کو بے نقاب کر کے
واقعہ کربلا میں جذبہ انتقام کی کار فرمائی کا ثبوت دیا۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چکے تھے کہ شہیدوں کی لاشیں مثلہ کی گئی ہیں۔ آپ
نے فرمایا میرے چچا حمزہؓ کی لاش کا پتہ کیا جائے کہ وہ کس حالت میں ہے
حارث ابن سمہ نے کہا کہ میں ان کی جلے شہادت دیکھ چکا ہوں۔ ابھی جا کر
خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دامن کوہ میں آئے حضرت حمزہؓ کے لاشہ کو دیکھا مگر
جو حالت تھی پلٹ کر پیغمبر سے بیان نہ کر سکے۔ آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا مگر
انہوں نے بھی پلٹ کر گوارا نہ کیا کہ آنحضرتؐ کو ان کے مثلہ کئے جانے کی کیفیت
سے آگاہ کریں۔ آخر پیغمبرؐ خود وہاں پر تشریف لے گئے اور جب حضرت حمزہؓ
کا لاشہ دیکھا اور ان کے کٹے پھٹے اعضاء پر نظر کی تو دھاڑیں مار مار کر
رونے لگے ابن مسعود کہتے ہیں۔

ماداینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باکما اشد من بکاۃ علی
حمزہ رضی اللہ عنہ۔ (سیرۃ طیبہ۔ ج ۲ ص ۲۴۳)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا روتے کبھی نہیں دیکھا جتنا
حضرت حمزہؓ پر روتے دیکھا۔

جب کچھ لوگوں نے بتایا کہ ہند نے ان کا کلیجہ دانتوں سے چبایا تھا تو
پوچھا کیا اس میں سے کچھ کھایا بھی تھا؟ کہا کہ صرف چبایا مگر نگل نہ سکی اور اگل
دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ماکان اللہ لیس داخل شیئا من حمزة النار

(طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۱۳)

اللہ تعالیٰ یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ حمزہؑ کا کوئی جزو بدن دوزخ میں ڈالے۔
حضرت حمزہؑ کی خبر شہادت جب مدینہ پہنچی تو ان کی بہن صفیہ بے تابانہ
نکل کھڑی ہوئیں اور احد میں پہنچ گئیں آنحضرتؐ نے چاہا کہ صفیہؓ جناب حمزہؑ
کا لاشہ نہ دیکھیں مگر صفیہؓ نے کہا کہ مجھے روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے مجھے
معلوم ہو چکا ہے کہ ان کی لاش کے ساتھ کیا ہیما نہ سلوک ہوا ہے۔ آخر
پیغمبرؐ نے حمزہؑ کی لاش پر اپنی چادر ڈال دی۔ چادر چھوٹی تھی پیر کھل رہ گئے
آپؐ نے پیروں پر گھاس پھونس ڈال کر انہیں چھپا دیا۔ اور صفیہؓ کو لاش پر
جانے کی اجازت دے دی۔ صفیہؓ نے جب لاشہ دیکھا تو زبان سے
انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور صبر و ضبط کے باوجود بے ساختہ رونے لگیں
اور پیغمبرؐ بھی اس گریہ و زاری میں شریک ہوئے۔

اب شہداء کی میتوں کی تدفین کا مرحلہ درپیش تھا۔ آنحضرتؐ نے سب
سے پہلے حضرت حمزہؑ کی میت پر کرب و اندوہ کی حالت میں نماز جنازہ ادا
کی اور پھر دوسرے شہداء پر نماز پڑھی اس طرح کہ ہر نماز میں حمزہؑ بھی شریک
کئے جلتے اور پھر دُودِ کر کے تمام شہداء اپنے خون آلودہ کپڑوں میں دفن
کر دیئے گئے۔ حضرت حمزہؑ کے ساتھ ان کے ہمیشہ زادہ عبد اللہ ابن جحش کو
دفن کیا گیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ انہیں تنہا دفن کیا گیا شہداء اے احد کے
کچھ لاشے مدینہ کے قبرستان جنت البقیع میں بھی دفن ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کے منع
کرنے سے پیشتر ان کے ورثا اٹھا لاتے تھے اور یہاں پر سپرد خاک کر دیتا تھا۔
آنحضرتؐ ۲۲ شوال روز شنبہ مدینہ کی طرف مراجعت فرما ہوئے جب

اَمَّا
مُسْتَبِينَ

حَافِظ
بِعَمَلِهِ

نَفْسٍ
رَسُولٍ

رَوَّحَ شَوْقٍ

زَادَ اَدَانٍ
رَسُولٍ

مُسْتَفْتٍ
بِعَمَلِهِ

فَاتِحَ حَسْبِهِ

فَاتِحَ
حَسْبِهِ

فَاتِحَ
حَسْبِهِ

فَاتِحَ
حَسْبِهِ

فَاتِحَ
حَسْبِهِ

فَاتِحَ
حَسْبِهِ

انصار کے محلہ کی طرف سے گزرے تو خواتین کے رونے اور نوحہ و ماتم کی آوازیں سنیں تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ انصار کی عورتیں احد میں شہید ہونے والے عزیزوں پر گریہ و بکا کر رہی ہیں۔ یہ سن کر پیغمبر اکرم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: لیکن حمزہ لا باوا کی لہ، مگر حمزہؓ پر رونے والیاں نہیں ہیں۔ انصار نے سنا تو اپنی مستورات سے کہا کہ وہ حمزہؓ کے پرسمہ کے لئے جائیں اور ان پر نوحہ و ماتم کریں۔ چنانچہ خواتین انصار جناب فاطمہؓ کے ہاں جمع ہوئیں اور اپنے عزیزوں کی طرح حضرت حمزہؓ پر گریہ و بکا کیا آپؐ مسجد میں تشریف فرما تھے ان کے رونے کی آوازوں کو سن کر اور ان کے جذبہ ہمدردی و غمگساری سے متاثر ہو کر ان کے حق میں دعائے خیر کی ابن سعد نے تحریر کیا ہے۔

فہن الی الیوم ان مات المیت من الانصار پیدا النساء بیکین علی حمزۃ ثم بکین علی میتھن۔

(طبقات ج ۲۔ ص ۴۴)

انصار کی عورتوں میں آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جب ان کے ہاں کوئی میت ہو جاتی ہے تو پہلے حضرت حمزہؓ پر گریہ و بکا کرتی ہیں اور پھر اپنے مرنے والے پر روتی ہیں۔

یہ واقعہ ان لوگوں کے لئے آئینہ بصیرت ہونا چاہیے جنہوں نے عمل پیغمبرؐ کے برخلاف یہ نظریہ قائم کر لیا ہے کہ عرویس وہ قائل ہیں ملامت شہداء کے

ہم زندہ جساوید کا ماتم نہیں کرتے
غزوہ احد سے واپسی پر لشکر کفار کے دواؤمی گرفتار کئے گئے جو اپنے

کیفر و کردار کو پہنچائے گئے۔

ان میں سے ایک ابو عزرہ محبی تھا جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ اس نے اپنے زوریان سے اہل تہامہ و بنی کنانہ کو متاثر کر کے قریش کے جھنڈے کے نیچے جمع کیا تھا۔ یہ بدر کے امیروں میں شامل تھا اور پیغمبرؐ نے اس کی ناداری و عیال داری پر ترس کھاتے ہوئے اسے بلا معاوضہ رہا کر دیا تھا اور اس سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرے گا۔ اب اس نے پھر پیغمبر اکرمؐ کی خوشامد کی نگر آپؐ نے فرمایا۔

لا یسلم المؤمن من جحر مرتبین

مومن ایک سوراخ سے دودفعہ ڈسا نہیں جاتا۔

(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۱۴)

آخر غدر و عہد شکنی کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور دوسرا معاویہ ابن مغیرہ تھا جس نے حضرت حمزہؓ کو مشدہ کرنے میں حصہ لیا تھا۔ اس نے خاتمہ جنگ پر رات تو مدینہ کے اطراف میں گزاری اور صبح کے وقت چھپتا چھپاتا اپنے عزیز حضرت عثمانؓ کے مکان پر آیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں کہا کہ میں نے ان سے ایک اونٹ خرید کیا تھا اس کی قیمت ادا کرنے آیا ہوں۔ لہذا وہ جہاں بھی ہوں انہیں ڈھونڈ کر لایا جائے چنانچہ ڈھونڈ ڈھانڈ کر لایا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے دشمن خدا و رسولؐ کو دروازے پر دیکھا تو بہت گھبرائے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ کہا کہ آپ میرے عزیز اور قریبی رشتہ دار ہیں مجھے اپنے ہاں پناہ دیجیئے۔ حضرت عثمانؓ اسے گھر کے اندر لے گئے اور مکان کے ایک تاریک گوشہ میں چھپا دیا اور خود گھر سے نکل کر پیغمبرؐ کے پاس چلے آئے اور انہیں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ معاویہ مدینہ کے اندر

موجود ہے اور آج صبح بھی یہیں تھا۔ اسے ڈھونڈو اور تلاش کرو۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ عثمانؓ کے علاوہ اور کہاں ہوگا۔ چنانچہ کچھ لوگ حضرت عثمانؓ کو پیغمبرؐ کے پاس چھوڑ کر ان کے گھر پر آئے اور معاویہ کو دریافت کیا ان کے گھر والوں نے زبان سے تو کچھ نہ کہا اس گوشہ کی طرف اشارہ کر دیا جہاں وہ چھپا بیٹھا تھا۔ ان لوگوں نے آگے بڑھ کر پکڑ لیا اور پیغمبرؐ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عثمانؓ نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو چکا ہے تو رسول خداؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ میں صبح صبح اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ سے معاویہ کے لئے امان کی درخواست کروں۔ آپ اس کی جان بخشی فرمائیں اور اسے چھوڑ دیں۔ آنحضرتؐ نے حضرت عثمانؓ کے کہنے سننے سے اسے تین دن کی مہلت دی کہ وہ اس عرصہ میں حدود مدینہ سے باہر نکل جائے ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے لئے سواری اور زاد راہ کا بندوبست کر دیا تاکہ جہاں جانا چاہتا ہے با آسان چلا جائے۔ لیکن تین دن گزرنے کے بعد بھی حدود مدینہ میں رہا۔ چوتھے دن آنحضرتؐ نے فرمایا کہ معاویہ ابھی تک مدینہ کے گرد منڈلا رہا ہے اس کا تعاقب کر کے اسے گرفتار کرو اور قتل کر دو۔ یہ سنتے ہی زید ابن حارثہ اور عمار یا سراٹھ کھڑے ہوئے اور چمار کے قریب اسے جا لیا۔ عمار یا سر نے اس پر تیر مارا اور زید نے تلوار سے حملہ کر کے اسے کیفر کر دیا تک پہنچایا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کیا چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے۔

ان السدی قتل معاویۃ ابن المغیرۃ علی علیہ السلام۔

علی علیہ السلام نے معاویہ ابن مغیرہ کو قتل کیا۔

(انساب الاشراف - ج ۱ ص ۳۳۸)

مولانا عبدالحق

امین محمد

مصابیہ

فاتح اسلام آباد

مآلات

قصر ہلالی

اقبال فقی

مظہر

ایوان احمدی

معانی

علم الدینی

سکسٹر

واحدین

مفصلین

جامع

فنون حیرت

دیناچہ

کتاب و ادب

تاجدار

عہد و کائنات

قطب

السمان سعاد

شفیع

نور فصاحت

سعاد

سعد

مصابیہ

ناباں جماعت

راز

سعد

مظہر

ایوان احمدی

معانی

سکسٹر

واحدین

مفصلین

جامع

فنون حیرت

دیناچہ

کتاب و ادب

تاجدار

عہد و کائنات

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ معاویہ مدینہ سے نکل چکا تھا مگر وہ راستہ بھول کر دوبارہ مدینہ میں آگیا اور اس خیال سے کہ حضرت عثمانؓ پھر سفارش کر کے چھڑالیں گے انہی کے ہاں آچھپا۔ مگر مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی سفارش سے پہلے ہی اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا روایت کا یہ حصہ کہ وہ راستہ بھٹک کر دوبارہ مدینہ پہنچ گیا، کچھ بعید معلوم ہوتا ہے۔ آخر مدینہ کے گرد کون سا صحرا تھے تھے کہ جس میں بھٹکتا رہا یا کون سی بھول بھلیاں تھیں جو اسے ہر پھر کر وہیں لے آئیں جہاں سے چلا تھا۔ اس کا مقصد تو مدینہ اور اطراف مدینہ ہی میں رہنا تھا تاکہ مسلمانوں کے جنگی انتظامات اور ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھے اور قریش کے لئے اطلاعات فراہم کرے۔

عزروہ بنی نضیر

(۴ ہجری)

ماہ صفر ۴ھ میں قبیلہ بنی عامر کا ایک سردار ابوہریرہؓ سے مدینہ میں آیا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ مجھے اسلام کے قبول کرنے میں کوئی باک نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہوگا کہ آپ مسلمانوں کی ایک جماعت میرے ہمراہ نجد روانہ کریں جو وہاں کے باشندوں کو دعوت اسلام دے۔ فرمایا کہ اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ میرے آدمیوں کو گزند پہنچائیں گے کہا کہ وہ میری پناہ میں ہوں گے اور میں ان کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں۔ آنحضرتؐ نے ستر صحابیوں کو جو عابد و پرہیزگار اور صلاح و تقویٰ میں ممتاز تھے ایک مکتوب دے کر نجد روانہ

کیا۔ انہوں نے سرزمین نجد میں پہنچ کر بڑھونہ میں منزل کی اور حرام
 ابن ملحان کو آنحضرتؐ کا مکتوب اقدس دے کر ابوہریرہ کے بھتیجے عامر
 ابن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس دشمن خدا نے خط کا پڑھنا تو درکنار اس کے
 لینے سے بھی انکار کر دیا۔ حرام ابن ملحان نے یہ صورت عناد دیکھی تو کہا کہ
 مجھے امان دی جائے تاکہ میں کچھ کہہ سکوں۔ ابھی وہ کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ
 عامر ابن طفیل کا اشارہ پا کر ایک شخص نے ان کی پشت پر نیزہ مارا جو سینہ
 کو چیر کر نکل گیا۔ آپ زمین پر گرے اور روح ملا علی کی طرف پرواز کر گئی۔
 اس قتل ناروا کے بعد عامر نے اپنے قبیلہ والوں کو برہمنوں میں
 مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی مگر انہوں نے ابوہریرہ کے عہد و
 پیمان کی بناء پر اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے دو چار دوسرے
 قبیلوں کی مدد سے مسلمانوں کے گرد گھیر ڈالا اور دو آدمیوں کے علاوہ سب
 کو قتل کر دیا۔ ان دو میں سے ایک کعب بن زید تھے جنہیں مقتول سمجھ کر چھوڑ
 دیا گیا اور دوسرے عمرو بن امیہ تھے جنہیں اسیر کر لیا گیا اور بعد میں عامر ابن
 طفیل نے اپنی ماں کی ایک نذر کے سلسلہ میں انہیں آزاد کر دیا عمرو ابن امیہ
 مدینہ واپس آتے ہوئے قرقرۃ الکدر میں پہنچے تو بنی عامر کے دو آدمیوں کو دیکھ
 کر ان کی تاک میں لگ گئے اور جب وہ ایک درخت کے سایہ میں سو گئے
 تو اپنے ساتھیوں کے قعاص میں انہیں قتل کر دیا اور مدینہ چلے آئے یہاں
 پہنچ کر معلوم ہوا کہ ان دونوں کو رسول اللہؐ تحریراً امان دے چکے تھے آنحضرتؐ
 اس واقعہ پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ جو کچھ ہوا ہے غلطی کی بناء پر ہوا ہے ہمیں
 ان دونوں کا خون بہا دینا چاہیئے۔

پیغمبر اسلامؐ قبائل یہود بنی قینقار، بنی قریظہ اور بنی نضیر سے باہمی تعاون

اور سازگاری کا معاہدہ کئے ہوئے تھے آپ نے چاہا کہ ان دونوں مقتولوں کے خونبہا کے سلسلہ میں بنی نصیر سے کچھ رقم بطور قرض یا بطور اعانت لیں۔ چنانچہ زردیت کی بابت انہیں پیغام بھجوایا۔ انہوں نے کہلوا بھیجا کہ آپ ہمارے ہمان ہوں اور جیسا فرمائیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ پیغمبرؐ چند صحابہ کے ہمراہ بنی نصیر کی آبادی میں جو مدینہ سے متصل تھی تشریف لے گئے اور ان کی گڑھی کے باہر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ بنی نصیر پہلے ہی سے بدنیت تھے انہوں نے ایک شخص عمر ابن جاش کو کہا کہ وہ اس دیوار پر چڑھ کر جس کے نیچے آنحضرتؐ تشریف فرما ہیں ایک بڑا سا پتھر اوپر گرا دے تاکہ پیغمبرؐ کا کام تمام ہو جائے۔ الہام غیبی نے پیغمبرؐ کو آگاہ کیا اور آپؐ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ واپس آ گئے اور محمد ابن مسلمہ کے ذریعہ انہیں پیغام بھیجا کہ تم نے غداری و بد عہدی کی ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے میرے قتل کا اقدام کیا ہے لہذا اس دن کے اندر اندر اپنا تمام جمع جتھا سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤ اور کسی دوسری جگہ پر سکونت اختیار کرو۔ بنی نصیر نے پیغمبرؐ کا یہ تہدید حکم سنا تو وہ خائف و مرعوب ہو کر فوراً مدینہ کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے مگر عبد اللہ ابن ابی نے جو ان کا معاہدہ و حلیف تھا انہیں کہلا بھیجا کہ تم اپنے گھروں میں دلجمعی سے بیٹھے رہو اور کسی دوسری جگہ جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ میں دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ تمہاری مدد کروں گا اور اس موقع پر بنی قریظہ بنی غطفان اور ان کے حلیف قبائل بھی تمہارے ساتھ تعاون کریں گے اور تمہیں بے گھر اور بے درندہ ہونے دیں گے۔ بنی نصیر نے اپنی پشت پر معاون و مددگار دیکھے تو جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور آنحضرتؐ کو کہلوا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو خالی نہیں کریں گے اور نہ یہاں سے

کہیں اور جائیں گے۔ آپ سے جو بن پڑتا ہے کیجیے۔ یہ ایک طرح سے دعوت جنگ و قتال تھی جس پر خاموش نہ رہا جاسکتا تھا آنحضرتؐ نے ایک مختصر اسلحہ ترتیب دیا اور ان کے قلعوں کی طرف حرکت کی۔ طبری نے لکھا ہے۔

کانت دایتہ یومئذ مع علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔
اس دن علم پیغمبر علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں میں تھا۔

(تاریخ طبری، ج ۲ ص ۲۲۶)

بنی نضیر نے جب سپاہ اسلام کو آتے دیکھا تو قلعہ بند ہو گئے مسلمانوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔ بنی نضیر نے اپنے گرد گھیرا دیکھا تو قلعہ کے اندر سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے مگر محاصرہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہو سکے ایک رات چند یہودی قلعہ سے باہر نکلے تاکہ مسلمانوں پر تیر باران کر کے انہیں محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کر دیں۔ ان میں سے ایک شخص نے پیغمبرؐ کا خیمہ تاک کر تیر چلایا آنحضرتؐ نے کھلی جگہ کی بجائے ایک پہاڑی کے دامن میں خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ ادھر پیغمبرؐ نے جگہ تبدیل کی ادھر حضرت علیؑ چپکے سے اس تیر انداز کا پتہ لگانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ صحابہ نے حضرتؑ کو نہ دیکھا تو پیغمبرؐ سے پوچھا کہ علیؑ کہاں ہیں؟ فرمایا کسی کام سے گئے ہوں گے ابھی آتے ہونگے اتنے میں حضرت علیؑ ایک یہودی کا سر لئے ہوئے آئے اور پیغمبرؐ کے قدموں میں ڈال کر کہا کہ یہ ہے وہ بد بخت جس نے آپؐ کے خیمہ پر تیر چلایا تھا۔ یہ یہودیوں کا مشہور تیر انداز غلول ہے اور ابھی اس کے نوسا تھی قلعہ کے باہر گھوم پھر رہے ہیں۔ اگر چند آدمی میرے ساتھ چلیں تو انہیں بھی پکڑ کر لایا جاسکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے ابو جہانہ، سہل ابن حنیف اور دو چار آدمی آپؐ کے

ساتھ کر دیئے۔ آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابھی تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے کہ ان یہودیوں کو قلعہ بند ہونے سے پہلے گھبرے میں لے لیا اور وہیں پر سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بنی نصیر نے جب یہ دیکھا کہ ان کے چند آدمی مارے گئے ہیں اور نہ بنی غطفان و بنی قریظہ مدد کو آئے ہیں اور نہ عبداللہ ابن ابی کے دو ہزار آدمیوں کا کچھ پتہ ہے تو انہوں نے شکست و ہزیمت کا اعتراف کرتے ہوئے آنحضرتؐ کو پیغام بھجوایا کہ اگر آپ ہماری جان بخشی کر دیں تو ہم اس سرزمین کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ آنحضرتؐ نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں اسلحہ جنگ ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ ہتھیاروں کے علاوہ وہ جو چیزیں لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں چنانچہ یہود نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو مسماں کیا مکانوں کے دروازے کھڑکیاں اور وہ جو کچھ لاد سکتے تھے چھ سواونٹوں پر لادا اور گاتے دف بجاتے ہوئے چل دیئے ان میں سے کچھ لوگ شام کے علاقہ کی طرف چلے گئے اور ایک گروہ جس میں سلام ابن ابی الحقیق، کنانہ ابن ربیع اور حبیب ابن اخطب بھی شامل تھے، مدینہ سے جانب غرب خیبر میں آکر آباد ہو گئے۔

بنی نصیر کی زمینیں اور باغات مال نے ہونے کی بنا پر پیغمبرؐ کی ملکیت قرار پائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

كانت اموال بنی النصیر مٹا ائدا اللہ علی رسولہ و لہ یوجف

امسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فكانت لہ خالصۃ

بنی نصیر کے اموال جو اللہ نے اپنے رسولؐ کو دلوائے وہ رسولؐ اللہ

کی ملکیت خاصہ تھے اس لئے کہ انہیں حاصل کرنے میں مسلمانوں نے نہ
گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔

(فتوح البلدان ۲۶)

یہ واقعہ ربیع الاول ۱۰ھ ہجری میں غزوہ احد کے چھ ماہ بعد ہوا۔

غزوہ احزاب

سہ ہجری

بنی نضیر مدینہ سے جلا وطن ہو کر خیبر میں آجسے مگر ان کی شہر پسند
طبیعتوں نے انہیں پھلانہ بیٹھنے دیا۔ جلا وطنی کا بدلہ لینے کے لئے ہم وقت
بے چین رہتے اور غم و غصہ سے پیچ و تاب کھاتے۔ خود تو ان میں اتنا دم
نہ تھا کہ اہل اسلام کا مقابلہ میں صف آرا ہوتے اور ان سے نمٹنے میں
کامیاب ہو جاتے انہوں نے اپنی عسکری قوت کو بڑھانے کے لئے ہاتھ
پیر مارے اور یہ طے کیا کہ قریش کو اپنے ساتھ ملا کر اور مختلف قبائل سے
فوجی امداد لے کر مدینہ پر چڑھائی کی جائے اور مسلمانوں کو اس طرح کچل
دیا جائے کہ وہ آئندہ سر نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ ان کے بیس آدمی جن میں
جیسی ابن اخطب، کنانہ ابن ربیع، سلام ابن مشکم اور سلام ابن ابی الحقیق
بھی شامل تھے اور بنی دائل کے چند سردار مکہ آئے ابوسفیان اور دوسرے
سرداران قریش سے جنگ کے سلسلہ میں بات چیت کی۔ قریش اسلام
دشمنی میں یہود سے کم نہ تھے۔ دونوں نے اپنے سینے دیوار کعبہ سے مس

کر کے اور قسمیں کھا کر باہم عہد و پیمان کیا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گے۔ جب تک ان کا استیصال نہیں ہو جاتا جب قریش سے قول و قرار ہو چکا تو یہود نے بنی غطفان کا رخ کیا اور ان کو بھی طمع و لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح بنی کنانہ اور دوسرے قبائل سے ساز باز کر کے چار ہزار کی جمعیت فراہم کر لی اور مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے نکل کھڑے ہوئے راستے میں بنی سلیم بنی اسد، بنی فزارہ، بنی مرہ اور بنی اشجع کے لشکر آ کر ملتے رہے اور بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ ان کے پاس سواری و بار برداری کے لئے تین سو گھوڑے اور چار ہزار اونٹ تھے اور اسلحہ جنگ اور سامان رسد بھی فراوانی سے تھے۔

ان اسلام دشمنوں نے اگرچہ اپنی جنگی تیاریوں کو پوشیدہ رکھ کر بے خبری میں حملہ کرنا چاہا تھا۔ مگر بنی خزاعہ کے چند سواروں کے ذریعہ پیغمبر اکرم کو ان کی پیش قدمی کی اطلاع ہو گئی آپ نے کثرت و قوت کو دیکھتے ہوئے صحابہ کو جمع کیا اور دفاع کے طریق کار کے بارے میں مشورہ فرمایا۔ سلمان فارسیؓ نے کہا کہ اہل عجم کا دستور ہے کہ جدھر سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے ادھر خندق کھود لیتے ہیں۔ ہمیں بھی اسی طریق کار پر عمل کرنا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ خندق ہمارے لئے دفاعی قلعہ کا کام دے گی۔ اور دشمن اسے باسانی عبور کر کے یکبارگی حملہ آور نہ ہو سکے گا۔ اس تجویز پر عام طور پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا اور انحضرتؐ نے بھی اسے پسند فرماتے ہوئے اس پر عملدرآمد کا حکم دے دیا۔ مدینہ تین اطراف سے مکانوں کی دیواروں پہاڑیوں اور غلستان کی وجہ سے

محفوظ تھا۔ البتہ شرقی جانب سے کوئی روک نہ تھی اور ادھر ہی سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ تھا۔

آنحضرتؐ نے عورتوں اور بچوں کو مدینہ کی مختلف گڑھیوں میں بٹھرا دیا اور خود تین ہزار صحابہ کے ساتھ کوہ سلع کے دامن میں قیام فرما ہوئے اور مدینہ کے اسی رخ پر خطوط کھینچ کر خندق کے حدود قائم کئے اور تقسیم کار کے اصول پر مہاجرین و انصار کے دس دس آدمیوں پر چالیس چالیس ہاتھ زمین تقسیم کر دی صحابہ نے کمزریں کس لیں اور بچھاوڑے اور کدال لے کر پوری سرگرمی سے زمین کی کھدائی شروع کر دی۔ آنحضرتؐ نے خود بھی بنفس نفیس اس میں حصہ لیا اور شام و روم اور فارس و یمن پر اسلامی پرچم لہرانے کی پیشین گوئی فرمائی۔

عرب خندق اور اس کی تعمیر و ساخت سے ناواقف تھے سب سے پہلے فریدیوں کے پوتے منوچہر نے جنگی تدابیر کے سلسلہ میں خندق ایجاد کی تھی اور عرب میں اس کی داغ بیل سیمان فارسی کے مشورہ کے بعد پڑی اس لیے وہی اس کے ناظر و نگران قرار دیئے گئے۔ آپ کا کام صرف دیکھ بھال ہی نہ تھا۔ بلکہ اس مستعدی سے زمین کھودتے تھے کہ تنہا ان کا کام دس آدمیوں کے برابر ہوتا تھا۔ اسی بہارت اور کام کی تیز رفتاری کو دیکھ کر مہاجرین اور انصار نے انہیں اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہا چنانچہ مہاجرین نے کہا کہ سلمان منا سلمان ہم ہیں سے ہیں اور انصار نے کہا کہ سلمان منا سلمان ہم ہیں سے ہیں پیغمبر اکرمؐ نے سنا تو فرمایا۔

سلمان منا سلمان منا اهل البیت۔

سلمان ہمارے ہیں سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔

(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۲۲)

بہر حال مسلمان جو گنتی میں تین ہزار تھے رات دن کام کر کے ایک سرے سے دوسرے تک پانچ گز چوڑی پانچ گز گہری اور ساڑھے تین میل لمبی خندق کھود کر تیار کر لی۔ آنحضرتؐ نے خندق کے اندرونی کنارے پر آٹھ حفاظتی چوکیاں قائم کیں اور ہر چوکی پر ایک انصاری اور ایک ہاجر کی زیر نگرانی چند افراد متعین کر دیئے تاکہ دشمن اگر خندق عبور کرنے کی کوشش کرے تو اس پر سنگباری کر کے اسے آگے بڑھنے سے روک دیں۔ جب یہود اور مشرکین نواح مدینہ میں پہنچے تو خندق کو اپنے راستے میں حائل دیکھ کر بہت سٹپٹائے اور کہنے لگے:-

والله ان هذه لمكيدة ما كانت العرب تصيدها.

خدا کی قسم یہ ایسی چال ہے جو اب تک عرب نے نہ چلی تھی۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۵)

یہود و قریش اپنی فوجی برتری اور ہتھیاروں کی فراوانی کی بنا پر یقین رکھتے تھے کہ وہ مدینہ پہنچتے ہی مسلمانوں کو گھیرے میں لے کر تلوار کی باڑ پر رکھ لیں گے۔ مگر اس نئی جنگی تدبیر نے ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیئے سوچے سمجھے منصوبے خاک میں ملا دیئے اور ان کی کثرت و قوت کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کمی و ضعف حالی کا بڑی حد تک تدارک کر دیا۔

پیغمبر اسلامؐ نے مدینہ میں جن قبائل سے معاہدہ کیا تھا ان میں یہود کا ایک قبیلہ بنی قریظہ بھی تھا اور وہ معاہدہ کی رو سے پابند تھے کہ دشمن کے خلاف مسلمانوں سے تعاون کریں۔ ابوسفیانؓ کو یہ فکر ہوئی کہ اگر بنی قریظہ معاہدہ کی بنا پر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گئے تو ان کی قوت و طاقت بڑھ جائے گی لہذا انہیں کسی نہ کسی طرح معاہدہ شکنی پر اکسانا چاہیے چنانچہ اس نے بنی نغیر کے ایک

سردار جی ابن اخطب کو ان کے ہاں بھیجا تاکہ انہیں مسلمانوں کے تعاون سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ جی بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد کی گڑھی پر آیا جو مدینہ کی مشرقی سمت واقع تھی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ کعب نے پوچھا کہ کون ہے کہا میں جی بنی ابن اخطب ہوں۔ کعب سمجھ گیا کہ وہ اس طرح چوری چھپے کس مقصد سے آیا ہے اس نے دروازہ کھولنے اور بات چیت کرنے سے انکار کر دیا جی نے کہا کہ تم دروازہ کھولو میں تمہیں یہ خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ قریش اور تمام قبائل عرب مسلمانوں سے لڑنے کے لئے متحد ہو چکے ہیں۔ اگر تم سرخروئی اور عرب میں نیکنامی چاہتے ہو تو مسلمانوں کے خلاف ہمارا ساتھ دو۔ کعب نے کہا کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر و نیکی اور وفائے عہد کے علاوہ کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ہم بلاوجہ عہد شکنی نہیں کریں گے اور تو ہمارے لئے نیک نامی کا پیغام لے کر نہیں آیا بلکہ ہمیں رسوا و ذلیل کرنا چاہتا ہے اور قبائل عرب کے جس متحدہ محاذ پر تو اتر رہا ہے وہ اس ابر تیز رو کے مانند ہے جو گر جتا ہے اور بن بر سے چھٹ جاتا ہے جی نے کہا کہ مہمان کے لئے دروازہ بند رکھنا عرب کی خصلت نہیں ہے تم دروازہ کھولو اور مجھ سے رو در رو بات کرو جی کے اصرار پر کعب نے دروازہ کھول دیا اور دونوں میں پھر بحث چھڑ گئی نتیجہ یہ ہوا کہ جی نے اپنی چرب زبانی سے اسے بہلا بھسلا کر اپنا ہم خیال بنا لیا اور بنی قریظہ سے وعدہ کیا کہ یہود و قریش کے سپاہی ہونے کی صورت میں اگر ان پر کوئی اقتاد پڑی تو وہ انہیں مصیبت میں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ بلکہ انہیں کے ہاں فروکش رہے گا اور جو حشر ان کا ہو گا وہی اس کا ہو گا۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاہدہ چاک کر دیا گیا اور بنی قریظہ علانیہ قریش کے معاون اور مددگار بن گئے۔

جب پیغمبر اکرم کو بنی قریظہ کی بد عہدی و عہد شکنی کا علم ہوا تو آپ نے سعد بن سہل کو ان کے ہاں بھیجا تاکہ انہیں سمجھا بچھا کر راہ راست پر لائیں اور معاہدہ کی خلاف ورزی سے روکیں مگر سعد کے سمجھانے بچھانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم کسی کو جلتے پہچانتے نہیں ہیں اور نہ ہمارا کسی سے کوئی معاہدہ ہے۔ لوگ چونکہ مدینہ کے اندر ہی آباد تھے اس لئے شہر میں رہ جانے والے بچوں اور عورتوں کے نئے مستقل خطرہ بن گئے۔ مسلمان سخت ہراساں اور پریشانی و تشمکش کے عالم میں تھے ایک طرف دشمن کا محاصرہ شدت اختیار کئے ہوئے تھا اور دوسری طرف بنی قریظہ کے نقص عہد سے کفار کا دباؤ بڑھ گیا تھا اس دو طرفہ یلغار کے نتیجہ میں مسلمانوں کے خوف و اضطراب کا نقشہ قدرت نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

اذ جاءوكم من فوقكم ومن اسفل منكم واذ اغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا هنالك ابتلى المؤمنون وزلزلوا زلزالا شديدا۔

جس وقت وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے آپڑے اور جس وقت تمہاری آنکھیں پتھر اگیں اور دل کھینچ کر لگوں میں آگئے اور تم خدا کے متعلق متلف گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی آزمائش کا وقت آگیا اور انہیں بڑی سختی سے جھنجھوڑ دیا گیا۔

اس موقع پر مسلمانوں کو گھبراہٹ ہونا ہی چاہیے تھی جب کہ دشمن کی دل بادل فوجیں گھیرا ڈالے پڑی تھیں اور شہر کے اندر بنی قریظہ گھات لگائے بیٹھے تھے۔ پھر مسلمانوں میں ایک اچھی خاصی تعداد منافقوں اور قہر دے مسلمانوں کی بھی تھی جو خود بھی ڈرے سمے جا رہے تھے اور دوسروں میں بھی بددلی اور

بے حوصلگی پیدا کر رہے تھے چنانچہ انہوں نے جیلے بہانے کر کے میدان سے
کھسکا شروع کر دیا اور پیغمبرؐ سے کہا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں چوری کا
اندیشہ ہے ہمیں اپنے گھروں میں واپس جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ
قرآن مجید میں ہے۔

وَإِذَا قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا
يَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ
إِنْ يُرِيدُونَ الْإِغْرَارَ۔

اور جب ان میں کا ایک گروہ کہنے لگا کہ اے اہل مدینہ تمہارا یہاں
کوئی ٹھکانا نہیں لہذا پلٹ چلو اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبرؐ سے اجازت
طلب کرتے ہوئے کہتا تھا کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں حالانکہ وہ خالی اور
غیر محفوظ نہ تھے وہ تو اس بہانے سے بھاگنا چاہتے تھے۔

یہاں تک کہ معتب ابن قشیر جو بدری ہونے کا امتیاز رکھتا تھا یہ کہہ
دیا کہ :-

كَانَ مُحَمَّدٌ يَعِدُنَا أَنْ نَأْكُلَ كَنُوزَ كَسْرَى وَفِيهِ وَاحِدٌ نَالِي الْيَوْمِ
لَا يَأْمَنُ عَلَى نَفْسِهِ أَنْ يَنْزِلَ إِلَى الْفَاطِمَةِ۔

محمدؐ ہم سے یہ وعدہ کرتے تھے کہ ہم کسریٰ و قیسریٰ کے خزانوں پر
ہاتھ صاف کریں گے اور آج یہ حالت ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی رفع حاجت
کے لئے جانا چاہے تو وہ اپنی جان کو محفوظ نہیں سمجھتا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۳۳)

البتہ کچھ فلمیں ارباب ایمان ایسے بھی تھے جو نہ دشمن کی کثرت کو خاطر میں
لائے تھے اور نہ سختیوں سے دوچار ہونے سے گھبراتے تھے بلکہ شہداء و آلام میں

گھر کر ان کا یقین و ایمان بڑھتا اور خود اعتمادی کا جو ہر نکھر تاجا تھا۔
چنانچہ قرآن مجید میں ان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے۔

وَلَمَّا دَاخِلُ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ قَالُوا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَتَسْلِيمًا۔

جب سچے ایمانداروں نے کفار کے جتھوں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور جذبہ اطاعت اور زیادہ ہو گیا۔

مسلمانوں کے لئے یہ کڑی آزمائش کا وقت تھا سردی کی شدت اور ناقوں کی سختی سے خستہ و بے حال ہو چکے تھے اور کفار بھی پڑے پڑے اکتائے گئے تھے انہیں محاصرہ کئے ستائیس دن ہو چکے تھے اور خندق کے حائل ہونے کی وجہ سے دست بدست جنگ کی نوبت نہ آئی تھی صرف پتھروں اور تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا ہے جس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی طرح پہرہ داروں کی نظروں سے بچ کر خندق پار کریں اور مسلمانوں کو تلواروں کی زد پر رکھ لیں۔ چنانچہ ان کے چند سردار دیکھتے بھالتے ہوئے خندق کے ایک ایسے حصہ پر پہنچے جو کم چوڑا تھا اور اس کی حفاظت کا بھی کوئی اہتمام نہ تھا انہوں نے اندازہ کر لیا، کہ یہاں سے گھوڑوں کو ہمیز کر کے خندق کو عبور کیا جاسکتا ہے اس کام کے لئے قریش کے نامور شہسوار عمرو ابن عبدود عامری، عکرمہ ابن ابی جہل، حسل ابن عمرو، مندہ ابن عثمان، ضرار ابن خطاب فہری، نوفل ابن عبد اللہ اور ہبرہ ابی وہب منتخب کئے گئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور خندق کو پھلانگنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس منزل کے سر پہونے

سے کفار کے پڑمردہ دلوں میں کچھ توانائی آئی اور ابوسفیان اور خالد بن ولید نے فوراً لشکر کی صف بندی کی تاکہ شہسواروں کے جوہر شجاعت دکھانے کے بعد فوجوں کو خندق کے اس پار اتاریں اور جنگ مغلوبہ شروع کر دیں۔ ان پھلانگنے والوں میں یوں تو سب ہی آزمودہ کار اور جنگ آزمہ تھے مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر اور نامور شمشیر زن عمرو ابن عبدود تھا جو عماد عرب اور فارس یلیل کے نام سے پکارا جاتا تھا میدان کارزار میں ایک مخصوص علامت سے پہچانا جاتا تھا اسے فارس یلیل اس لئے کہا جاتا کہ اس نے اس مقام پر ایک ہزار قزاقوں کو پسا کر دیا تھا۔ چنانچہ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے پیغمبر اکرمؐ سے بیان کیا تھا یا رسول اللہؐ میں ایک کارروان تجارت میں شریک ہو کر شام جا رہا تھا اور یہ بھی ہمارا ہم سفر تھا۔ جب ہمارا قافلہ مقام یلیل پر پہنچا تو ایک ہزار رہزنوں نے قافلہ پر حملہ کر دیا تمام اہل قافلہ اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے مگر یہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا اور اس طرح جی توڑ کر لڑا کہ رہزنوں کو بھاگتے ہی بن پڑی اور قافلہ صحیح و سالم منزل پر پہنچ گیا۔ اس واقعہ کے بعد عرب کے دلوں پر اس کی شجاعت اور شمشیر زنی کی ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ اکیلا ہزار کے برابر سمجھا جانے لگا۔ ہزار آدمیوں کے برابر سمجھے جانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی شرکت سے فوج کا حوصلہ اتنا بڑھ جاتا تھا جیسے ایک ہزار کا اس میں اضافہ ہو گیا ہو۔ جب اس نے آگے بڑھ کر پکارا کہ میرے مقابل میں کون آتا ہے تو کسی طرف سے کوئی جواب نہ ملا اور نہ کسی کو اس کے مقابلہ میں آنے کی جرأت ہوئی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ ”کون ہے جو اس کتے کو جواب دے“ حضرت علیؓ خندق کا کنارہ چھوڑ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا انا لہ یا نبی اللہؐ یا رسول اللہؐ میں اس کا مقابلہ کروں گا“ فرمایا

قَالَ مَذْخَرٌ

مِنْهُمْ الْعَجَائِبُ

تَا جَوْرٌ

جَلَالُ اللَّهِ

مَوْلَاكُمْ

عَاصِيَاتُ

سَبَّحْتَ

مَحْبُوتٌ

الْمَحْبُوتُ

فَوْنٌ

دَوَّجَتْهُ

سَرَّاسٌ

الْمَحَاطَبَاتُ

مُسْتَبْنَطُ

الْإِشْدَادَاتُ

رَأَيْتُ

الْمَهْلِكِينَ

جَوْنٌ

الْمُطَيَّبِينَ

عَلَّمَ

اللَّهُ

الْمُتَّقِينَ

وَأَقَامَ

الْمُتَّقِينَ

وَأَقَامَ

الْمُتَّقِينَ

وَأَقَامَ

الْمُتَّقِينَ

وَأَقَامَ

الْمُتَّقِينَ

بیٹھو شاید کوئی اور اس کے مقابلہ کی ہمت کرے مگر جب کوئی صدا بلند نہ ہوئی تو آنحضرتؐ نے دوبارہ فرمایا کہ تم میں کون ہے جو اس کا مد مقابل ہو اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائے حضرت علیؑ نے پھر اجازت مانگی۔ فرمایا ابھی ٹھہرو۔ عمرو پھر لکارا اور کہا کون ہے جو میرے مقابلہ کو آتا ہے مگر کوئی آمادہ نہ ہوا۔ جب عمرو تیسری مرتبہ لکارا اور کوئی بڑھ کر اس کے سامنے نہ آیا تو اس نے طر کر کے ہوئے کہا کہ مسلمانو!

تمہاری جنت کیا ہوئی جس میں تمہیں مکر کر جانا ہے اور وہ دوزخ کیا ہو جو مرنے کے بعد ہمارا ٹھکانہ ہے آویا تم جنت میں جاؤ یا مجھے دوزخ میں بیجو۔ پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سپاہ اسلام کے قریب آکر رجز پڑھنے لگا۔ ولقد جعت من اللہ اجمعکم کل من مبارزہ ووقفت اذ جبن المشیع موقف البطل المناجر چیختے چیختے میری آواز بیٹھ گئی ہے میں ان مقالات پر ایک بہادر جنگجو کی طرح جم کر لڑتا ہوں جہاں اچھے اچھے شجاع کمزوری دکھا جاتے ہیں۔

وكدلك اني لعاذل مستوعا غواهلها الهز

ان الشجاعة في الفتي والجود من خير الغرائز

جنگ کی طرف میرے قدم تیزی سے بڑھتے ہیں اور ایک جوانمرد کی سب سے بڑی خوبی سخاوت اور شجاعت ہی ہے۔

عمرو کے بار بار لکارنے پر ایک سناتا تھا جو ہر طرف چھایا ہوا تھا ایک دوسرے کو کلکیوں سے دیکھتے اور چپ سادہ لیتے اور کسی کو ہمت اور جرات نہ ہوتی کہ آگے بڑھ کر لکارتا اور اس کا غرور توڑتا تاریخ نگاروں نے اس وقت کی خاموشی اور بے حسی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

کان علی روو سہم الطیر۔ رگویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے تھے۔

ایہ ایک مثل ہے جو اس موقع پر بولی جاتی ہے جب کوئی شخص دشمن کے لٹکارنے یا جواب طلب کرنے پر سر نہواڑے خاموش رہے چنانچہ عرب کا ایک شاعر کہتا ہے۔ اذ حلت بنو لیث عکاظا ۛ رایت علی روو سہم الغرابا
اذ حلت بنو لیث عکاظا ۛ رایت علی روو سہم الغرابا

اس کی اصل یہ ہے کہ جب اونٹ کے سر یا کسی حصہ جسم پر کوئی زخم آتا ہے اور کنگلی کی وجہ سے اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو وہ سر نیچے ڈال کر کسی گوشہ میں الگ تھلک بیٹھ جاتا ہے اور پرندے اس کے سر جسم پر بیٹھ کر ان کیڑوں کو چیتے لگتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اپنے سر کو جنبش نہیں دیتا اور نہ سر اوپر اٹھاتا ہے تاکہ پرندے اڑ نہ جائیں اس سے یہ مثل اس شخص کے لئے چل نکلی جو سر نیچے ڈالے چپ چاپ بیٹھا رہے۔

حضرت علیؑ نے جب کفر کی مبارز طلبی اور مسلمانوں کی خاموشی دیکھی تو پوچھ و تاب کھاتے ہوئے اٹھے اور پیغمبر اکرمؐ سے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اب مجھے اس سے دودھ ہاتھ کرنے کی اجازت دیجئے۔

اس سے پہلے پیغمبرؐ دو مرتبہ علیؑ کو روک چکے تھے یہ روکنا اس بنا پر نہ تھا کہ آپؐ عمرو کے مقابلہ میں انہیں کمزور ناتواں سمجھتے تھے بلکہ آنحضرتؐ یہ چاہتے تھے کہ انہیں روک کر دوسروں کی ہمت و جوانمردی کی آزمائش کریں اور دیکھیں کہ کس کی رگ محبت پھڑکتی اور خون شجاعت جوش مارتا ہے اگر عمرو کی پہلی ہی لٹکار پر علیؑ کو اجازت دے دیتے تو دوسرے کہہ سکتے تھے

کہ ہم بھی مقابلہ کے لئے تیار تھے مگر علیؑ کے میدان میں اتر آنے سے ہم خاموش ہو گئے اور ہمیں زور آزمائی کا موقع نہ مل سکا۔ مگر عمرو کی پیہم لٹکار پر سکوت و بے حسی نے ان کی ہمت و شجاعت کا پردہ چاک کر دیا اس عمومی آزمائش کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کی جرات و خود اعتمادی کا جوہر نمایاں کرنے کے لئے ان سے کہا :-

هَذَا عمرو ابن عبدود فارس يليل -

یہ شہسوار یلیل عمرو ابن عبدود ہے۔

آپؐ نے کہا اگر وہ عمرو ہے تو ہوا کرے میں بھی تو ابن ابی طالب ہوں آنحضرتؐ نے علیؑ کے سر پر اپنا عمامہ، سحاب، رکھا اپنی زرہ ذات الفضول پہنائی کمر میں ذوالفقار باندھی اور بارگاہ احدیت میں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا۔
اللهم انك اخذت مني عبيدة يوم بدر ورحمة يوم اُخذ فاحفظ
على اليوم عليا رب لا تدنني فردا وانت حيزا لوارثين۔

خداوند! تو نے عبیہ کو بدر کے دن اور حمزہ کو احد کے دن اٹھالیا اب ایک علیؑ ہیں، تو ان کی حفاظت فرما۔ پروردگار! مجھے اکیلے چھوڑناؤ تو بہترین وارث ہے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۳۴۴)

ادھر حضرت علیؑ نے پیغمبرؐ سے اجازت لے کر میدان کا رخ کیا ادھر آنحضرتؐ کی زبان سے یہ کلمات فضا میں گونجے۔

بذل الایمان کلہ الی الشرک کلہ۔

”کل ایمان کل شرک کی طرف بڑھ رہا ہے۔“

آپؐ نے آگے بڑھ کر عمرو کو لٹکارا اور اس کے رجز یہ اشعار کے جواب

میں فرمایا:

لا تعجلن فقد اتاك مجيب صوتك غير عاجز

دونية وبصيرة والصدق منجى كل فائز

”ٹھہرو تمہاری للکار کا جواب دینے والا آگیا ہے جو کہ کمزور نہیں ہے
وہ صاحب عزیمت و بصیرت ہے اور سچائی ہی ہر سنگار کے لئے وجہ کامرانی ہے

افى لارجوان اقيم عليك ناحة الجنائز

من ضربة تفنى ويبقى ذكرها عند الهزاهن

”مجھے امید ہے کہ میں تمہارے لئے بین کرنے والی عورتوں کا ہنر و ہست
کروں گا ایسی ضرب سے جو اپنا کام کر کے مٹ جائے گی مگر اس کا تذکرہ
ہمیشہ معروں میں ہوتا رہے گا۔

اب دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑے ہو گئے عمرو نے دستور
غرب کے مطابق پوچھا کہ میرا حریف و مد مقابل کون ہے؟ حضرت نے فرمایا
میں ہوں علی ابن ابی طالب۔ عمرو نے کہا کیا لشکر اسلام میں تمہارے اعمام
میں سے کوئی نہیں ہے جو مجھ سے لڑنے کے لئے آتا تم ابو طالب کے بیٹے
ہو اور وہ میرے دوست تھے میں نہیں چاہتا کہ اپنے کے بیٹے پر ہاتھ اٹھاؤ
اور اسے قتل کر دوں لہذا تم واپس جاؤ اور کسی بڑے کو میرے مقابلہ کے
بھیج دو تاکہ تمہارے بجائے وہ میرے ہاتھ سے قتل ہو۔

حضرت نے فرمایا:

لكن والله احب ان اقتلك

لیکن میں تو تمہارا خون بہانا پسند کرتا ہوں۔

اہلسنت کے مشہور عالم مصدق ابن شیبہ کہتے ہیں کہ عمرو نے ابو طالب

سے اپنی دوستی کا اظہار محض اپنی جان بچانے کے لئے کیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر میں دیکھ چکا تھا کہ جو بھی علی کے مقابلہ میں نکلا وہ اپنی جان سلامت لے کر واپس نہ آسکا۔ اس لئے اس نے چاہا کہ علی سے لڑنے کی نوبت نہ آئے اور ان کے بجائے کسی اور سے مقابلہ ہو۔ میدان میں اترنے کے بعد جنگ سے پہلو تہی تو کر نہیں سکتا تھا اس لئے ابو طالب کی دوستی کی آرٹلی تاکہ لڑے بھی نہیں اور اس کی کمزوری پر پردہ بھی پڑا ہے جب عمرو نے دیکھا کہ حیلے بہانوں سے جان چھڑانا مشکل ہے تو لڑنے پر تیار ہو گیا۔ حضرت نے دیکھا کہ وہ خود پیادہ ہیں اور عمرو سوار ہے۔ اور پیادہ ہمیشہ سوار کی زد میں ہوتا ہے آپ نے چاہا کہ اسے بھی گھوڑے سے نیچے اتروالیں۔ فرمایا اے عمرو میں نے سنا ہے کہ اگر حریف میدان جنگ میں تم سے تین باتوں کی درخواست کرتا ہے تو تم ایک ضرور مان لیتے ہو۔ کہا ہاں۔ فرمایا پھر میری پہلی خواہش یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرو تاکہ مجھے تم سے لڑنے کی ضرورت ہی نہ پڑے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار کروں۔

فرمایا کہ پھر میری دوسری خواہش یہ ہے کہ تم اپنے لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس چلے جاؤ۔ کہا میدان سے منہ موڑنا مردوں کا کام نہیں ہوتا میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ عورتیں میرے فرار پر مجھے طعنے دیں اور میری شجاعت پر حرف رکھیں۔

فرمایا اگر تم یہ بھی نہیں مانتے تو میری آخری خواہش یہ ہے کہ تم گھوڑے سے نیچے اترو اور مجھ سے جنگ کرو! یہ سن کر عمرو غصہ سے بیچ و تاب کھاتا ہوا نیچے اترا اور اترتے ہی گھوڑے

کے پیروں پر تلوار چلائی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ بظاہر یہ ایک بے
 معنی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر ایسا نہیں ہے اس کا مقصد یہ تاثر دینا تھا
 کہ میں نے گھوڑے کے پاؤں کاٹ کر اپنے لئے فرار کی راہ بند کر دی ہے
 اب قتل کئے یا قتل ہوئے بغیر میدان سے ہٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور
 یہ غرض بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح اپنی قوت و طاقت اور تیغ زنی کا بھی
 مظاہرہ کر کے حریف کو مرعوب و متاثر کرے تاکہ وہ مقابلہ سے جی چھوڑ بیٹھے
 کیونکہ نفسیاتی حیثیت سے اگر حریف کو اپنی قوت و توانائی سے متاثر کر لیا
 جائے تو اس کی قوت و مقاومت مضمحل ہو جاتی ہے اور یاسانی اس پر قابو
 پایا جاسکتا ہے مگر حضرت علیؓ بڑے سے بڑے بہادر و شہزاد کو نظر میں نہ
 لاتے تھے وہ اس سے کیا مرعوب و متاثر ہوتے اور نہ ایمان کی یہ شان ہے
 کہ وہ کفر کے مقابلہ میں کمزور پڑ جائے آپؐ نے عمرو کے مظاہرہ شمشیر زنی کو
 پرکاش کے برابر بھی اہمیت نہ دی اور اسے موقع دیا کہ وہ پہلے حملہ کرے چنانچہ
 وہ تلوار لے کر حضرت پر حملہ آور ہوا۔ آپؐ نے سپر پر اس کا دادر روکا مگر عمرو بھی
 بلا کا تیغ زن تھا روکتے روکتے بھی تلوار کا اچھٹنا ہوا وار آپؐ کے سر پر لگا اور
 پیشانی خون سے رنگیں ہو گئی۔ اب تیغ ایمان بارگ کفر کو کاٹنے کے لئے
 بے نیام ہوتی اور آپؐ جوابی حملہ کے لئے زخمی شیر کی طرح جھپٹے اور اس کے
 پیروں پر اس طرح تلوار ماری کہ اس کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں۔ عمرو لڑکھڑا
 کر زمین پر گرا۔ حضرت نے تکبیر کا نعرہ لگایا اور اس کے سینہ پر سوار ہو کر
 اس کا سر کاٹ لیا۔ صحابہ گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نہ دیکھ سکے تھے۔ جب
 تکبیر کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ علیؓ فاتح و کامران ہوئے اور عمرو مارا گیا اتنے
 میں گرد کا دامن بھٹا تو لوگوں نے یہ منظر دیکھا کہ علیؓ مرتضیٰ ایک ہاتھ میں شمشیر

ناصح رسول

فانزال الغنم

صاحب
السلام

محمد اللہ

رائس
المسکینی

مناظر
الایمان

صالح
الوحدین

میر
الوجہ

فانک
التاکید

فانک
القاسطن

شیخ
الحاجرین

امام
الانصار

فانک
المازقین

الشاہدین

السیدین

الکرم

الساجدین

الصفی

الامین

بائن
خطاب

مناظر
ہدایوں

سید
الہدی

سید
الہدی

عین
اللہ

خون آشام اور دوسرے ہاتھ میں عمرو کا لہو میں ڈوبا ہوا سر لئے اس طرح
جھومتے چلے آ رہے ہیں جس طرح شیر ہلکی پھوار میں بل کھاتا ہوا چلتا ہے اور
زبان پر یہ ترانہ گونج رہا ہے،

انا علی وابن عبد المطلب

الموت خیر للفتی من الہرب

”میں علی ہوں اور عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ جو انہر دکے لئے بھاگنے سے
موت بہتر ہے۔“

علیؑ کو اس طرح آتے دیکھ کر کچھ لوگوں نے کہا کہ علیؑ تو آج بڑی رعونت
سے چل رہے ہیں۔ پیغمبرؐ نے سنا تو فرمایا کہ میدان جنگ میں اللہ تعالیٰ کو یہی چال
پسند ہے غرض جب کفر و ایمان کا معرکہ سر کے پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب
ہوئے تو آنحضرتؐ نے انہیں سینہ سے لگایا اور اس کی اس عظیم خدمت کا اعتراف
کرتے ہوئے فرمایا:-

ضوبة علیؑ یوم الخندق افضل من عبادة الثقلين۔

خندق کے دن علیؑ کی ایک ضربت جن و انس کی عبادت پر بھاری ہے

(مسند رک حاکم ج ۳ ص ۱۳۲)

حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ حضرت علیؑ نے عرب کی عام روش کے
خلاف نہ عمرو کی زرہ اتاری ہے اور نہ اس کی تلوار خود وغیرہ پر قبضہ کیا ہے تو
ان سے کہا ”صلا سبیل در عہد یا علی“ اے علیؑ آپ نے عمرو کی زرہ کیوں نہ
اتاری ”فرمایا مجھے جیہا آئی کہ میں اس کی لاش کو برہنہ کر کے زرہ اتاروں۔ یہ
حق حضرت علیؑ کی سیر چشمی و بلند نگاہی کہ جہاں مال غنیمت مجاہد کی سب سے بڑی
مکزوری ہے وہاں علیؑ کی بلند کرداری و عالی ظرفی کا جوہر یوں نمایاں ہوتا ہے

کہ نہ جذبہ جہاد میں طبع دنیوی کی آمیزش ہونے پاتی ہے اور نہ مقتول کی
بیش قیمت زدہ پر نظر پڑتی ہے اس موقع کے لئے ایک عرب شاعر نے کہا ہے

ان الاسود اسود الغاب ہمتھا

یوم الکریہۃ فی الملوہ لا السلب

”معرکہ کارزار میں شیران بیشہ شجاعت کی پر عزم نگاہیں دشمن کی طرف
اٹھتی ہیں نہ مال غنیمت کی طرف۔“

حضرت شیعی اس بلند نظری کا اعتراف عمرو کی بہن نے بھی کیا۔ چنانچہ جب
اس نے یہ سنا کہ قاتل نے عمرو کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور اس کی زدہ
تک نہیں اتاری تو کہا ”ما قتله الا کفو کریم“ اس کا قاتل کوئی شریف اور
عالی ظرف انسان ہے۔ پوچھا کہ اس کا قاتل کون تھا؟ لوگوں نے بتایا کہ علی
ابن ابی طالب۔ یہ سن کر اس نے بر جستہ یہ دو شعر پڑھے:

لو کان قاتل عمرو غیر قاتله لکن ابی علی علیہ اخر الابد
”اگر عمرو کا قاتل علیؑ کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میں رہتی دنیا تک اس
پر روتی۔“

لکن قاتله من لا یغاب بہ من کان یدعی ابولہ بیضۃ البلد
مگر اس کا قاتل تو وہ ہے جس میں کوئی برائی نہیں ہے اور جس کا باپ
سردار مکہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

عمرو کے مارے جانے سے اس کے ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے اور
پھر کسی کو مبارز طلبی کی جرأت نہ ہو سکی سب کے سب بدحواسی کے عالم میں
خندق کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت علیؑ نے آگے بڑھ کر گھیرا ڈالا اور
عمرو کے پیٹے حمل پر تلوار ماری اور اسے وہیں پر ڈھیر کر دیا تو فل بن عبد اللہ

خندق کو پھاندتے ہوئے اس میں گرا۔ کچھ لوگوں نے اس کی بے بسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس پر پتھر برسانا شروع کئے۔ اس نے کہا کہ اگر مجھے مارنا ہی چاہتے ہو تو ذلت سے نہ مارو۔ تم میں سے کوئی نیچے اترے اور مجھ سے لڑے۔ حضرت علیؓ خندق میں اترے اور ایک ہی ضرب میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ بعد ازاں عثمان خندق کو عبور کرتے ہوئے کسی کا تیر کھا کر زخمی ہوا اور مکہ پہنچ کر مر گیا۔ عکرمہ نے اپنا نیزہ پھینک کر اپنا بوجھ ہلکا کیا اور ہیرہ کے ساتھ خندق پھاند کر لشکر گاہ میں پہنچ گیا۔ ضرار بن خطاب نہری کو حضرت عمرؓ نے بھاگتے دیکھا تو اس کا پیچھا کیا۔ ضرار نے پلٹ کر حملہ کرنا چاہا تو دیکھا کہ حضرت عمرؓ ہیں اس نے ہاتھ روک لیا اور یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا کہ اے عمرؓ میرے اس احسان کو یاد رکھنا اور خندق کو پھاند کر اپنے ساتھیوں سے چلا جا۔ یہ لوگ اپنے کشتوں کو تو ساتھ لے جا نہیں سکتے تھے۔ کفار نے آنحضرتؐ کو پیغام بھجوایا کہ عمرو اور نوفل کے لاشے ہمارے حوالے کر دیئے جائیں ہم اس کے عوض زر نقد کی صورت میں دینے کو تیار ہیں۔

آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھو کم مانا کل ثمن الموتی" "یہ تمہارا ہی مال ہے۔ ہم مردے بیچ کر نہیں کھایا کرتے" انہیں اجازت مل گئی تو وہ لاشے اٹھا کر لے گئے۔

ان چند نامور سوراؤں کے مارے جانے اور چنڈ کے سپا ہونے سے کفار کی ہمتیں پست ہو گئیں اور پھر کسی کو جرأت نہ ہو سکی کہ خندق کو پھاند کر آگے بڑھے یا صدائے صل من بہار بلند کرے۔ خوراک کی قلت اور رسد کی نایابی کی وجہ سے ان کی حالت پہلے ہی نازک تھی۔ اب وہاں پر پڑے دہنا پلاکت و تباہی کو دعوت دینا تھا وہ محاصرہ اٹھانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ

اس اثناء میں ایک رات سخت طوفان باد و باران آیا جس نے کفار کے خیمہ و خمر گاہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اونٹوں اور گھوڑوں نے رسیاں ترڑوالیں اور ادھر ادھر بکھر گئے۔ چوہوں پر چڑھی ہوئی دیگیں الٹ گئیں۔ کھلا میدان سخت سردی آندھی اور جھکڑ کا زور ایک کو ایک سجھائی نہ دیتا تھا اور نہ کسی کو کسی کا ہوش تھا۔ اب اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا کہ محاصرہ اٹھا کر اپنی راہ لیں چنانچہ ابوسفیان نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنا بے سود ہے اتنے دن ہم محاصرہ ڈالے پڑے رہے مگر نقصان ہی اٹھایا اب مناسب یہ ہے کہ ہم ڈیرے خیمے اٹھا لیں اور یہاں سے چل دیں یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ دوسروں نے اسے جاتے دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور راتوں رات میدان صاف ہو گیا۔ صبح کو جب مسلمانوں نے میدان خالی پایا تو دشمن کی پسیانی پر اللہ کا شکر بجالائے اور فتح و کامرانی کے نعرے لگاتے ہوئے خوش خوش اپنے گھروں کو واپس ہوئے۔

اس معرکہ میں مشرکین کے چار آدمی مارے گئے جن میں سے عمرو ابن عبدود، نوفل ابن عبد اللہ اور حنظل ابن عمرو حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور منبہ ابن عثمان زخمی ہو کر بھاگا اور مکہ پہنچ کر ختم ہو گیا۔ مسلمانوں نے صرف اتنا کیا کہ نوفل جب خندق میں گرا تو اس پر پتھر مارے اور منبہ پر دور سے تیر چلائے اور حضرت عمرؓ نے صرار ابن خطاب کا پیچھا کیا مگر انہیں خود ہی ایک طرح سے اس کا ممنون احساس ہونا پڑا۔ کفار کے ان مانے ہوئے شجاع توں سے نمٹنے والے صرف حضرت علیؓ تھے جنہوں نے ضرب ید الہی سے عمرو و نوفل ایسے سوراوٹوں کو قتل کر کے انہیں میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور مشرکین کا زور لیا توڑ کر آئندہ وہ مدینہ پر چڑھائی کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کا دم خم جاتا رہا تاب و

مقاومت چھن گئی اور اپنی ناکافی و نامرادی پر صبر کر کے گھروں کے گوشوں میں بیٹھ گئے۔

غزوہ خندق اور محاربہ طالوت و جالوت میں بڑی حد تک مماثلت و مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے اس محاربہ کی بھی مختصر کیفیت درج کی جاتی ہے تاکہ دونوں کے مشترکہ پہلوؤں کو واضح کیا جاسکے۔ جالوت فرعونوں مصر کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کا فرمانروا تھا۔ اور اپنے ظلم و جور سے رعایا کا جینا مشکل کر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے اس دور کے بنی اشمویں سے کہا کہ ہم لوگ تو جالوت کے ظلم و تشدد سے تنگ آچکے ہیں آپ اس کی ستم رانیوں سے ہمیں چھٹکارا دلائیں۔ اشمویں نے قدرت کے ایمار سے طالوت کو جو غریب اور نادار سقائی کا پیشہ کرتا تھا، حکومت و شاہی کے لئے منتخب کیا۔ بنی اسرائیل اس پر معترض ہوئے اور کہا کہ طالوت میں خوبی ہی کون سی ہے نہ اس کا کوئی رعب و دبدبہ ہے اور نہ اس کے پاس مال و دولت ہے وہ ہم پر کیا حکومت کرے گا۔ اشمویں نے جو جواب دیا وہ قرآن مجید کے ان لفظوں میں مذکور ہے

قال ان الله اصطفاه عليه و زاداه بسطة في العلم والجسم والله يوثق ملكه من يشاء۔

کہا خدا نے اسے تم پر فوقیت و فضیلت دی ہے اور علم کی وسعت اور جسم کا پھیلاؤ بھی اسی کا زیادہ کیا ہے اور خدا جسے چاہتا ہے اسے اپنا ملک دیتا ہے۔

قدرت کے اس ارشاد سے حاکم کے طریق کار اور میار حکومت پر بھی روشنی پڑتی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اسے مقرر کرتا ہے اور یہ تقرر و دولت و ثروت اور شان و شکوہ کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ فضیلت علم اور کمال شجاعت کی بنا پر عمل

میں آتا ہے۔

جب جالوت نے یہ دیکھا کہ حکومت طالوت کی طرف منتقل ہو رہی ہے تو وہ لشکر و سپاہ کو لے کر میدان جنگ میں اتر آیا۔ طالوت بھی بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین سے نکل کھڑا ہوا اور اردن کے علاقہ میں دشمن کی فوجوں کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ طالوت کے ہمراہیوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ انہوں نے جب جالوت کی ابنوہ درابنوہ فوجوں کو دیکھا تو ان پر خوف و ہراس چھا گیا اور جب جالوت ہاتھی پر سوار ہو کر لاکڑتا ہوا میدان میں آیا تو کوئی بھی اس سے زور آزمائی کے لئے تیار نہ ہوا۔ طالوت نے جب اپنے ہمراہیوں کی کمزوری اور بزدلی کو دیکھا تو ان سے کہا کہ تم میں سے جو اسے قتل کرے گا میں آدھا ملک اس کے پائے نام کر دوں گا اور اپنی بیٹی بھی اس کے عقد میں دوں گا مگر کسی کو اس کڑیل گراں کڑیل سے لڑنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت اشموئیل نے کہا کہ یہ اس کے ہاتھوں سے قتل ہو گا جو لاوی ابن یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہو گا۔ اور حضرت موسیٰؑ کی زہ اس کے جسم پر ٹھیک اترے گی۔ چنانچہ لاوی ابن یعقوب کی اولاد میں سے ایسا سے کہا گیا کہ وہ اپنے دسویں بیٹوں کو پیش کرے جب وہ آئے تو ان میں سے ہر ایک نے زہ پہن کر دیکھی مگر زہ کسی کے جسم پر ٹھیک نہ بیٹھی۔ آخر میں اس کے سب سے چھوٹے فرزند حضرت داؤد کو پہنائی گئی جب زہ ان کے قدم و قامت پر راست آئی تو ان سے کہا گیا کہ آپ ہی جالوت سے سربر ہو سکتے ہیں اور کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ حضرت داؤد زہ پہن کر جالوت کے سامنے آئے۔

جالوت نے انہیں دیکھ کر کہا۔

يا هَذَا الصبي انت مع صغر سنك تبارزني۔

اے صاحبزادے تم اس سن و سال میں مجھ سے لڑو گے۔

(بدائع الزہور - ص ۱۵۹)

کہا کہ ہاں میں لڑنے کے لئے آیا ہوں۔ جب حضرت داؤد نے اسے مارنے کے لئے گوبچن میں پتھر رکھا تو اس نے کہا کہ تم مجھے اس طرح مارو گے جس طرح کتے کو مارا جاتا ہے کہ ہاں کہ لاناں اشتر من الکلب "اس لئے کہ تم کتے سے بھی بدتر ہو" جناب داؤد نے گوبچن کو حرکت دے کر اس زور سے پتھر پھینکا کہ اس کے سر کو توڑتا ہوا نکل گیا۔ جالوت زمین پر گرا اور گرتے ہی ختم ہو گیا۔ جالوت کے مرنے سے اس کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئی اس صحن کار کردگی کے صلہ میں حضرت داؤد کو بڑی طاقت کی سلطنت ملی اور اس کے داماد بھی ہوئے۔

اب غزوہ خندق کا اس مختار بہ سے موازنہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان دونوں میں کتنی مشابہت پائی جاتی ہے خندق میں مسلمانوں کی سپاہ کم اور کفار کی تعداد کئی گنا زائد تھی اسی طرح طاقت کی فوج منقرض اور اس کے مقابلہ میں جالوت کا لشکر صحرائے اردن پر محیط تھا جس طرح مسلمان دشمن کی کثرت و قوت سے ہر اسان تھے اسی طرح سپاہ طاقت پر خوف و ہراس چھایا ہوا تھا جس طرح عمرو اسکو بیچ کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر مبارز طلب ہوا اسی طرح جالوت زہر بکتر سے آراستہ اور ہاتھی پر سوار ہو کر میدان میں آیا جس طرح عمرو کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کے علاوہ کسی کو ہمت نہ ہوئی اسی طرح جالوت کے مقابلہ میں حضرت داؤد کے علاوہ کسی کو جرات نہ ہو سکی۔ جس طرح حضرت داؤد دشمن کے مقابلہ میں پیادہ تھے اسی طرح حضرت علیؑ تحریف کے مقابلہ میں پیادہ پاتھے۔ جس طرح حضرت داؤد کے بدن پر حضرت موسیٰؑ کی زرہ ٹھیک اتری

اسی طرح حضرت علیؓ کے جسم پر پیغمبرؐ کی زرہ پوری آئی جس طرح حضرت داؤدؑ اپنے بھائیوں میں سب سے نمن تھے اسی طرح حضرت علیؓ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ جس طرح داؤدؑ کی عمر تیس برس تھی اسی طرح حضرت علیؓ کا سن تیس برس کے لگ بھگ تھا جس طرح جالوت نے حضرت داؤدؑ کی صغیر سنی پر اعتراض کیا اسی طرح عمروؓ حضرت علیؓ کی کم سنی پر معترض ہوا۔ جس طرح انبیاء میں حضرت داؤدؑ بڑے جنگجو اور بہادر تھے اسی اولیاء میں حضرت علیؓ جو اندری و شجاعت میں فرد فرید تھے۔

شیخ علی علاؤ الدین نے تحریر کیا ہے۔

امام المہدیین من الانبیاء داؤد علیہ السلام ومن الاولیاء علی

ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

انبیاء میں داؤد علیہ السلام اور اولیاء میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ جنگ آزمادوں کے امام و سرخیل تھے۔

(محاضرة الاول مر ۲۰۲)

جس طرح پیغمبرؐ نے عمرو کو کلب کے لفظ سے یاد کیا اس طرح حضرت داؤدؑ نے جالوت کو کتے سے بدتر قرار دیا۔ جس طرح جالوت کے مارے جانے سے تمام لشکر بھاگ کھڑا ہوا اسی طرح عمروؓ کے قتل ہونے سے مشرکین کے قدم اکھڑ گئے اور راتوں رات میدان خالی کر کے چل دیئے جس طرح عمروؓ کا قاتل داماد پیغمبرؐ اور وارث مسند خلافت تھا اسی طرح جالوت کا قاتل طالوت کی سلطنت کا وارث اور اس کا داماد قرار دیا۔ ان وجوہ مماثلت کو دیکھنے کے بعد حافظ یحییٰ ابن آدم کے اس قول کی واقعیت نمایاں ہو جاتی ہے۔

ما شہدت قتل علیؓ عمدا الا بقولہ تعالیٰ فہنر موہم باذن اللہ

وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ

علیؑ کے عمرو کو قتل کرنے کی تشبیہ کسی واقعہ سے دی جاسکتی ہے تو اس واقعہ سے جس کا تذکرہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔ "پھر ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے دشمنوں کو شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا۔" (سیرت و حلال بر حاشیہ سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۱۱)

غزوہ بنی قریظہ

ذیقعد ۸ھ ہجری

جب غزوہ احزاب یہود و مشرکین کے مشترکہ محاذ کی شکست و ہزیمت پر ختم ہوا تو پیغمبر اکرمؐ نے دشمن کے ناکام ہونے کے بعد بنی قریظہ کی طرف فوج بھیجنے کا ارادہ کیا۔ جنہوں نے حبیبی ابن اخطب کی باتوں میں آکر مسلمانوں سے علانیہ غداری کی تھی اور معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس غزوہ میں کھل کر حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے تیس خنزریوں کا ایک ہر اول دستہ حضرت علیؑ کی قیادت میں ان کی طرف بھیجا اور علم جنگ حضرت کے سپرد کیا۔

طبری نے لکھا ہے :-

قد مر رسول اللہ علی ابن ابی طالب براۓ الی بنی قریظہ پیغمبر اکرمؐ نے علی ابن ابی طالب کو راۓت جنگ دے کر بطور مقدمہ الجیش بنی قریظہ کی طرف بھیجا۔

(تاریخ طبری جلد ۲ حصہ ۲۲۵)

بنی قریظہ کو یہ اندیشہ تو تھا ہی کہ اس بد عہدی و عہد شکنی کی پاداش میں ان سے مواخذہ ہوگا انہوں نے لشکر کفار کے سپاہ ہونے کے بعد اپنے ایک قلعہ میں پناہ لے لی اور یہ سمجھ لیا کہ قلعہ سر کر لینا مسلمانوں کی قوت اور طاقت سے باہر ہے جب حضرت علیؓ ان کے قلعہ کے پاس پہنچے اور زمین میں نیزہ گاڑا تو انہوں نے آنحضرتؐ کی شان میں نازیبا کلمات کہے اور گالی گلوچ پر اتر آئے۔ آپؐ نے ان کی بدزبانی سنی تو واپسی کے ارادہ سے پلٹے تاکہ پیغمبرؐ کو قلعہ کے قریب جانے سے روک دیں۔ ابھی آپؐ راستے ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ تشریف لے آئے حضرت علیؓ نے کہا کہ آپؐ قلعہ کے پاس نہ جائیں۔ فرمایا اس لئے کہ وہ دشنام طرازی پر اتر آئے ہیں، عرض کیا کہ ہاں فرمایا کہ جب وہ مجھے دیکھیں گے تو بدزبانی کی جرأت نہ کر سکیں گے۔

آنحضرتؐ نے ان کے ہاں پہنچ کر انہیں تنبیہ و سرزنش کی اور قلعہ کے سامنے غیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کو اپنے حصار میں لے لیا اور قلعہ والوں پر آمد و رفت کی راہیں بند کر دیں۔ ان محصورین میں جیسی بنی اخطب بھی شامل تھا جس نے بنی قریظہ سے وعدہ کیا کہ وہ شکست کی صورت میں انہی کے ہاں ٹھہرے گا اور جو افتادان پر پڑے گی اس میں برابر کا شریک ہوگا۔ رئیس بنی قریظہ کعب بن اسد نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے تو اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا تذکرہ آسمان کتابوں کے اندر موجود ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم ان کی نبوت کا اعتراف کر کے اسلام قبول کریں اور اپنے جان و مال کا تحفظ کر لیں۔ انہوں نے اس مشورہ کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور اسلام قبول

کرنے سے انکار کر دیا۔ کعب نے کہا کہ اگر تم تبدیلی مذہب کئے لئے تیار نہیں ہو تو اپنے بچوں اور عورتوں کو ٹھکانے لگاؤ اور قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرو اس صورت میں تمہارے ذہن بچوں اور عورتوں کی فکر سے خالی ہوں گے اور پوری یکسوئی اور تندہی سے لڑ سکو گے۔ انہوں نے یہ بات بھی نہ مانی اور کہا کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کے خون سے ہاتھ رنگیں نہیں کریں گے۔ کہا کہ پھر میری رائے یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے اور مسلمانوں کو یہ سان گمان بھی نہ ہو گا کہ آج کی شب ان پر حملہ ہو سکتا ہے۔ لہذا ان کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر ان پر شب خون مارو۔ کہا کہ ہم سبت کی بے حرمتی گوارا نہیں کر سکتے جب کہ ہمارے دین و آئین کے خلاف ہے کہا کہ پھر تم عقل اور خرد سے عاری اور اپنے بارے میں خوشی فہمی میں مبتلا ہو۔

یہود کو محاصرہ میں گھرے ہوئے پچیس دن ہو چکے تھے وہ اتنے دنوں تک تیرا اور پتھر برساتے رہے مگر مسلمانوں کا حصار توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے جب محاصرہ کی شدت سے تنگ آ گئے تو انہوں نے بنائش ابن قیس کے ذریعہ پیغمبر سے درخواست کی کہ ہم ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہماری جان بخشی کی جائے اور ہمیں اپنی عورتوں بچوں اور ہتھیاروں کے علاوہ اپنا مال و اسباب اونٹوں پر بار کر کے لے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہمیں یہ منظور نہیں ہے کہا کہ پھر ہم اپنا مال و اسباب یہیں چھوڑے دیتے ہیں ہمیں صرف عورتوں اور بچوں کو لے کر نکل جانے کی اجازت دی جائے فرمایا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا بلکہ تمہیں غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو ہمارے سپرد کرنا ہو گا اور ہم جو مناسب سمجھیں گے فیصلہ کریں گے۔ بنائش نے پلٹ کر بنی قرینہ کو آنحضرتؐ کے جواب سے آگاہ کیا انہوں نے رسول خدا کو پیغام بھیجا

کہ ابولبابہ انصاری کو ہمارے پاس بھیجئے تاکہ ہم ان سے بات چیت کر کے کوئی آخری فیصلہ کریں۔ آنحضرتؐ نے ابولبابہ کو ان کے ہاں بھیجا۔ کہا کہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ ﷺ کے سپرد کر دیں؟ ابولبابہ نے زبان سے تو ہاں کہا کہ ساتھ ہی اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارہ کیا کہ اگر تم نے اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے سپرد کر دیا تو سب کے سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ انہوں نے ابولبابہ کا اشارہ پا کر اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔

ابولبابہ کی یہ حرکت اصول رازداری کے خلاف اور ان کے منصب کے منافی تھی چنانچہ انہیں قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعہ تنبیہ کی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَلَا تَحْنُوا أَمَانَكُمْ
دَانْتُمْ تَعْلَمُونَ۔

اے ایمان دارو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے معاملات میں خیانت نہ کرو اور نہ جانتے بوجھتے ہوئے امانتوں میں بددیانتی کا ارتکاب کرو۔ جب بنی قریظہ کو یہ احساس ہوا کہ غیر مشروط پر آنحضرتؐ کے فیصلہ پر انحصار کر لینے کا کیا نتیجہ ہو گا تو انہوں نے کہا:-

نَزَلَ عَلَىٰ حَكْمِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ تَلْدِيحُ طَرِيحٍ ۚ
ہم سعد بن معاذ کو ثالث تسلیم کرتے ہوئے ان کے فیصلہ پر انحصار کر لیں گے۔

آنحضرتؐ نے بھی سعد بن معاذ کو ثالث قرار دیئے جانے کی اجازت دے دی اس طرح کہ ان کا فیصلہ دونوں فریق کے لئے قابل تسلیم ہو گا۔ ابن ہشام نے تحریر کیا ہے کہ جب بنی قریظہ نے اپنے آپ کو سپرد کرنے

سے انکار کیا تو حضرت علیؓ نے کہا۔

واللہ لا ذوقن ما ذاق حمزہ اولاً فتحن حصنہ۔

خدا کی قسم میں یا تو شہید ہو جاؤں گا جس طرح حمزہؓ شہید ہوئے یا ان کا قلعہ فتح کر کے رہوں گا۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۵۱)

یہ کہہ کر زبیر ابن عوام کو ساتھ لیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھے۔ بنی قریظہ نے انہیں حملہ کے ارادہ سے بڑھتے دیکھا تو بوکھلا اٹھے اور پیچ پیچ کر کہنے لگے۔

یا محمداً نزل علی حکم سعد ابن معاذ

”اے محمدؐ ہم سعد ابن معاذ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کرتے ہیں۔“
سعد ابن معاذ جنگ احزاب میں تیر سے زخمی ہو کر مسجد نبویؐ کے قریب رفیدہ انصاریہ کے خیمہ میں پڑے تھے۔ جب انہیں سواری پر لایا گیا تو بنی اوس نے انہیں گھیر لیا اور ان سے کہا کہ آنحضرتؐ نے بنی قریظہ کا فیصلہ آپ پر چھوڑا اور بنی قریظہ نے بھی آپ کو حکم مانا ہے وہ ہمارے معاہدہ حلیف رہ چکے ہیں۔ لہذا ان سے نرمی و مروت کا برتاؤ کریں۔ سعد نے کہا کہ میں وہی فیصلہ کروں گا جو حق و انصاف کا تقاضا ہے اور کسی کی رو رعایت نہیں کروں گا۔ سعد کے اس جواب سے لوگ سمجھ گئے کہ فیصلہ بنی قریظہ کیخلاف ہو گا اور انہیں کسی رعایت کا مستحق قرار نہ دیا جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ عورتوں کو کنیز اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کے اموال و املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس فیصلہ پر غلدر آمد ہوا اور ان کے مرد قتل کر دیئے گئے

عورتوں اور بچوں کو اسیر کر لیا گیا۔ اور مال تقسیم کر دیا گیا۔
قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد ہے۔

وَنَزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صِيَاهِمُ
وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرِّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا
اور ننگہ دار ضرعہ و دیار ہمد را موالہم۔

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفار کی مدد کی تھی اللہ نے انہیں
قلعوں سے نیچے اتار لایا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب بٹھایا کہ تم لوگ
ایک گروہ کو قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو اسیر بنانے لگے اور تمہیں ان
لوگوں کی زمینوں گھروں اور ان کے اموال کا مالک بنایا۔

بظاہر یہ سزا بڑی سخت اور انتہائی ہولناک نظر آتی ہے مگر حالات کا اگر
جائزہ لیا جائے اور اس سزا کا پس منظر دیکھا جائے تو ایک متشدد سے متشدد
معترض کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ واقعا اس سزا کے مستحق تھے۔ آخر وہ
کون سی جائز رعایت تھی جس سے پیغمبرؐ نے انہیں محروم کیا ہو یا کون سی نیکی
تھی جو ان کے لئے روانہ رکھی ہو اور وہ غنائے جہد کے علاوہ کوئی چیز نہیں دیکھی
آپؐ نے مدینہ میں قیام فرما ہونے کے بعد ان سے خصوصی مراعات برتیں امن
اور صلح کا معاہدہ کیا اور اس کا احترام ملحوظ رکھا انہیں مذہبی آزادی دی جان
جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ اور ان کے معاشی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ
کیا اور جب بنی قریظہ نے معاہدہ شکنی کی اور ان کو مدینہ سے جلا وطن ہونا
پڑا تو ان سے معاہدہ کی تجدید کر کے ان کے سابقہ حقوق برقرار رکھے۔ لیکن
اس کے باوجود انہیں جب بھی موقع ملا غار فرب سے باز نہ آئے اور دشمن
کے دست و بازو بن کر اسلام کی بربادی پر تلے رہے۔ چنانچہ جنگ بدر میں

میں دشمنوں سے ساز باز کی اور ان کو ہتھیار بہم پہنچائے اور جنگ احزاب
 میں مسلمانوں کے خلاف یہود و مشرکین سے پھر پور تعاون کیا اور ان ناشائستہ
 حرکات پر نادم و شرمسار ہونے کے بجائے کھلم کھلا بغاوت پر اتر آئے اور
 اپنی بد فطرتی کا ثبوت دیتے ہوئے پیغمبر اکرم کو دشنام طرازیوں کا نشانہ بھی
 بنایا ان حالات میں اگر انہیں زندہ چھوڑ دیا جاتا تو یقیناً اہل مدینہ کے لئے مستقل
 خطرہ بن جاتے اور بنی نضیر کی طرح جنہوں نے قریش کو اپنے ساتھ ملا کر شکر
 کشی کی تھی یہ بھی دوسرے دشمنان اسلام سے مل کر اس کے خلاف فوج کشی کرتے
 اور جنگ و قتال سے مدینہ کے اطراف مدینہ کے امن عامہ میں خلل انداز ہوتے
 رہتے اور اس کے نتائج اتنے ہولناک ہوتے کہ ان کے مقابلہ میں چند افراد کا
 قتل کر دیا جانا چند اہمیت نہ رکھتا تھا اور پھر یہ دنیا جہان سے کوئی انوکھی سزا
 نہ تھی۔ اگر عالمی تاریخ بغاوت اور اس پر مرتب ہونے والی سزاؤں پر نظر کی جائے
 تو زمانہ قدیم سے لے کر اس متمدن دور تک جرم بغاوت پر کیا کیا سزائیں دی
 گئی ہیں اور ان میں کیا کیا کرب و ایذا کے پہلو پیدا کئے گئے ہیں تو ان عہد
 شکن اور سرکش باغیوں کی سزائے قتل پر کوئی حیرت و استعجاب نہ ہو گا۔ تاریخ
 بتاتی ہے کہ باغیوں کو ایسی ایسی سزائیں دی جاتی تھیں کہ جنہیں سن کر اب بھی
 انسان لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔ کوہوں میں پیلنا، شکنجے میں کھینچنا، آگ میں جھونکنا
 ہاتھوں اور پیروں میں مینیس لگا کر الٹا لٹکانا بستیوں کی بستیاں جلا دینا، قبروں کو
 اکھیر کر لاشوں کو روندنا باغیوں کی عام سزا تھی۔ اس کے برعکس یہاں قتل کی
 سزا تو تجویز کی جاتی ہے مگر اس میں کوئی کرب افزا پہلو پیدا نہیں کیا جاتا بلکہ
 ایک عام طریقہ سے انہیں موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے چنانچہ اس بغاوت کا
 محرک اول اور اسلام کا دشمن اعظم حبیبی ابنی اخطب جب قتل کے لئے حضرت علیؓ

کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اعتراف کرتا ہے قتلہ شریفہ بید شریفہ " یہ ایک شریفانہ قتل ہے جو ایک شریف کے ہاتھوں انجام پارا ہے " اور پھر حضرت سے یہ فرمائش کرتا ہے کہ مجھے قتل کر دیں تو میرا لباس اتار کر مجھے بے پردہ نہ کریں۔ جس پر حضرت نے فرمایا کہ دشمن کو قتل کرنے کے بعد اسے عریاں کرنا میرا شیوہ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے معمول کے مطابق اسے قتل کرنے کے بعد اس کا لباس نہیں اتارا۔

معابدِ حدیبیہ

ذیقعدہ ۱۰ ہجری

مکہ رسول خدا کا آبائی وطن اور مولد و مسکن تھا یہیں پر آپ نے زندگی کے ترین برس گزارے اور یہیں پر پہلے پہل وحی الہی کا خوش آہنگ نعمہ سنا۔ اور پھر تیرہ برس تک یہ منبر کی سرزمین وحی کی صداؤں سے گونجتی رہی اگرچہ اہل مکہ کے رویہ سے تنگ آکر آپ کو گھر بار چھوڑنا پڑا مگر اکثر مکہ کا تذکرہ اور اسے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کرتے رہے وطن کی محبت و کشش فطری ہے چاہے انسان کو وطن میں سکون و آرام میسر ہو یا شدائد و محن سے واسطہ پڑا ہو وہ اس کی یاد سے اپنے دل و دماغ کو خالی نہیں رکھ سکتا۔ اس فطری و طبعی وابستگی کے علاوہ دینی و مذہبی اعتبار سے بھی اس سرزمین سے ایک خصوصی رگاؤ تھا۔ اسی سرزمین میں خانہ کعبہ اور دوسرے مشاعر واقع تھے۔ جن سے فریضہ حج و البتہ ہے اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کی تعظیم و تقدیس ضروری ہے

یہ ترپ صرف رسول خدا ہی کے دل میں نہ تھی بلکہ صحابہ کے دلوں میں بھی مکہ کے در و دیوار کو دیکھنے کی لگن تھی۔ انہیں مکہ چھوڑے ہوئے چھ برس ہو چکے تھے اور اب اس سرزمین پر قدم رکھنے اور عمرہ و طواف کرنے کے لئے بے قرار تھے۔ ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے اپنے خواب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں یہ سن کر صحابہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے مکہ جانے اور عمرہ و طواف بجالانے کے لئے اصرار کیا۔ قریش کی طرف سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ وہ عمرہ و طواف نہ بجالانے دیں گے مگر جنگ احزاب کے نتیجہ میں ان کے سکوت سے یہ سمجھا گیا کہ ان کے جنگی دلوں نے سرد پڑ گئے ہوں گے اور اب عمرہ و طواف ایسی چیز سے جس کی ہر فرد اور ہر مذہب کو عمومی اجازت مانع نہ ہوگی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے صحابہ کے اصرار اور ان کے اشتیاق کو دیکھتے ہوئے مکہ جانے کا ارادہ کر لیا اور مدینہ کے گرد و پیش کے لوگوں کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی کچھ لوگ اس خیال سے رک گئے کہ کہیں پھر جنگ نہ چھڑ جائے اور کچھ لوگ جن کی تعداد چودہ سو یا پندرہ سو پچیس تھی آنحضرتؐ کے ہمراہ جانے کے لئے تیار ہو گئے آپ اس جمعیت کو نے کر روز دو شنبہ اول ماہ ذی قعدہ ۸ ہجری کو مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے قربانی کے ستر اونٹ ساتھ لے لئے وادی ذی الحلیفہ سے احرام باندھے اور ہتھیار اتار کر رکھ دیئے تاکہ قریش کو اطمینان ہو جائے کہ مسلمانوں کے پیش نظر جنگ و قتال نہیں ہے بلکہ صرف آداب و رسوم زیارت بجالانا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ اور صحابہ کی ہیئت اور ان کے سر و سامان سے صاف ظاہر تھا کہ وہ لڑائی کے لئے نہیں جا رہے ہیں مگر قریش نے گواہ نہ کیا کہ انہیں مکہ میں داخل

ہونے اور مراسم زیارت بجالانے دیں چنانچہ جب یہ کاررواں ولادی عسغان کے قریب پہنچا تو بسر ابن ابی سفیان کہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا قریش آپؐ کی آمد کی خبر سن کر ولادی ذی طوی میں جمع ہو چکے ہیں اور خالد ابن ولید کو ایک دستہ سپاہ کے ساتھ کراع الغیم کی جانب بھیج دیا ہے تاکہ آپؐ کو آگے بڑھنے اور مکہ میں داخل ہونے سے روکے۔

آنحضرتؐ نے وہ راستہ چھوڑ دیا اور ثینۃ المرار کی طرف سے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں جو مکہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک کنواں تھا اور اس کی نسبت سے آس پاس کی زمین اس نام سے موسوم ہو گئی تھی اتر پڑے۔ ادھر خالد ابن ولید نے مسلمانوں کی جمعیت دیکھی تو اس نے پلٹ کر قریش کو اطلاع دی کہ مسلمانوں نے راستہ تبدیل کر لیا ہے اور حدیبیہ کی طرف چل دیئے ہیں۔ قریش نے بدیل ابن ورقاء خزاعی کو بنی خزاعہ کے چند آدمیوں کے ہمراہ آنحضرتؐ سے گفت و شنید کے لئے بھیجا۔ اس نے حدیبیہ میں پہنچ کر آنحضرتؐ سے کہا کہ آپؐ مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ ترک کر دیں اور ہمیں سے واپس چلے جائیں اگر آپؐ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو قریش مزاحم ہوں گے اور کس صورت میں آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف اور مراسم زیارت بجالانے کے لئے آئے ہیں۔ قریش کو ہماری طرف سے مطمئن رہنا چاہیئے ہم نہ جنگ کے ارادہ سے آئے ہیں اور نہ جنگ لڑیں گے بدیل نے پلٹ کر آنحضرتؐ کا پیغام قریش کو پہنچایا۔ قریش نے کہا کہ یہ ماننا کہ ان کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے پھر بھی ہم انہیں حدود مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اگر وہ سینہ زوری سے داخل ہونے کی کوشش کریں گے تو ہم پوری طاقت اور قوت سے انہیں روکیں گے۔ عمروہ ابن مسعود ثقفی نے کہا کہ اس میں ہمارا کیا

جھگڑتا ہے کہ وہ آئیں، عمرہ اور طواف بجالائیں اور پھر پلٹ جائیں۔ قریش نے کہا کہ عرب اسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے اور ہم دوسروں کو اپنی کمزوری کا تاثر نہیں دینا چاہتے۔ عروہ نے کہا کہ مجھے پھر اجازت دی جائے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات چیت کر کے اس معاملہ کو سلجھاؤں۔ قریش نے اسے اجازت دی اور وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قریش آپ کا قبیلہ و خاندان ہے فرض کیجیے کہ آپ نے ان کا قلع قمع کر دیا تو یہ عرب کی پہلی مثال ہوگی کہ کسی نے اپنے قوم و قبیلہ کو تباہ و برباد کیا ہو۔ قریش یہ نہیں چاہتے کہ آپ مکہ میں داخل ہوں۔ اگر آپ نے زبردستی داخل ہونے کی کوشش کی تو اس کا لازمی نتیجہ جنگ ہے اور جب چھڑے گی تو یہی لوگ جو آپ کے گرد و پیش منڈلاتے نظر آرہے ہیں بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے اسے ایک غلیظ سی گالی دی اور کہا کہ ہم کبھی رسول خدا کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے اسے بتایا گیا کہ ابو بکرؓ ہیں۔

کہا اے ابو بکرؓ تمہارا ایک احسان مجھے یاد ہے اگر وہ احسان نہ ہوتا تو میں اس بدزبانی کا تمہیں جواب دیتا۔ عروہ کے ضبط و حلم اور احسان شناسی نے بات بڑھنے نہ دی ورنہ ممکن تھا کہ وہ مشتعل ہو کر بات اور صورتی چھوڑ دیتا اور پلٹ کر قریش کو بھڑکاتا اور انہیں لڑائی پرا بھارتا۔ آنحضرتؐ نے اس کی متوازن طبیعت کا اندازہ کر لیا اور اس کے منفقانہ جذبات کو بھنبھوڑتے ہوئے فرمایا کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہمیں عمرہ و طواف سے روکا جائے اور قربانی کے اونٹوں کو کمرہ تک لے جانے سے منع کیا جائے۔ ہم نہ جنگ کے ارادہ سے آئے ہیں اور نہ زبردستی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں۔ عروہ آنحضرتؐ کی صلح پسند

گفتگو سے بہت متاثر ہوا اور پلٹ کر قریش سے کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پر شکوہ درباروں کو دیکھا ہے مگر جو شان و شکوہ اور عقیدت و احترام کا جذبہ یہاں دیکھا ہے وہ کہیں نظر نہیں آیا ہمیں چاہیے کہ انہیں عمرہ اور طواف سے نہ روکیں اور پر امن رہتے ہوئے انہیں مکہ میں آنے کی اجازت دیں۔ مگر قریش نے اس کی ایک نہ سنی اور اپنی ضد پر اٹے رہے۔ جلسہ ابن علقمہ نے جب معاملہ رو براہ ہوتے نہ دیکھا تو کہا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں حالات کا جائزہ لے کر مناسب تجویز پیش کرو۔ قریش نے اسے اجازت دی اور وہ حدیبیہ کی جانب روانہ ہوا جب اس نے مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب قربانی کے اونٹ دیکھے جو بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے اور لبیک اللہم لبیک کی آوازیں سنیں تو وہیں سے پلٹ آیا اور قریش سے کہا کہ ان لوگوں کو طواف و زیارت کعبہ سے روکنا زیادتی ہے اور کوئی وجہ جواز نہیں ہے کہ ہم مراسم زیارت کی بجائے اوری سے مانع ہوں مگر قریش ٹس سے مس نہ ہوئے۔

جلسہ نے ان کی ضد اور ہٹ دھرمی دیکھی تو کہا۔

یا معشر قریش واللہ ما علی ہذا حالنا کما ولا علی ہذا عاقدنا کما

ان تصدوا عن بیت اللہ من جاءہ معظمالہ

اے گروہ قریش ہم تمہارے حلیف سہی مگر ہم نے اس بات پر تم سے عہد و پیمان نہیں باندھا تھا کہ جو خانہ کعبہ کے مراسم تعظیم بجالانے کے لئے آئے تم اسے روکو اور آنے سے منع کرو۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۴۲)

جب ان سفارتوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آنحضرتؐ نے خراش ابن امیہ کو اپنے اونٹ پر سوار کر کے قریش کے ہاں بھیجا تاکہ انہیں اطمینان دلائیں کہ پیغمبرؐ

کا مقصد جنگ نہیں ہے بلکہ عمرہ و زیارت کو بلے لے کر یہ نماز میں نے مکہ پہنچ کر قریش سے بات چیت کی اور ان سے کہا کہ وہ طواف و مراسم زیارت کے بجا لانے میں رکاوٹ نہ ہوں مگر قریش نے ان کی بات نہ مانی اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ علیس اور اس کے زیر اثر قبائل نے جب یہ دیکھا کہ قریش انہیں قتل کیا چاہتے ہیں تو وہ ان کے سینہ سپر ہو گئے اور انہیں تلواروں کے نزعہ سے نکال کر واپس بھیج دیا۔ البتہ قریش نے اپنی ذہنی شکست خوردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرتؐ کا اونٹ کاٹ ڈالا۔ قریش نے اسی پر بس نہ کی بلکہ پچاس سر بھروں کو آنحضرتؐ کی قیامگاہ کی طرف بھیجا تاکہ مسلمانوں کو ہراساں کر کے واپسی پر مجبور کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے پڑاؤ کے قریب پہنچ کر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان اتنے بے دست و پا نہ تھے کہ ان سے مغلوب ہو جاتے انہوں نے گھیرا ڈال کر ان سب کو گرفتار کر لیا اور پیغمبر اکرمؐ کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے امن پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے ان سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور سب کو رہا کر دیا اور حضرت عمرؓ کو بلا کر کہا کہ تم مکہ جا کر قریش کو واضح طور پر بتاؤ کہ ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے بلکہ طواف کعبہ اور مراسم زیارت بجالانے کے لئے آئے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنی مندوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

لیس بسکة من بنی عدی من یمنعی وقد علمت قریش عداوتی
بہا و غلظتی علیہا و اخافہا علی نفسی فارسل عثمان
فہوا عز بہا منی۔

مکہ میں میرے قبیلہ بنی عدی کی کوئی ایسی فرد نہیں ہے جو میری حفاظت کا ذمہ لے اور قریش سے میری عداوت اور ان کے خلاف میری

عداوت اور ان کے خلاف میری سختی و تشدد پسندی ڈھکی چھپی ہوتی نہیں
ہے مجھے تو ان سے اپنی جان کا خطرہ ہے آپ عثمان کو بھیج دیجیے وہ مجھ
سے زیادہ بااثر ہیں۔

(تاریخ کامل - ج ۲ - ص ۱۳۸)

اب پیغمبرؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور انہیں اس کام پر مامور فرمایا اور
ان کے عقب میں دس ہاجرین کا ایک اور وفد بھیجا۔ جب یہ لوگ مکہ میں پہنچے
تو حضرت عثمانؓ نے ابوسفیانؓ اور اکابر قریش کو آنحضرتؐ کی طرف سے پیام
دیا کہ وہ بلاوجہ مزاحمت نہ کریں جب کہ وہ زیارت کعبہ کے قصد سے آئے ہیں
اور قطعاً جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے مگر قریش نے ان کی بات سنی ان سنی
کر دی اور انہیں واپسی بھیجنے کے بجائے اپنے ہاں روک لیا۔ حضرت عثمانؓ
نے تو اپنے ایک عزیز ابان ابن سمید کی حمایت حاصل کر کے اپنا تحفظ حاصل
کر لیا البتہ باقی ماندہ لوگ قریش کے رحم و کرم پر رہ گئے ان لوگوں کے مکہ
میں روک لئے جانے سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمانؓ اور
دوسرے ہاجر قتل کر دیئے گئے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ نبی اکرمؐ کی طرف سے
بلسلہ سفارت بھیجے گئے تھے اور سفیروں کا قتل مسلمہ بین الاقوامی آئین کے
خلاف تھا اس لئے اس غیر آئینی قتل پر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی
اور کہنے لگے کہ ہم اس قتل کا بدلہ لئے بغیر مدینہ واپس نہیں ہوں گے۔ آنحضرتؐ
نے مسلمانوں کو جنگ پر مہر دیکھا تو اس خیال سے کہ کہیں یہ وقتی و ہنگامی
جوش و ولولہ نہ ہوا انہیں ایک بول لئے کے درخت کے نیچے جمع کیا اور ان سے

اس بیعت کے بعد یہ درخت متبرک سمجھا گیا اور مسلمان ادھر سے گزرتے

اس امر پر بیعت لی کہ وہ جنگ چھڑنے کی صورت میں میدان سے منہ نہیں موڑیں گے اور پورے ثبات قدم کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ جابر ابن عبد اللہ کہتے ہیں۔

بایعنا رسول اللہ علی ان لا نفر!

ہم سے رسول خدا نے اس بات پر بیعت لی کہ ہم فرار اختیار نہیں کریں گے۔
(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۹)

اس بیعت کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے کیونکہ خداوند عالم نے اس پر رضا و خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

لقد رضي الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة

جس وقت ایمان لانے والے تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے راضی ہوا۔

اس بیعت کی تکمیل کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ اور دوسرے ہاجرین کے قتل کئے جانے کی افواہ غلط تھی اور قبل اس کے کہ جنگ کی نوبت آئے وہ سب صحیح و سالم واپس آ گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہی تھا کہ مسلمانوں کے جذبات میں ٹھہراؤ پیدا ہو جائے اور جنگی و لوے سرد پڑ جائیں۔ اور مشرکین

رحمہم اللہ (مشرق گذشتہ) تو بڑا اس کے نیچے نماز پڑھتے اور بیعت رضوان کی یاد نازہ کرتے جب حضرت عمرؓ کو اپنے دور خلافت میں اس کا علم ہوا تو ان کو مسلمانوں کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا۔ چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص وہاں پر نماز پڑھے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا اور حکم دیا کہ اس درخت کو کاٹ دیا جائے چنانچہ وہ درخت جس سے بیعت رضوان اور فتح مبین کی یاد وابستہ تھی قطع کر دیا گیا۔

قریش بھی لڑائی کے حق میں نہ تھے وہ صرف اپنی بات کو بالا دیکھنا چاہتے تھے تاکہ قبائل عرب پر ان کی دھاک جی رہے چنانچہ اس واقعہ کے بعد انہوں نے حویطب اور سہیل ابن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لئے بھیجا۔ پیغمبر اکرمؐ بھی امن پسند اور مجبوری کے علاوہ جنگ کے روادار نہ تھے۔ انہوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا اور صلح کی بات چیت کے لئے حضرت علیؑ کو مقرر فرمایا علامہ طبری نے تحریر کیا ہے۔

ان قریشا بعثوا سہیل ابن عمرو و حویطباً فولوہم صلحہم
و بعث النبی علیہ السلام فی صلحہ

قریش نے سہیل ابن عمرو اور حویطب کو صلح کے اختیارات دے کر بھیجا اور آنحضرتؐ نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صلح کی گفتگو کے منتخب فرمایا۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۷۸)

جب دونوں فریق میں گفتگو شروع ہوئی تو قریش کے نمائندوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ فریق ثانی لڑنا نہیں چاہتا اس پر جاوید بیا شرائط عائد کرنا شروع کر دیں۔ چنانچہ بڑی رد و قدح کے بعد ان شرائط پر فریقین میں سمجھوتہ ہو گیا۔

۱۔ اس سال مسلمان عمرہ ادا کئے بغیر واپس چلے جائیں۔

۲۔ آئندہ سال عمرہ کے لئے آسکتے ہیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہیں کر سکتے۔

۳۔ اپنے ہمراہ تلوار کے علاوہ جنگی ہتھیار نہیں لا سکتے اور تلوار بھی نیام کے اندر رہے۔

۴۔ قبائل عرب میں سے ہر قبیلہ کو اختیار ہوگا کہ وہ فریقین میں سے جس سے

چاہے معاہدہ کرے اور حلیف و معاہد قبائل پر بھی ان شرائط کی پابندی لازمی ہوگی۔

۵۔ مکہ والوں میں سے اگر کو شخص مسلمانوں کے ہاں چلا جائے گا تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اسے واپس کریں اور اگر ان کا کوئی آدمی قریش کے ہاں چلا آئے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ اس معاہدہ کی میعاد دس برس ہوگی۔ اس عرصہ میں نہ کسی کو آنے جانے سے روکا جائے گا اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا ہوگا۔

یہ تمام شرطیں قریب قریب قریش ہی کے حق میں تھیں اور وہ ان شرائط کو منوائے بغیر کسی طرح صلح پر آمادہ نہ تھے۔ ان حالات میں صلح سے عہدہ برآ ہونا کوئی آسان کام نہ تھا جب کہ قریش کا بھی ایک طبقہ صلح کے حق میں نہ تھا اور مسلمانوں کی اکثریت بھی ان شرائط پر مطمئن نہ تھی۔ اب دو ہی صورتیں تھیں یا تو ان کے مطالبات کو من و عن تسلیم کر لیا جاتا یا ان سے جنگ چھیڑ دی جاتی۔ پیغمبر اکرم کی نظر جنگ کے نتائج پر بھی تھی اور صلح کے فوائد و مصالح پر بھی اگر پیغمبر ان شرائط کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کی کمزوری و بے بسی کی آئینہ دار تھیں جنگ کرتے اور یہ مان لیا جائے کہ اس جنگ کے نتیجہ میں فاتح و کامران بھی ہوتے اور قریش کو مغلوب کر کے مکہ میں داخل بھی ہو جاتے مگر قریش اور مسلمانوں میں اتنی منافرت بڑھ جاتی کہ وہ کبھی اسلام کے قریب بھی نہ پھٹکتے اور ہمیشہ اسلام دشمنی پر تلے رہتے، نیز اس اقدام سے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا جاتا کہ پیغمبر طبعاً صلح پسند نہ تھے بلکہ اپنی کمزوری و بے طاقتی کی بنا پر اب تک خاموش رہے تھے اور جب عسکری طاقت بہم پہنچائی تو دشمن کو کچلنے کے لئے پڑھائی کر دی اور اس طرح یہ جنگ سابقہ دفاعی جنگوں کے مقابلہ میں جواہرانہ

قرار پاتی اور پیغمبرؐ کی امن پسندی و صلح جوئی پر حرف رکھنے کی گنجائش نکل
آتی اس بنا پر آپؐ نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ اگرچہ شرائط کے سلسلہ میں
کچھ دبا پڑا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے دبا بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے کہ
پیغمبرؐ نے یہ شرائط کسی جنگ کی شکست کے نتیجہ میں تسلیم نہیں کیں بلکہ سابقہ
جنگوں میں اپنی طاقت کی برتری منوانے کے بعد ان شرائط پر رضامندی دی
چنانچہ بدر و احزاب میں قریش کو شکست فاش دی جا چکی تھی اور اب بھی آپؐ
کے مقابلہ میں وہی شکست خوردہ لوگ تھے جنہیں باسانی شکست دے کر
فاتحانہ صورت میں آگے بڑھا جاسکتا تھا، مگر آنحضرتؐ یہ چاہتے تھے کہ جنگی برتری
کے ساتھ اپنی صلح پسندی کا بھی تاثر دیں اور قریش کی حالت عصیت اور تنگ
نظری کو بے نقاب کر کے اپنی وسیع القبلی اور امن جوئی کا ثبوت ہتیا کریں۔

شرائط صلح کے طے ہو جانے کے بعد معاہدہ کی تحریر کا مرحلہ درپیش
تھا۔ سہیل نے اس میں قدم قدم پر الجھنیں پیدا کیں اور رکاوٹیں ڈالیں۔ چنانچہ
جب حضرت علیؓ دستاویز تحریر کرنے لگے تو پیغمبرؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا کہ سر عنوان بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو سہیل نے کہا کہ ہم نہیں جانتے
الرحمن کیا ہوتا ہے۔ اس کے بجائے باسمک اللہم لکھتے جو ہمارے ہاں
کا دستور چلا آ رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ فرمایا کہ اچھا یہی لکھ
دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ فقرہ لکھا۔ هذا ما صالح علیہ محمد
رسول اللہ سہیل ابن عمرو۔ یہ وہ معاہدہ صلح ہے جو اللہ کے رسول محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل ابن عمرو سے کیا ہے۔ سہیل نے پھر اس
پر اعتراض کیا کہ کہا کہ ہم انہیں اللہ کا رسول کب سمجھتے ہیں۔ اگر ہم انہیں اللہ
کا رسول مانتے تو مکہ میں داخلہ سے مانع نہ ہوتے۔ لہذا اس کے بجائے محمد

ابن عبد اللہ لکھا جائے۔ پیغمبرؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ قلمزد کرو اور محمد ابن عبد اللہ لکھ دو۔

حضرت علیؓ نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں لفظ رسول اللہ نہیں کاٹوں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لاؤ میں اسے خود مٹائے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے لفظ "رسول اللہ" پر خط کھینچ دیا اور حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

لتبلس بثلکھا۔

ایک دن تمہیں بھی اس قسم کی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تاریخ کامل، ج ۲ ص ۱۳۸

جب دستاویز قلمبند ہو گئی تو دونوں فریق کے گواہوں نے اس پر شہادتیں ثبت کیں اور اس کا ایک نسخہ رسول اللہ کے سپرد کیا گیا اور ایک نسخہ سہیل ابن عمرو کو دیا گیا۔

اس صلح کی گفتگو سے لے کر تحریر معاہدہ تک کے تمام مراحل پیغمبر اکرمؐ نے اپنی صوابدید سے طے کئے اور اس پوری کارروائی میں نہ صحابہ کو شریک مشورہ کیا گیا اور نہ ان کی رائے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ البتہ ایک حضرت علیؓ تھے جو شرائط صلح طے کرنے اور معاہدہ کے تحریر کرنے میں پیغمبرؐ کے شریک کار تھے۔ اکثر صحابہ صلح اور اس کے شرائط کے سرے سے مخالف تھے۔ وہ تو یہ توقع لئے ہوئے تھے کہ کفار کے علی الرغم مکہ میں داخل ہو کر عمرہ و طواف بجالائیں گے۔ مگر جب قرارداد صلح کی رو سے یہیں سے واپسی طے پا گئی تو ان میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا اور یہ بے چینی اور ہیجانی کیفیت اس حد تک بڑھی کہ ان کے دلوں میں شکوک و شبہات نے جگہ لے لی۔

چنانچہ علامہ طبری تحریر کرتے ہیں:-

قد كان اصحاب رسول الله خرجوا وهم لا يشكون في الفتن لثروها
رسول الله فلما رأوا ما رأوا من الصلح والرجوع وما تحمل عليه رسول
الله في نفسه دخل الناس من ذلك امر عظيم حتى كادوا ان يهلكوا
پیغمبرؐ کے اصحاب جب مدینہ سے نکلے تھے تو انہیں فتح میں کوئی شک
و شبہ نہ تھا اس خواب کی بنا پر جو آنحضرتؐ نے دیکھا تھا مگر جب انہوں
نے صلح اور واپسی کی صورت دیکھی اور یہ دیکھا کہ رسول اللہؐ نے ذاتی طور پر
شرائط منظور کر لئے ہیں تو ان لوگوں کے دلوں میں ایک بڑا خدشہ پیدا
ہوا اور قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۲۸۱)

حضرت عمرؓ اس صلح پر سب سے زیادہ برا فروختہ تھے۔ اور ان کی ناراضگی
اس حد تک بڑھی کہ وہ غصہ میں بیچ و تاب کھاتے ہوئے پیغمبر اکرمؐ کے پاس
آئے اور کہا کیا آپؐ پیغمبر برحق نہیں ہیں فرمایا کہ ہاں میں اللہ کا رسول ہوں۔
کہا کیا آپؐ نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم سب مسجد الحرام میں داخل ہوں گے اور خانہ
کعبہ کا طواف کریں گے فرمایا کہ ہاں میں نے ایک خواب دیکھا تھا اور اس کی
تفسیر یہ دی تھی کہ وہ وقت آیا چاہتا ہے کہ ہم مسجد الحرام میں داخل ہوں اور
خانہ کعبہ کا طواف بجالائیں۔ مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہو گا۔ جو کچھ ہوا ہے
اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور میں اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا اور اللہ
مجھے ضائع ویرباد اور دشمن کے ہاتھوں سے پامال نہ ہونے دے گا۔ پیغمبر اکرمؐ
کے اس سمجھانے سے بھی حضرت عمرؓ کی الجھن کم نہ ہوئی اور وہ غم و غصہ میں بھر
ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی باتیں کہیں جو رسول خداؐ

سے کہیں تھیں۔

انہوں نے کہا:-

یا عمر! الزم غرذہ فانی! اشہد انہ رسول اللہ۔

اے عمر! تم ان کی رکاب تھامے رہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۲۸۰)

حضرت ابو بکرؓ کو پیغمبر اکرمؐ کی رسالت کی یقین دہانی کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے انداز گفتگو سے صاف عیاں ہو رہا تھا کہ وہ اس صلح سے اس حد تک متاثر و برا فرود خستہ ہیں کہ انہیں پیغمبرؐ کی رسالت شکوک اور مشعرہ نظر آرہی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے خود بھی اپنے شک و تذبذب کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

واللہ ما شککت منذ اسلمت الایوم منذ۔

خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے اس دن کے سوا کبھی شک نہیں کیا۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۲۰)

صحابہ کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ جب آنحضرتؐ نے معاہدہ صلح کو عملی جامہ پہناتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ قربانیاں کرو اور سروں کے بال منڈواؤ تو جو کچھ دیر پہلے پیغمبرؐ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے اور اشارہ چشم و ابرو پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے تھے نا فرمانی پر اتر آئے اور بار بار کہنے کے باوجود نہ قربانی کرنے پر آمادہ ہوئے اور نہ سر منڈانے پر۔

مورخ طبری نے لکھا ہے:-

فواللہ ما قام منہم رجل حتی قال ذلک ثلاث مرات۔

خدا کی قسم آنحضرتؐ کے تین مرتبہ حکم دینے کے باوجود کوئی بھی تعمیل کے لئے کھڑا نہ ہوا۔
(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۳)

جب آنحضرتؐ نے یہ صورت حال دیکھی تو کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جناب ام سلمیٰ کے خیمہ میں خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔ جناب ام سلمہ نے پیغمبرؐ کے چہرہ پر آثار ملال دیکھے تو وجہ پوچھی۔ آپؐ نے صحابہ کی نافرمانی اور بے اعتنائی کا شکوہ کیا۔ ام سلمیٰ نے کہا کہ آپؐ کسی کو مجبور نہ کریں اور خود جا کر قربانی کریں اور سر منڈوا کر احرام اتار دیں۔ آنحضرتؐ نے باہر نکل کر قربانی کی اور سر منڈوا کر احرام اتار دیا۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ اب پیغمبرؐ کے فیصلہ میں تبدیلی نہیں آسکتی تو کچھ لوگوں نے بادل خواستہ سر منڈوائے اور اکثر لوگوں نے صرف تھوڑے تھوڑے بال ترشوائے مگر ان کا غم و غصہ کسی طرح کم نہ ہوا۔
علامہ طبری نے لکھا ہے۔

جعل بعضهم عیق بعضا حتی کا بعضہم قیتل بعضا عتھا
وہ آپس میں ایک دوسرے کے سر منڈانے لگے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ وہ رنج و غم کی وجہ سے ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۳)

جب پیغمبرؐ نے سر منڈوانے والوں کو دیکھا تو فرمایا کہ خدا ان سر منڈوانے
والوں پر رحم کرے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ:

یا رسول اللہؐ فلما ظاہرت الترجم للبحلین دون المقصرین
قال لانهن لم یشکوا

یا رسول اللہؐ آپؐ نے سر منڈوانے والوں کے لئے دعائے رحمت کی
ہے اور بال ترشوائے والوں کے لئے کچھ نہیں کہا۔ فرمایا اس لئے کہ انہوں نے

شک نہیں کیا۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۲۸۳)

معاہدہ کے پیچ و تاب کھانے کے باوجود پیغمبرؐ نے ان شرائط کی پوری پوری پابندی فرمائی۔ چنانچہ ابھی شرائط صلح پر گفتگو ہو رہی تھی کہ سہیل ابن عمرو کا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور اس جرم کی پاداش میں قید و بند کی گردیاں جیل رہا تھا جب اسے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر اکرمؐ مکہ کے قریب تشریف فرما ہیں تو وہ نگہبانوں کی نظر بچا کر بھاگ نکلا اور پابہ زنجیر پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے اپنے ہمراہ رہنے کی اجازت دیجئے جب نمائندہ قریش سہیل نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہمارا جو آدمی بھاگ کر آئے اسے واپس کیا جائے گا لہذا ابو جندل کو واپس کیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ کی تکمیل بھی نہیں ہوئی کہ تم نے اس کی پابندی کا مطالبہ شروع کر دیا ہے۔ سہیل نے کہا کہ آپ نے میرے بیٹے کو میرے حوالے نہ کیا تو ہم معاہدہ صلح ختم کر دیں گے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا تم اسے لے جاؤ۔ چنانچہ ابو جندل کو میر و تحمل کی ہدایت کرتے ہوئے ان کے حوالے کر دیا۔

جب ابو جندل اٹھ کر جانے لگا تو حضرت عمرؓ بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کا ہاتھ تلوار کے قبضہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ ایک مشرک کا خون ایک کتے کے خون سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے توقع تھی کہ وہ اپنے باپ پر حملہ کر کے اسے قتل کر دے گا مگر ابو جندل نے کہا۔

یا عمر ما انت باحری بطاعة رسول الله صلى الله عليه وسلم مني
اے عمر تم حکم رسولؐ کی بجا آوری کا مجھ سے زیادہ حق تو نہیں رکھتے۔

(تاریخ طبری ج ۲ - ص ۲۲)

کفار قریش نے اپنی اس شرط کو منوا کر عملاً یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے میدان کو سر کر لیا ہے حالانکہ یہ شرط مسلمانوں کے لئے قطعاً ضرور ساں نہ تھی اس لئے کہ اگر کوئی اسلام سے منحرف ہو کر قریش کے ہاں جاتا ہے تو وہ ارتداد کے بعد زمرہ مسلمین میں شامل کئے جانے کے لئے قابل ہی کب رہتا ہے کہ اس کے واپس لئے جانے پر اصرار کیا جاتا۔ اور اگر قریش کسی بھاگ نکلنے والے کی واپسی پر مصرحتے تو اسے واپس کر دینے میں مسلمانوں کا نقصان ہی کیا تھا جب کہ وہ مکہ میں رہ کر بھی مسلمان رہ سکتا تھا اور شرائط صلح کی رو سے اسے کوئی اسلامی اعمال و عبادات سے روکنے کا مجاز نہ تھا۔ البتہ یہ شرط قریش کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہوئی اور ان کے مال و جان کی تباہی کا باعث بن گئی۔ چنانچہ اس صلح کی تکمیل کے بعد قریش کا ایک آدمی ابو بصیر عقبہ ابن اسید مسلمان ہو کر چوری چھپے مدینہ چلا آیا قریش نے دو آدمیوں کو خط دے کر مدینہ روانہ کیا اور ابو بصیر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آنحضرتؐ نے ابو بصیر کو ہلاک کہا کہ تم ان کے ہمراہ مکہ واپس چلے جاؤ۔ ابو بصیر بادل خواستہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ جب یہ لوگ وادی ذوالحلیفہ میں پہنچے تو ابو بصیر نے ان میں سے ایک کی تلوار کی بڑی تعریف کی۔ اس نے کہا کہ ہاں واقعی میری تلوار بڑی عمدہ ہے اور یہ کہہ کر تلوار نیام سے نکال لی۔ ابو بصیر نے دیکھنے کے بہانہ سے وہ تلوار لے لی اور اسی کی تلوار سے اسے قتل کر دیا۔ جب دوسرے آدمی نے دیکھا کہ اس کا ساتھی مارا گیا ہے تو وہ ڈر کے مارے بھاگ کھڑا ہوا اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہؐ سے کہا کہ ابو بصیر نے میرے ساتھی کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور مجھے بھی اس سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ اتنے میں ابو بصیرہ بھی واپس آگیا اور

پیغمبر سے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا اور معاہدہ کی رو سے اب آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لہذا مجھے دوبارہ اس کے ہمراہ مکہ جانے کے لئے نہ کہا جائے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ یہ شخص جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے اگر اس کی حمایت کی گئی تو قریش جنگ چھیڑے بغیر نہیں رہیں گے۔ ابو بصیر سمجھ گیا کہ پیغمبر اسے واپس کئے بغیر نہیں رہیں گے اس نے موقع تاک کر ساحل سمندر کا رخ کر لیا اور وہیں پر سکونت اختیار کر لی ادھر ابو جندل کو جو مکہ میں نظر بند تھا یہ پتہ چلا کہ ابو بصیر ساحل سمندر کی طرف نکل گیا ہے تو اس نے بھی چپکے سے ادھر کا رخ کر لیا اور رفتہ رفتہ یہ جگہ مکہ سے بھاگ نکلنے والوں کے لئے پناہ گاہ بن گئی اور مزید ستر مسلمان ان سے آکر مل گئے اور اپنی طاقت کو یکجا کر کے ایک مضبوط جھنڈا بنالیا اور جب قریش کے قافلے شام جاتے ہوئے ادھر سے گزرتے تو یہ ان پر چھاپے مارتے اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیتے۔ قریش جب ان کے ہاتھوں تنگ آ گئے۔ تو انہوں نے پیغمبر اکرم کو پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو اپنے ہاں بلا لیں ہم آئندہ کسی ایسے شخص سے تعرض نہیں کریں گے جو مسلمانوں کے ہاں چلا آئے گا آنحضرت نے ابو بصیر کو کہلو ابھیجا کہ وہ مدینہ چلا آئے۔ ابو بصیر کو یہ پیغام اس وقت ملا جب اس پر نزعی کیفیت طاری تھی۔ اس نے ابو جندل سے کہا کہ تم مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو منتشر کر کے مدینہ چلا آیا اور قریش کے لئے راستہ بے خطر ہو گیا۔

اس صلح کے حکم و مصالح کو اکثر مسلمان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے نہ سمجھ سکے تھے اور صلح کے موقع پر بھی اور اس کے بعد بھی اس پر افسردہ کبیہ خاطر رہے مگر جب اس کے نتیجہ میں انہیں دینی و سیاسی اعتبار سے وہ کامیابیاں

حاصل ہوئیں جن کی وہ توقع بھی نہ کر سکتے تھے تو ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انہیں بینیر اکرمؐ کی دوراندیشی انجام بینی اور حقیقت رسی کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس صلح پر جو فوائد مرتب ہوئے ان میں سے چند واضح اور روشن فوائد یہ ہیں۔

پہلا فائدہ یہ ہوا کہ تمام قبائل عرب پر قریش کی بیجا سخن پروری، ہند اور ہٹ دھرمی واضح ہو گئی کہ انہوں نے محض اس خیال سے کہ ان کی سبکی نہ ہو مسلمانوں کو عمرہ و طواف سے روک دیا۔ حالانکہ خانہ کعبہ ایک عمومی عبادت خانہ اور مشترکہ مسجد تھا جس سے ان کے معاہدہ و حلیف قبائل بھی ان سے بدظن ہو گئے اور جن کڑی شرطوں کو منوا کر انہوں نے اپنا جھوٹا و قمار قائم کرنا چاہا تھا وہی ان کی ذلت و ناکامی کا باعث بن گئیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو مکہ میں اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنے پر مجبور تھے اور کفار کے ڈر سے اظہار اسلام نہ کر سکتے تھے ان کے دلوں سے خوف و ہراس جاتا رہا اور وہ کھلے بندوں مسلمان ہو جانا قریش باہمی صلح کی بنا پر اس سے تعرض کرتے اور نہ اسلام کے اختیار کرنے سے مانع ہوئے۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ کفار کو مسلمانوں سے میل جول کا موقع ملا۔ اور آمد و رفت کی پابندیوں کے اٹھ جانے سے قریش اور دوسرے لوگ بے کھٹکے مدینہ میں آتے اور آنحضرتؐ کے اخلاق ناصحہ اور صفات قدسیہ سے متاثر ہوتے اسلام کے تعلیمات و احکام سنتے اور ان پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے اور جب یہ دیکھتے کہ لوگ کس طرح آنحضرتؐ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرتے اور ان کے اشارہ چشم و ابرو پر چلتے ہیں تو وہ پلٹ کر اہل مکہ سے اس کا ذکر کرتے جس سے ان کے دلوں پر آنحضرتؐ کی عظمت اور اسلام کے

صداقت کا نقش ابھرتا اور جب مسلمان مکہ میں آتے تو مشرکین سے آزادانہ ملتے جلتے اور اپنے عزیزوں اور ملنے جلنے والوں سے اسلام کے خاص بیان کرتے اور اس کے آداب و اخلاق سنن و فرائض اور امر و نہواہی اور موافقت اور غیر کا تذکرہ کرتے جس سے ان کے دل اسلام کی طرف کھینچتے اور برضا و رغبت اسلام قبول کر لیتے۔ چنانچہ دو سال کے قلیل عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد دو گنی سے بھی زائد ہو گئی۔

مورخ طبری تحریر کرتے ہیں۔

دخل في تبين ذلك السنتين في الاسلام مثل ما كان في الاسلام قبل ذلك اكثر
دو سالوں کے اندر ہی مسلمانوں کی تعداد سابقہ تعداد سے دو گنیا اس سے زیادہ ہو گئی۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۴)

جو تھا فائدہ یہ ہوا کہ اس سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہو گئی۔ جو اسلام کی صداقت کو مجروح کرنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی نشر و اشاعت تلوار کے ذریعہ ہوئی اس لئے اسلام کا فروع و ارتقار تلوار کا مرہون نہ ہو بلکہ اسلام کی ترقی میں سید راہ ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ جتنی ترقی اس صلح پیزی کے نتیجہ میں ہوئی وہ برسرِ پیکار رہنے کے نتیجہ میں نہ ہو سکی وجہ یہ ہے کہ جنگ میں نفرت کے جذبات اس شدت سے بھڑک اٹھتے ہیں کہ حق، بعض و عناد کی دیز تہوں میں چھپ کر رہ جاتا ہے اور صلح و سکون کے لمحات میں جذبات میں توازن پیدا ہو جاتا ہے اور دل و دماغ حق کی پذیرائی کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں چنانچہ اس صلح نے دبی ہوئی صلاحیتوں کو ابھار کر سعید الفطرت لوگوں کو اسلام کا حلقہ بخش بنا دیا۔

پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ جب قریش کی نئی پود نے ایک طرف آنحضرتؐ کا

مصالحانہ طرز عمل اور صلح پسندانہ روش دیکھی اور دوسری طرف ابو جہل اور
ابوسفیان اور یہود و مشرکین کی اڑائی ہوئی باتوں کا جائزہ لیا تو انہیں ان
دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آیا۔ کہاں تو وہ یہ سنتے آرہے تھے کہ
پیغمبرؐ فتنہ پرور و جنگجو ہیں۔ اور کہاں یہ کہ وہ امن پسندی کا ایسا کردار اپنی
آنکھوں سے دیکھتے ہیں جو ایک جنگجو کی طبیعت سے قطعاً سازگار نہ تھا۔ اس
سے انہیں یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے متعلق جو وہ سنتے آئے ہیں وہ سراسر
غلط اور صریحی بہتان تھا۔ اگر وہ جنگجو ہوتے تو ان کے لئے جنگ سے مانع ہی
کیا تھا جب کہ ان کے ہمراہ فوج پہلے سے کہیں زیادہ تھی اور وہ قریش کو بدر
اور احزاب میں شکست بھی دے چکے تھے۔ یہ ایک ایسا تاثر تھا جس نے انہیں آپؐ
کی صلح جوئی و امن پسندی کا مسترّف بنادیا اور ان پر حقیقت بھی واضح کر دی کہ
اب تک جتنی جنگیں لڑی گئی ہیں وہ قریش ہی کے جارحانہ اقدام کے دفاع میں
لڑی گئی ہیں اور آنحضرتؐ نے ان کے مقابلہ میں مصیبت جمائیں تو حفاظت خود
اختیاری اور اپنی جماعت کے تحفظ کے لئے۔

چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ قریش صلح بناؤ پر مطمئن رہے کہ معاہدہ کی مقررہ مدت
کے اندر ان پر حملہ نہیں ہو سکتا اس لئے انہوں نے ہتھیاروں کی فراہمی
اور جنگی تیاریوں کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مگر جب انہوں نے معاہدہ کی خلاف
ورزی کرتے ہوئے بنی بکر و بنی خزاعہ کی جنگ میں حصہ لیا اور اپنے حلیف
قبیلہ بنی بکر کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کی جنگ میں حصہ لیا اور
قتل و غارت کیا تو مسلمانوں کے لئے مکہ پر چڑھائی کا جواز پیدا ہو گیا اور جب
اس عہد شکنی کے نتیجہ میں مسلمانوں کا لشکر مکہ پر منڈلانے لگا تو قریش میں تاب
مقاومت ہی نہ تھی کہ وہ مقابلہ کرنے اور مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکتے

نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بغیر کسی مزاحمت کے آگے بڑھ کر مکہ فتح کر لیا اگر معاہدہ صلح نہ ہوتا تو قریش ہمہ تن چوکنار ہتے اور جنگی ساز و سامان ہتھیار رکھتے اس صورت میں مسلمان جنگ کے بغیر مکہ کو فتح کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے چونکہ اس صلح کے زیر اثر مکہ فتح ہوا اور اسلامی اقتدار کی بنیاد پڑی اس لئے قدرت نے اسے فتح مبین اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر کیا ہے۔

اس معاہدہ صلح سے جہاں پیغمبر اکرم کی اصابت رائے امن پسندی اور عہد و پیمان کی پاسداری پر روشنی پڑتی ہے وہاں ایسے نتائج بھی اس سے اخذ کئے جاسکتے ہیں جو اسلامی نظریات و احساسات کی بلندی کا ثبوت دیتے اور بین الاقوامی معاہدات میں رہنما اصولوں کا کام دے سکتے ہیں چنانچہ اس سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

ایک یہ کہ صلح کے امکان ہوتے ہوئے جنگ چھیڑی نہیں جاسکتی خواہ ایسے شرائط پر صلح کی نوبت آئے جن سے جماعت کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہو اور بظاہر قومی وقار مجروح ہوتا ہو بشرطیکہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر زور نہ پڑتی ہو۔ چنانچہ یہاں کفار و مشرکین سے انہی کے پیش کردہ شرائط پر صلح ہو گئی اور جنگ کی نوبت نہ آنے دی گئی اب اس طرز عمل کو دہرایا گیا ہو اور امام حسنؑ کے زمانے کے حالات و مقتضیات کو دیکھتے ہوئے امیر شام سے صلح کر لی ہو تو اس پر نہ اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے اور نہ اسے فریق ثانی کے حق بجانب ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ معاہدہ کی پابندی بہر حال ضروری ہے اگرچہ معاہدہ کفار اور مشرکین سے کیوں نہ کیا گیا ہو۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے ابو جندل اور ابوبصیر کو کفار کے حوالے کر کے معاہدہ کا جو معیار قائم کیا وہ دیانت، راسخ روی اور

ایفائے عہد کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ البتہ جب قریش نے عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے حلیف بنی خزاعہ کو تلواروں کی زد پر رکھ لیا تو پیغمبر پر فرض ہو گیا کہ وہ اپنے معاہدہ قبیلہ کی نصرت و امداد کے لئے قدم اٹھائیں اگر قریش اپنے عہد پر باقی رہتے تو پیغمبر اسلام کبھی مکہ پر شکر کشی نہ کرتے مگر قریش کی بد عہدی نے مکہ پر حملہ کا جواز پیدا کر دیا۔ اسی سیرت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے امیر المومنین نے اپنے دور خلافت میں معاہدہ تحکیم کی پابندی کی اگرچہ آپ پر خوارج نے پورا پورا زور ڈالا کہ اس معاہدہ کو ختم کر دیا جائے۔ مگر آپ نے اس وقت تک اسے توڑنا گوارا نہ کیا۔ جب تک خود اہل شام کی طرف سے اس کی خلاف ورزی ظہور میں نہ آئی۔

تیسرے یہ کہ پیغمبر جہور کی رائے کا پابند نہیں ہوتا۔ چنانچہ جمہور صحابہ کی رائے آنحضرت کی رائے کے خلاف تھی مگر آپ عوام کی رائے پر عمل پیرا ہونے کے بجائے اپنے فیصلہ پر قائم رہے نہ ان کی رائے کو قابل اعتنا سمجھا اور نہ ان سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس کی جہاں وحی دردیہ علم و بصیرت ہو وہاں کسی کے مشورہ کی احتیاج ہی نہیں رہتی اور اگر کبھی مشورہ فرمایا بھی تو محض مسلمانوں کی دلجوئی اور ان کی تالیف قلب کے لئے لہذا جب اس مورد پر ان کی رائے قابل عمل قرار نہ پائی تو اس سے اہم تر موارد کے لئے ان کی رائے کیونکر سند ہو سکتی ہے۔

اس صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں امیر المومنینؑ نے جو عملی مظاہرہ کیا وہ آپ کے تدبیر، معاملہ فہمی اور عزم و یقین کا روشن ثبوت ہے آپ نے اس صلح کے مرحلہ کو اسی طرح طے کیا جس طرح جنگ کے دشوار گزار مرحلوں کو سر کرتے رہے تھے۔ حالانکہ جو لوگ جنگ آزما ہوتے ہیں وہ جنگی معاملات ہی

میں رائے دینے کے اہل ہوتے ہیں۔ انہیں نہ صلح سے دلچسپی ہوتی ہے اور نہ ان میں صلح کے معاملات سلجھانے کی اہلیت۔ اور جو لوگ اس پسند اور صلح جو ہوتے ہیں وہ حرب و ضرب کے معاملات سے بخیر سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ جو صف اہل اسلام میں سب سے بڑے جنگجو تھے انہیں اس معاہدہ صلح سے کوئی دلچسپی نہ ہونا چاہیے تھی اس لئے کہ صلح و جنگ دو متضاد چیزیں ہیں اور دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں مگر آپ جس طرح جنگ کے نشیب و فراز اور اس کے داؤ پیچ سے واقف تھے اسی طرح صلح کی پیچیدگیوں سے بھی باخبر تھے۔ اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے صلح کی گفتگو سلمہ کی تحریر اور اس سلسلہ کے تمام امور آپ سے متعلق کئے۔

شیخ مفید رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:-

كان نظام تدبير هذه الغزاة متعلقا بامير المؤمنين دكان ما جرى فيها من البيع ووصف الناس للحرب ثم الهدنة والكتاب كله لامير المؤمنين۔ غزوه حديدية كاتمام نظم وانصرام امير المؤمنينؑ سے متعلق تھا۔ وہ بیت (رضوان) ہو یا جنگ کے لئے لوگوں کی صف بندی۔ صلح کی گفتگو ہو یا صلح نامہ کی تحریر یہ تمام امور آپ نے انجام دیئے۔ (ارشاد۔ ص ۱۵۴)

آپ نے شروع ہی سے صلح کی مصلحت و حکمت کو محسوس کر لیا تھا اس لئے نہ شک و تذبذب میں پڑے اور نہ حکم رسولؐ کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے بلکہ جب دوسروں کے عقائد متزلزل ہو رہے تھے اور رسالت کے متعلق دلوں میں شکوک و شبہات گزر رہے تھے آپ نے صفحہ قرطاس سے بھی لفظ رسولؐ اللہ کو سنانا سوراہ سمجھا اور رسولؐ اللہ کے فرمانے کے باوجود اس پر خط کھینچنا گوارا نہ کیا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حضرت کے اس کے انکار پر تبصرہ

کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

ایں انتہاء علی از محولفظ رسول اللہ نہ از باب ترک امتثال
است کہ مستلزم ترک ادب است بلکہ علین امتثال و ادب و ناشی
از غایت عشق و محبت است۔ (مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۸۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لفظ رسول اللہ مٹانے کے لئے آمادہ نہ ہونا نافرمانی
اور ترک ادب میں داخل نہیں ہے بلکہ یہ علین فرمانبرداری، ادب شناسی اور محبت
اور وارفتگی کا مظاہرہ تھا۔

غزوہ خیبر

صفر ۶۲۷ ہجری

صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں پیغمبر اکرم
نے خیبر پر چڑھائی کا قصد کیا۔ خیبر عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی قلعہ
و حصار کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ علاقہ میں شرب اور خیبر نام کے
دو بھائی تھے انہوں نے جہاں جہاں رہائش اختیار کی وہ جگہیں ان کے نام
سے موسوم ہو گئیں۔ چنانچہ شرب کے نام پر شرب (مدینہ) آباد ہوا اور خیبر کے
نام پر خیبر۔ خیبر مدینہ منورہ سے ۸۰ میل کے فاصلہ پر حجاز و شام کی سرحد
پر واقع ہے اور اپنے غلستانوں اور سرسبز و شاداب کھیتوں کی وجہ سے دور
دور تک مشہور تھا۔ یہ علاقہ یہودیوں کی آبادی پر مشتمل اور ان کی جنگی قوت کا
مرکز تھا۔ انہوں نے دفاعی استحکام کے پیش نظر یہاں چھوٹے بڑے سات

قلعے تعمیر کر رکھے تھے جو ناعم، کتیبدہ، شق، نطاة، وطیح، سلام اور قوص کے ناموں میں دس ہزار یا چودہ ہزار یہودی آباد تھے جن میں یہودی بھی شامل تھے جو مدینہ سے جلا وطن ہو کر یہاں آباد ہو گئے تھے اور مشرکین کے ساتھ مل کر پیغمبر اسلام سے جنگ کی تھی اور عسکری قوت اور عددی برتری کے باوجود شکست کھائی تھی۔ جب انہیں حدیبیہ کا حال معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے قریش سے دب کر صلح کر لی تھی اور ان کے تمام شرائط بھی مان لئے ہیں تو انہوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان اب لڑنے بھڑنے سے گھبرانے لگے ہیں اور دشمن سے ٹکرانے کی ان میں ہمت نہیں رہی اس غلط فہمی اور غلط تاثر نے انہیں جرات دلائی اور مسلمانوں کی صلح پسند از روش کو کمزوری پر محمول کر کے اسلامی مرکز پر تاخت و تاراج کا منصوبہ بنایا تاکہ غزوہ احزاب کی ناکامی کی خفت مٹائیں اور جلا وطنی کی ذلت کا دھبہ دھوئیں یہودی اگرچہ تعداد کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ پھر بھی انہوں نے اپنی کثرت و قوت بڑھانے کے لئے بنی غطفان سے جو خیبر سے چھ میل کے فاصلہ پر آباد تھے معاہدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے تو انہیں خیبر کی نصف پیداوار دی جائے گی۔ بنی غطفان نے اسے منظور کیا اور ان کے چاہنے والے نبرد آزماں کے پرچم کے نیچے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

جب پیغمبر اکرمؐ کو معلوم ہوا کہ یہودی مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے پر توں رہے ہیں تو آپؐ نے تادیبی کارروائی ضروری سمجھی تاکہ فتنہ انگیز طاقتوں کو کچل کر امن کو برقرار رکھا جاسکے چنانچہ حدیبیہ سے مراجعت کے بعد بیس دن مدینہ میں قیام فرمایا اور سولہ سو صحابیوں کے ساتھ جن میں دو سو سوار اور باقی پیادہ تھے خیبر کی طرف روانہ ہو گئے جب لشکر اسلام نواح خیبر میں پہنچا

تو صبح کا وقت تھا۔ اہل خیبر بھاڑے اور زمیں لیں لئے کھیتوں پر کام کرنے جا رہے تھے کہ لشکر اسلام کو آتے دیکھا۔ لشکر کو دیکھتے ہوئے قدم رک گئے اور بدحواس ہو کر اپنے قلعوں کی طرف بھاگے۔ پیغمبر نے انہیں بھاگتے دیکھا تو صدائے تکبیر بلند کی اور فرمایا:-

خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين۔
خیبر برباد ہو گیا ہم جب کسی قوم کی سرحد پر اترتے ہیں تو جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا۔ ان پر کیا برا وقت پڑا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۹)

پیغمبر اسلام کو چونکہ معلوم ہو چکا تھا کہ بنی غطفان اہل خیبر کے حلیف اور معاہد ہیں اور وہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں گے اس لئے اہل خیبر اور بنی غطفان کی بستیوں کے درمیان مقام رجب میں پڑاؤ ڈال دیا تاکہ بنی غطفان اہل خیبر کو مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب وہ مسلمانوں کی آمد کی سن گن پا کر خیبر کے ارادہ سے نکلے تو مسلمانوں کو اپنے راستہ میں حائل دیکھ کر رک گئے اور اپنے گاؤں کی تباہی کے پیش نظر اپنے گھروں میں واپس چلے آئے۔ بنی غطفان کے پلٹ جانے کے بعد مسلمان خیبر کے محاصرہ کیلئے آگے بڑھے یہودیوں نے عورتوں اور بچوں کو قلعہ کیتبہ میں محفوظ کر دیا اور خود دوسرے قلعوں میں قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر برس آنے شروع کئے۔

مسلمانوں نے مختصر جھڑپوں کے بعد چند ایک گڑھیاں فتح کر لیں مگر جس قلعہ پر فتح کا دار و مدار تھا وہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا جو ایک ڈھلوان پہاڑی قوم کھلاتی تھی جس سے یہ قلعہ بھی قوموں کے نام سے مشہور ہو گیا اور یہی قلعہ تاریخ اور حدیث میں قلعہ خیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے سامنے ایک گہری خندق

کھدی ہوئی تھی اور اپنی مضبوطی و استحکام کی وجہ سے ناقابل تسخیر تھا۔
 غزوات میں سپہ سالاری کے فرائض عام طور پر پیغمبر اکرمؐ خود انجام دیتے
 تھے اور علمبرداری کا منصب امیر المؤمنین کے سپرد کیا جاتا تھا۔ مگر پیغمبر اکرمؐ چند
 دنوں سے درد شقیقہ میں مبتلا تھے اور حضرت علیؓ آشوب چشم کی وجہ سے
 لشکر کے ساتھ نہ آ سکے تھے اس سے کچھ لوگوں کو اپنی دھاک بٹھانے کا موقع
 مل گیا تھا اور انہوں نے خود سے علم لے کر قلعہ قوص کو فوج کرنے کی ٹھان لی چنانچہ
 حضرت عمرؓ نے علم ہاتھوں میں لیا اور ایک دستہ فوج کے ساتھ قلعہ پر حملہ آور
 ہونے کے لئے بڑھے انہوں نے ہاتھ پیر مارے مگر ان کی کوشش کامیاب نہ ہو
 سکی اور ہزیمت اٹھا کر واپس پلٹ آئے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ علم لے کر نکلے مگر ان
 کے بنائے بھی کچھ بین نہ پڑی اور ناکام واپس آ گئے پھر حضرت عمرؓ نے دوبارہ علم
 لیا مگر اس مرتبہ بھی ناکام پلٹے اور اپنی ناکامی کی خفت مٹانے کے لئے فوج
 کو اس ہزیمت کا ذمہ دار ٹھہرایا لیکن فوج نے ان کی قیادت کو وجہ شکست قرار
 دیا۔ علامہ طبری تحریر کرتے ہیں۔

بعض من نهضت معه من الناس فلقوا اهل خيبر فانكشف عسر
 واصحابه فرجوا الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يحينه اصحابه
 ويحينهم (تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۳۰۰)

حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور خیبر یوں سے
 مدبھیڑ ہوتے ہی حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور
 رسول اللہؐ کے پاس واپس چلے آئے اس موقع پر فوج والے کہتے تھے کہ عمرؓ
 نے بزدلی دکھائی اور عمرؓ کہتے کہ فوج بزدل نکلی۔
 پیغمبر اکرمؐ کے سر درد میں کچھ کمی ہوئی تو خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اس

شکست و ہزیمت سے فوج میں بددلی پھیلی ہوئی دیکھی تو فتح کی نوید دیتے ہوئے فرمایا۔

اماد اللہ لاعطین الراية غدا رجلا کرار یحب اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیه۔

خدا کی قسم میں کل اس مرد کو علم دوں گا جو پیہم حملہ کرنے والا ہو گا اور راہ فرار اختیار کرنے والا نہ ہو گا۔ وہ خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اسے دوست رکھتے ہیں اور اسی کے دونوں ہاتھوں پر اللہ فتح دے گا۔ (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵۳)

آنحضرتؐ نے سردار لشکر کے اس الزام کے باوجود کہ فوج نے کم ہمتی اور بزدلی دکھائی۔ فوج میں کوئی رد و بدل نہیں کیا بلکہ سردار لشکر کی تبدیلی کا اعلان فرمایا اس لئے کہ فوج کا ثبات سردار کے ثبات قدم پر منحصر ہوتا ہے جب اس کے قدم اکھڑ جائیں تو پھر فوج کے قدم جھانہیں کرتے اور حدیث کے الفاظ کرار غیر فرار سے بھی صاف ظاہر ہے کہ علمبردار فوج کے قدم اکھڑے تھے ورنہ ضرورت ہی کیا تھی کہ جسے اب علم دینے والے ہیں اس کے خصوصی صفات میں اس صفت عدم فرار کا بھی تذکرہ کرتے۔ بہر حال یہ اعلان نبویؐ ایک روشن آئینہ ہے جس میں تصریح بھی ہے اور تلخیص بھی۔ مدح بھی ہے اور طنز بھی۔ اس میں فاتح خیبر کے خدو خال بھی نظر آتے ہیں اور پلٹ کر آنے والوں کے چہرے ہرے بھی دکھائی دیتے ہیں۔ عبادت کی گونج میں نوید فتح بھی ہے اور الفاظ کے پردہ میں اسباب شکست پر تبصرہ بھی۔ اس میں شروع میں حرف تنبیہ اور قسم اور قسم کے بعد لاعطین کے شروع میں لام اور آخر میں فون مشدد تاکید بالائے تاکید کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہے کہ بالکل ضرور بالضرور ایسا ہو گا۔ یہ حتم و جزم اور علم و

یقین وحی ہی کے نتیجے میں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر یہ اعلان از خود ہوتا تو بغیر
اس طرح اطمینان و یقین کے ساتھ عطائے علم کو کل سے وابستہ نہ کرتے
اور نہ اس طرح یقینی کامیابی و فتحمندی کا اعلان کرتے جب کہ انہیں حکم خدا
یہ ہے کہ اگر وہ کسی امر کو کل سے وابستہ کریں تو حتمی طور پر یہ نہ کہا کریں کہ میں
کل ایسا کروں گا۔ چنانچہ ارشاد الہی ہے:-

وَلَا تَقُولُوا لشيءٍ اِنِّي فاعِلٌ ذَلِك غَدًا اِلَّا اِنْ يَشَاءَ اللّٰهُ ۔

کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہا کرو کہ میں کل ایسا کروں گا مگر یہ کہ
اللہ چاہے تو۔

مگر یہاں مشیت باری کے استثناء کے بغیر پورے حتم و وثوق سے
فرماتے ہیں کہ میں کل ضرور بالضرور ایسا کروں گا یہ انداز تکلم اس امر کا واضح
ثبوت ہے کہ عطائے علم میں قدرت کا اشارہ کار فرما تھا اور پیغمبر کی زبان صرف
منشائے الہی کی ترجمانی کر رہی تھی۔ اب نہ تردد و تذبذب کی گنجائش تھی اور نہ
ارادہ مشیت کے بعد استثنائے مشیت کا محل۔

حدیث کے الفاظ اگرچہ مختصر ہیں مگر ایک ایک لفظ منقبت و فضیلت
کا دفتر بے پایاں اور حاملِ رایت کی افضلیت و اولویت اور اس کی انفرادیت
پر شاہدِ ناطق ہے۔

یہی صفت یہ ہے کہ وہ مرد ہو گا۔ یہ قید اگر تو ضیحی ہے تو مطلب یہ ہے
کہ وہ ہمت و مردانگی کے جوہر سے آراستہ ہو گا اور تیغ و سناں کے سایہ میں مردانہ
دار لڑے گا اور اگر احترازی ہے تو یہ دوسروں کی شجاعت و مردانگی پر ایک طنز
ہو گا کہ مرد ہونا اور ہے اور مرد صورت ہونا اور ہے مرد وہ جو میدانِ جنگ میں
اترنے کے بند پیچھے ہٹنا عار سمجھے اور دشمن کے مقابلہ میں نہ اس کا دل دہلے اور

نہ قدم لرزے۔ اور مرد صورت وہ ہے جو جنگ چھڑنے سے پہلے بڑے بلند
بانگ دعوے کرے اور جب دشمن کا سامنا ہو تو جان بچا کر بھاگ نکلے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کراتر غیر فرار ہوگا۔ کراتر کے بعد غیر فرار کہنے کی
بظاہر ضرورت نہ تھی اس لئے کہ کراتر کے معنی پیہم حملہ آور کے ہیں۔ اور جو
پیہم حملہ کرنے والا ہوگا وہ میدان چھوڑ کر جا نہیں سکتا مگر یہ کہنے کی ضرورت
اس لئے محسوس فرمائی کہ علم کی آس لگانے والے خود اپنا جائزہ لے لیں کہ
ان کے قدم میدان جنگ میں ڈگمگائے تو نہیں اگر قدم اکھڑ چکے ہیں تو وہ اپنے
دلوں کو علم کی آرزو سے خالی رکھیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ خدا اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ "یہ
محبت و دوستی ہی کاکرشمہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں ہر مصیبت خوشی خوشی
جھیل لیتا ہے اور جتنا یہ جذبہ محبت زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی جوش عمل زیادہ
ہوتا ہے اگر کوئی شخص محبت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر اللہ کی
ادنیٰ خوشنودی اور اس کے دین کی سربلندی کی خاطر باطل قوتوں سے ٹکرانا اور
خطرہ میں پھاند پڑنا یا جان دے دینا اس کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں
ہوتی اور اگر دل اس جذبہ عشق و شیفتگی سے خالی ہو تو نہ قدموں میں ثبات
آتا ہے اور نہ میدان جنگ کی کڑیاں جھیلنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ یہ
نتیجہ ہے اس دوستی کا جو بندے کو خدا اور رسولؐ سے ہوتی ہے اس لئے کہ
جب اس کے اعمال اللہ کی دوستی و رضا طلبی کی خاطر ہیں تو پھر اللہ کی خوشنودی
اور دوستی سے سرفرازی بھی یقینی ہے اور پھر اس موقع کے اعتبار سے
دیکھا جائے تو شجاعت وہ صفت ہے جسے اللہ خصوصی طور پر دوست رکھتا

ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ شجاعت کو دوست رکھتا ہے
اگرچہ وہ سانپ کے مارنے ہی سے کیوں نہ ظاہر ہو۔ جب یہ معمولی مظاہرہ شجاعت
اللہ کی دوستی کا باعث ہو سکتا ہے تو وہ شجاعت جس کا اظہار دشمنانِ خدا اور
رسول کے مقابلہ میں ہوا ہے اللہ کیونکر دوست نہ رکھے گا اور قرآن بھی گواہی
دیتا ہے کہ دشمنانِ دین کے مقابلہ میں جرأت و ہمت اور ثباتِ قدم بندے
کو اللہ کا محبوب بنا دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہے۔

ان الله يحب الذين يقاتلون في سبيل الله صفاً كأنهم بنيان مرصوص۔
اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں پراندھ کر لڑتے
ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ خدا اس کے ہاتھوں پر قلعہ فتح کرے گا۔ جب
ثباتِ قدم ہو تو اللہ کی تائید بھی شامل حال ہوتی ہے اور تائیدِ الہی کے نتیجہ میں
فتح و کامرانی بھی ضروری ہے۔ یہ فتح اتنی یقینی تھی کہ حدیبیہ سے پلٹتے ہوئے
پیغمبرِ اسلام کو اس کی بشارت ان لفظوں میں دی جا چکی تھی، واثما بفتح فتحاً
قرباً۔ انہیں جلد ہی فتح دی جائے گی۔ اسی لئے پیغمبر کے الفاظ یفتح اللہ علی
یدیدہ۔ خدا اس کے ہاتھ پر فتح دے گا۔ فتح و ظفر کو بازگشت کی طرح لے
کر بلٹیں گے اور پیہم ہزیمتوں کے بعد فتح کا پرچم فضا ئے خیبر پر لہرائے گا
اللہ نے فتح کی خوشخبری دی اور پیغمبر نے علم لینے والے کے ہاتھوں پر
خیبر کشائی کی پیشینگوئی کی۔ اب جس کے ہاتھوں پر فتح ہوگی وہ تنہا اس کی
فتح نہ ہوگی بلکہ اسلام کی بھی فتح ہوگی اور پیغمبر کی بھی کیونکہ اس فتح کے نتیجہ میں
قرآنی آیت اور پیغمبر کی پیشین گوئی کی صداقت ظہور میں آئی۔

پیغمبر اکرم کے اس اعلان کے بعد ہر زبان پر اس کی گونج سنائی دینے

لگی اور اسی کے تذکرے اور چرچے ہونے لگے۔ ہر ایک کو یہ انتظار کہ دیکھتے
کل علم کس کو ملتا ہے صحابہ میں کوئی نمایاں شخصیت ایسی نہ تھی جسے یہ توقع
نہ رہی ہو کہ کل علم اسی کو ملے گا بلکہ وہ افراد بھی کم امیدوار نہ تھے جو علم لے
کر قسمت آزمائی کر چکے تھے۔
ابن اثیر نے لکھا ہے۔

رجا کل واحد منہمان یكون صاحب ذالك -
قریش میں سے ہر ایک یہ امید رکھتا تھا کہ وہی علمدار ہو گا یہ
(تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۴۹)

اگر انہوں نے الفاظ حدیث پر غور کیا ہوتا اور اپنے ماضی کو پیش نظر
رکھا ہوتا تو ایک ایک لفظ شمع امید کی بھڑکتی ہوئی لوگوں کو بجھانے کے لئے
کافی تھی۔ مگر تفوق پسند انسانوں کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ امتیاز طلبی کے
موقع پر پیچھے رہنا گوارا نہیں کیا کرتے خواہ کامیابی کی امید کتنی ہی موہوم ہی
کیوں نہ ہو۔ حضرت علیؓ کی طرف سے تو انہیں اطمینان تھا کہ وہ میدان میں
نہیں جاسکتے کیونکہ آشوب چشم کی وجہ سے وہ قدم رکھنے کی جگہ بھی نہیں دیکھ
سکتے چنانچہ وہ ایک دوسرے کو یہ کہہ کر امید دلاتے کہ علیؓ کی طرف سے مطمئن
رہو۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں وہ تو علم لے کر میدان میں جانے سے رہے
اب ہم ہی میں سے کسی ایک کو علم دیا جائے گا۔ ادھر یہ قیاس آرائیاں ہو
رہی تھیں ادھر حضرت علیؓ سے پیغمبرؐ کے اس اعلان کا ذکر کیا گیا تو اتنا کہہ کر
خاموش ہو گئے۔

اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لما منعت
بارہا جسے تو عطا کرے اسے کوئی محروم نہیں کر سکتا اور جسے تو محروم رکھنا

چاہے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔

کل کے انتظار میں صحابہ نے رات کروٹیں لے لے کر گزاری۔ صبح ہوئی تو پیغمبرؐ کے خیمہ کے سامنے جمع ہوئے اور درخیمہ پر نظر میں جما کر بیٹھ گئے۔ محمد ابن اسمعیل بخاری رقمطراز ہیں۔

فقد واعنى رسول الله كلهم يرجون ان يعطاها۔

وہ صبح ہی صبح رسول اللہ کے پاس جمع ہو گئے اور ہر ایک یہ امید لگائے ہوئے تھا کہ علم اسی کو ملے گا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۲۵)

پیغمبر اکرمؐ نماز صبح سے فارغ ہو کر ہاتھوں پر سفید پرچم لٹے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے پرچم پر نظر پڑھتے ہی لوگوں میں ہلچل مچی۔ کچھ لوگ صفوں کو چماتے ہوئے آگے بڑھے کس نے گردن بلند کی اور کوئی گھٹنوں کے بل اونچا ہوا تاکہ پیغمبرؐ کی نظر ان پر پڑ سکے۔ یوں تو ہر ایک علم لینے کے لئے بے چین اور فحش کا سہرا اپنے سر باندھنے کے لئے بے قرار تھا مگر کچھ لوگوں کو بے چینی اس حد تک بڑھی کہ تاریخ میں ان کے نام آئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ ان میں سے ایک حضرت عمرؓ ہیں جو خود کہتے ہیں:۔ فما احببت الامارة قبل يومئذ فتطاولت لها واستشرفت رجاء ان يدها اني

(طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۴۸)

مجھے اس دن سے پہلے کبھی سرداری کی خواہش نہیں ہوئی مگر اس دن میں اونچا ہو کر اور گردن لمبی کر کے امید کر رہا تھا کہ علم مجھے دیں گے۔ بریدہ اسلمی جو غزوہ خیبر میں موجود تھے اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں کے نام لٹے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:۔

فلما كان من القدر تطاول لها ابو بكر وعمر -
 جب دوسرا دن ہوا تو ابو بکرؓ اور عمرؓ دونوں نے علم کے لئے
 گردنیں بلند کیں۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۱۲۰)
 سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں۔

جنت فبرکت بحدۃ النبۃ وقت ووقفت بین ید یدہ
 میں پیغمبرؐ کے بالمقابل بیٹھی ہمارے بیٹھ گیا پھر اٹھا اور آپ کے سامنے
 کھڑا ہو گیا۔

پیغمبر اکرمؐ سے کسی کے شجاعانہ کارنامے ڈھکے چھپے ہوئے نہ تھے کہ کسی
 کے گردن بلند کرنے یا گھسنٹوں کے بل اونچا ہونے سے متاثر ہوتے یا کسی کو عمداً
 نظر انداز کر دیتے یا نظروں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے بھول جاتے۔ آپؐ
 نے مجمع پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں کسی کو یہ سان گمان بھی نہ تھا
 کہ علیؓ کا نام لیا جائے گا۔ ہر طرف سے شور اٹھا کہ ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں
 فرمایا کہ کسی کو بھیجو اور انہیں بلاؤ۔ چنانچہ سلمہ ابن اکوع گئے اور انہیں لے کر آئے
 آنحضرتؐ نے ان کا سراپنے زانو پر رکھ کر آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور فرمایا
 اللہم اذهب عنه الحر والبرد وانصرہ علی عدوہ۔
 بار اہلہ انہیں گرمی اور سردی کے اثرات سے محفوظ رکھا۔ اور دشمن

اے اس دعائے خیر (جو پیغمبرؐ نے کی) کے چند معنی ہو سکتے ایک یہ کہ
 اگر گرمی ہو تو ان پر گرمی کا اثر نہ ہو اور سردی ہو تو ان کا اثر نہ ہو اس معنی کی تائید
 حضرت علیؓ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ فماد جدت حر ولا برد امنذ یومئذ
 اس دن کے بعد نہ مجھے گرمی کا احساس ہو اور نہ سردی کا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کے مقابلہ میں ان کی نصرت و امداد فرما۔ لعاب دہن رسولؐ نے کسیر
شفا کا کام کیا اسی وقت آشوب چشم جاتا رہا اور سوزش و تکلیف ختم ہو گئی
اس پر حسان ابن ثابتؓ نے اظہار عقیدت کے طور پر اشعار پڑھے۔

فكان على ارمدا العين يستغى دواء فلما لم يحس مداويا

رد آلودہ آنکھیں تھیں علیؑ کی جنگ خیر میں

دوائے چشم مضمر تھی پیمبر کے لب تریں

شفاء رسول الله منه بتفلة فبورك مرقيا وبورك راقيا

بقیہ حاشیہ، دوسرے یہ کہ سردی و گرمی کا جتنا احساس دوسروں کو ہوتا
ہے اتنا احساس انہیں نہ ہوتا یہ کہ گرمی و سردی کا احساس کلیتہً جاتا رہا ہے۔ اس
معنی کی تائید ہارون ابن عسثرہ کی روایت سے ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے
حضرت کو قصر خونی میں دیکھا آپ ایک ہلکا کبیل اوڑھے ہوئے سردی سے ہانپ
رہے تھے میں نے عرض کیا کہ بیت المال میں آپ کا حق ہے آپ اس سے فائدہ
نہیں اٹھاتے۔ فرمایا میں یہ کبیل مدینہ سے لے کر آیا تھا اس کے ہوتے ہوئے
مجھے بیت المال سے لینے کی ضرورت ہی کیا ہے تیسرے یہ کہ آنحضرتؐ نے آشوب
چشم کے موقع پر فرمائی اور آشوب چشم عموماً شدید گرمی کے اثر سے ہوتا ہے لہذا
بعید نہیں کہ یہ مقصد ہو کہ علیؑ گرمی و سردی کے اثرات بد سے محفوظ رہیں چنانچہ
اس دعا کے بعد کبھی آپ کی آنکھیں دکھنے میں نہیں آئیں اور گرمی و سردی کا احسا
نہ ہونے میں کوئی خاص خوبی کا پہلو بھی تو نہیں ہے بلکہ خوبی تو یہ ہے کہ احساس
کے ہوتے ہوئے اس سے چنداں متاثر و متاثری نہ ہوا جائے اور اس مفہوم کو
سامنے رکھ کر پہلی اور دوسری روایت میں جمع آوری کی بھی صورت نکل سکتی ہے۔

بناب دہن اکسیر، آنکھوں میں جلا آئی
مبارک حق شفا یابی مبارک تھی مسیحائی

قال ساعطی الراية اليوم صار ما
کہا اس کو علم دوں گا جو شمشیر دو پیکر ہے
دلیر وصف شکن جان باز و شیدائے پیمبر ہے

يجب الہی والالہ یحبہ بہ یفتح اللہ الحصون الادابیا
وہ سرست ولاتے داور و محبوب داور ہے
وہی قلعہ کش و فاتح درہائے خیر ہے

فاصفی بہادون البریہ ککھا
زمانہ بھر میں اس کو ہی نبی نے یہ شرف بخشا

کہ اپنی جانشینی اور اخوت کا دیا تمنا

جب حضرت علیؓ کی آنکھیں روشن ہو گئیں تو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھ
سے ذرہ پانی تلوار کمر میں لگائی اور علم دے کر خیر فتح کرنے کا حکم دیا
حضرت علم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے ہوئے رخ موڑ کر پیغمبر اکرمؐ
سے پوچھا کہ کب تک لڑوں؟ فرمایا جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں
اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص بھی راہ حق پر آگیا تو وہ تمہارے لئے سرخ
بالوں والے اونٹوں سے بہتر ہو گا۔ حضرت دوڑتے ہوئے میدان کی طرف
آئے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ ذرا ٹھہریے ہم بھی ساتھ ہولیں مگر حضرتؓ نے
جوش شجاعت میں توقف نہ کیا اور قلعہ قنوص کے قریب پہنچ کر رکے اور علم
سنگلاخ زمین میں گاڑ دیا۔ ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سے یہ منظر دیکھا
تو متحیر ہو کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہا میں علیؓ ابن ابی طالب ہوں۔ اس

یہودی نے قلم کے اوپر سے یہ منظر دیکھا تو متحیر ہو کر کہا غلبتم یا مغشیر یہود
 اے گروہ یہود اب تمہاری شکست یقینی ہے یہ یہودیوں کو قلم قنوص
 کی مضبوطی پر بڑا ناز تھا اور پہلے پرچم برداروں کی ناکامی سے ان کے
 حوصلے بڑھ رہے ہوتے تھے۔ مگر اپنی ہی جماعت کے ایک آدمی سے یہ حوصلہ
 شکن جواب سننے تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور دلوں پر رعب چھا گیا۔ اب
 لشکر اسلام میں سے کچھ لوگ بھی حضرت کے پاس پہنچ گئے اور قلم کے
 سامنے برا جاکر کھڑے ہو گئے سردار قلم مرحب کا بھائی جو اس سے پہلے
 بھی میدان میں نکل چکا تھا ایک دستہ فوج لے کر قلم سے باہر آیا اور ایک دم
 حملہ کر کے دو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت نے بڑھ کر اس پر حملہ کیا اور
 اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مرحب نے جب دیکھا کہ اس کا بھائی مارا
 جا چکا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس نے زرہ پر زرہ پہنی
 سر پر پتھر کا ترشا ہوا خود رکھا اور دو تلواریں اور تین بھال کا تیرہ لے کر
 قلم سے باہر آیا اور رجز پڑھتے ہوئے مبارز طلب ہوا:

قد عکبت خیبر افی مرحب بشاکي السلاح بطل مجرب
 اہل خیبر جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں جو ہتھیار بند بہادر اور
 آزمودہ کار ہے۔

مرحب بڑا تو مند اور شہنور تھا اس کے لاکار نے پر کسی کو جرات
 نہ ہوئی کہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلتا۔
 دیار بکری نے لکھا ہے:

لہ یقدا احد فی الاسلام ان یقاومہ فی الحرب
 (تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵۰)

مسلمانوں میں سے کسی کے بس کی بات نہ تھی کہ جنگ میں اس کا مد مقابل ہوتا۔

جناب امیر نے اس کا یہ رجز سنا تو رجز پڑھتے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے نکلے۔

انا الذی سمعتی اخی حیدرہ ضو غام اجام ولیث قسورہ
میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے میں شیر نر
اور اسدیشہ شجاعت ہوں۔

عبل الذار عین غلیظ القصورہ کلیث غابات کرہہ المنظرہ
جس کی کلاٹیاں مضبوط اور گردن موٹی ہے جیسے جنگل کا وہ شیر جو
دیکھنے میں ڈراؤنا ہو۔

اضوبکم ضربا یبیین الفقرہ و اترك القرن بقاع جزرہ
میں تم پر ایسا وار کروں گا جو بڑبند کو توڑ دے اور حریف کو
درندوں کا لقمہ بننے کے لئے چھوڑ دے۔

اضوب بالسيف جموع الکفرہ ضرب غلام ماجد حنورہ
میں ایک باعزت اور طاقت ور جوان کی طرح کفار کی صفوں پر تلوار
چلاؤں گا۔

اکیذکم بالسيف حیل السندرة
اور تمہیں تلوار سے وسیع پیمانے پر قتل کروں گا۔
مرحب نے آگے بڑھ کر حضرت پر تلوار کا وار کرنا چاہا مگر آپ نے اسے
موقع نہ دیا اور پھر تاک کر تلوار اس کے سر پر ماری یہاں تک کہ تلوار خود کو
کاٹی اور سر کی ہڈی کو توڑتی ہوئی جبروں تک اتر آئی۔ مرحب زمین پر گرا

اور گرتے ہی دم توڑ دیا۔ مہرب کے مارے جانے سے یہودیوں میں بددلی پیدا ہو گئی اور جب مہرب کے علاوہ چند اور نامور شجاع بھی حضرت کے ہاتھ مارے گئے تو ان میں بھاگ پڑ گئی اور سب کے سب قلعہ کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے حضرت لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک یہودی نے آپ کے ہاتھ پر ضرب لگائی جس سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے اعجازی قوت و طاقت سے ایک دروازہ اٹھا کر اسے سپر بنالیا۔

یہ دروازہ اتنا وزنی تھا کہ بعد میں آٹھ آدمیوں نے مل کر اسے اٹھانا مگر ان کی کوشش ناکام رہی۔
چنانچہ البورانغ کہتے ہیں۔

فلقد رأيتني في نفر سبعة معي انا منهم فجهد على ان نقلب ذلك الباب فما نلقبه۔

میرے ہمراہ سات آدمی تھے اور میں آٹھواں تھا ہم سب نے پوری کوشش کی کہ اس دروازہ کو پلٹیں مگر ہم اسے پلٹ نہ سکے۔

(سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۱۳۵)
حضرت عمرؓ کو بھی اس پر بڑی حیرت ہوئی چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں پر بڑا بوجھ اٹھایا۔

حضرت نے فرمایا کہ:۔ ما كان الا مثل جنى القى في يدي۔
وہ مجھے اپنی سپر سے زیادہ وزنی معلوم نہیں ہوا۔

(مناقب ج ۱ ص ۱۴۴)

یہودی حضرتؓ کے اس غیر معمولی مظاہرہ قوت سے متاثر ہو کر قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ حضرت نے آگے بڑھ کر قلعہ کے آہنی در کو جھٹکا دیا اور اس

کے دونوں پٹ اکٹھا کر آپ کے ہاتھوں میں آگئے اور فتح نے جھوم کر
آپ کے دونوں قدم چوم لئے۔ یہ حیرت انگیز قوت، قوت روحانیہ ہی کا
کرشمہ ہو سکتی ہے۔

اراضی فدک

فدک خیبر کے مضافات میں ایک زرخیز و شاداب بستی تھی جہاں
پہلے پہل فدک ابن حام نے ڈیرے ڈالے اور اسی کے نام پر اس
بستی کا نام فدک قرار پایا۔ خیبر کی طرح یہاں بھی یہود آباد تھے جنہوں نے آبپاشی
کے وسائل ہیا کر کے افتادہ زمینوں کو آباد کیا اور باغوں، نخلستانوں اور
لبلباتے کھیتوں سے اسے جاذب نظر بنا دیا۔
یا قوت حموی نے لکھا ہے۔

فیہا عین فوارة وخیل كثيرة۔

اس قریہ میں ابلتے چشمہ ہائے آب اور کثیر تعداد میں نخلستان تھے۔

(معجم البلدان، ج ۱۳، ص ۱۳۸)

فتح خیبر کے بعد خیبر کے پڑوس میں بسنے والوں کے دلوں پر مسلمانوں
کی قوت و طاقت کا ایسا رعب بیٹھا کہ انہوں نے بغیر جنگ کے اطاعت
قبول کر لی۔ اس موقع پر اہل فدک نے بھی اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ اراضی
فدک کی ملکیت سے دستبردار ہو کر پیداوار کے آدھوں آدھ پر مصالحت
کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کو پیغام بھیجا کہ ہم اڑنا بھڑنا نہیں جانتے
بلکہ جن شرائط پر اہل خیبر کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی گئی ہے ہمیں
بھی انہیں شرائط پر فدک کی زمینوں پر زراعت کی اجازت دی جائے آپؐ

نے اسے منظور فرمایا اور حضرت علی کو ان کے سردار یوشع ابن نون کے پاس تفصیلات طے کرنے کے لئے بھیجا۔ دونوں فریق میں گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ فدک کے باشندے زمینوں کی ملکیت سے دستبردار ہو کر بطور کاشتکار کام کریں گے اور نصف پیداوار خود لیں گے اور نصف پیداوار رسول اللہ کو دیں گے۔ اس مصالحت کے نتیجے میں اراضی فدک رسول خدا کی ملکیت قرار پائیں کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے جو علاقے مسلمانوں کی لشکر کشی کے نتیجے میں فتح ہوتے تھے ان میں مسلمانوں کے حقوق ہوتے تھے اور جو اڑے بھڑے بغیر مفتوح ہوتے تھے وہ رسول خدا کی ملکیت قرار پاتے تھے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

وما افاء الله على رسوله منه وما اوجفتم عليه من خيل ولا
 دكا ب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء والله على كل شئ قدير۔
 جو کچھ خدا نے پیغمبر کو دیا ان لوگوں سے دلوایا تم نے اس پر
 اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے تھے لیکن خدا اپنے پیغمبروں کو
 جس پر چاہتا ہے تسلط عطا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
 جو علاقے مسلمانوں کی چڑھائی کے نتیجے میں مفتوح ہوتے ہیں انہیں
 غنیمت کہا جاتا ہے اور جو جنگ و قتال کے بغیر حاصل ہوتے ہیں انہیں کو
 شرعی اصطلاح میں فے اور انفال سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ فدک بھی مال فے
 تھا جو مسلمانوں کی جہاد نہ سرگرمیوں کے بغیر مفتوح ہوا تھا۔ اس لئے یہ
 خالص رسول اللہ کی ملکیت تھا جس میں مسلمانوں کا کوئی حق نہ تھا۔
 علامہ طبریؒ نے تحریر کیا ہے۔

كانت فذلك خالصه لرسول الله صلى الله عليه وسلم لانهم لم
يجلسوا عليها بخيل ولا ركاب۔

فذلك خالص رسول الله صلى الله عليه وسلم کی ملکیت تھا کیونکہ
اس پر نہ مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔
(فتوح البلدان۔ ص ۱۳۶)

بلازری نے تحریر کیا ہے،

كانت فذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم لانه لم يوجف
المسلمون عليها بخيل ولا ركاب

فذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم کی ملکیت خاصہ تھا۔ کیونکہ اس
پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔
(فتوح البلدان۔ ص ۱۳۶)

یا قوت حموی نے لکھا ہے۔

اقام الله على رسول الله صلى الله عليه وسلم في سنة سبعة صدحا۔
یہ گاؤں خداوند عالم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سات
ہجری میں صلح کے نتیجہ میں دلوایا۔

(معجم البلدان ج ۱۲ ص ۱۲۳۸)

قرآن مجید کے واضح ارشاد اور علماء ملت کی تصریحات کے بعد اس
میں قطعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ فک رسول اللہ کی ملکیت
خاصہ تھا جس میں انہیں ہر طرح کا حق تصرف حاصل تھا چنانچہ اسی حق تصرف
کی بنا پر آپ نے یہ گاؤں حضرت فاطمہ زہراء کو اپنی زندگی میں ایک دستاویز
کے ذریعہ ہبہ فرمایا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تحریر کیا ہے:-

اخرج ابن مردويه عن ابن عباس قال لما نزلت وانت ذا القربى
حقه اعطى رسول الله فاطمة فداها.

ابن مردويه نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب آیت ”اے
رسول! اپنے قریب داروں کو ان کا حق دے دو۔“ نازل ہوئی تو آنحضرت
نے فدک فاطمہؓ کو عطا کر دیا۔

(تفسیر درمنثور - ج ۲ ص ۱۷۷)

قاضی شہار اللہ پانی پتی تحریر کرتے ہیں:-

اخرج الطبرانی وغيره عن ابي سعيد الخدري قال لما نزلت وانت
ذا القربى حقه عارسل الله صلى الله عليه وسلم فاطمة فاعطاها فداك -
طبرانی وغیرہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب آیت
”اے رسول! اپنے قریب داروں کو ان کا حق دے دو۔“ تو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہؓ کو طلب کیا اور فدک انہیں دیدیا۔

(تفسیر مظہری - ج ۵ ص ۴۳۲)

آنحضرتؐ کی زندگی تک فدک جناب سیدہؓ کے قبضہ و تصرف میں رہا
چنانچہ امیر المومنینؑ نے اپنے مکتوب میں اس قبضہ و تصرف کا تذکرہ ان الفاظ
میں کیا ہے:-

كانت في ايدينا فداك من كل ما اظلمته السماء فشعت عليها نفوس قوم
وسخت عنها نفوس قوم آخر ونعم الحكم لله.

اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں
میں تھا اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے

اس کے جانے کی پروا نہ کی۔ اور بہترین فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

(نیج البلاطۃ)

لیکن وفات پیغمبرؐ کے بعد چند "ملکی مصالح" کے تحت اسے حکومت کی تحویل میں لے لیا گیا۔ جناب سیدہ نے حکومت کے خلاف مراغمہ کیا مگر ان کا دعویٰ بہ مسترد کر دیا گیا اور فدک کے تمام حقوق حکومت کے پائے نام ہو گئے یہ امر تو "مسئلہ فدک" کے ذیل میں تحریر ہو گا کہ کون حق بجانب نہ تھا۔ اور کن وجوہ کی بنا پر یہ دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ مگر یہ کہاں کا انصاف تھا کہ جس امر کے خلاف مراغمہ تھا تصفیہ کا اختیار وہ خود سنبھال لے اور مدعا علیہ ہی مسند قضا پر بیٹھ کر مقدمہ فیصلہ کر دے۔

فیث الخصاص وانت الخصم والحکم

اس عدل گستری و انصاف کیشی کے نتیجہ میں وہی فیصلہ ہونا تھا جو ہوا اور جناب سیدہؓ نے یہ کہے کے اعتبار سے فدک کی مالک تسلیم کی گئیں اور نہ وراثت کے لحاظ سے۔ اس احساس محرومی نے انہیں اس حد تک متاثر کیا کہ نمائندہ حکومت سے مقاطعہ و ترک کلام کیا اور زندگی کے آخری لمحوں تک اس کے خلاف احتجاج جاری رکھا۔

فتح مکہ

رمضان شہ ہجری

حدیبیہ میں قریش اور اہل اسلام کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا کہ دونوں فریق دس برس تک جنگ و قتال سے کنارہ کش رہیں گے اور دونوں

کے حلیف بھی اس معاہدہ کی پابندی کریں گے اور اگر کسی ایک فریق یا اس کے حلیف نے خلاف ورزی کی تو دوسرا فریق معاہدہ صلح کا پابند نہ رہے گا۔ مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ اور قریش کے حلیف بنو بکر میں پہلے سے جھگڑ چلی آرہی تھی اور دونوں آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے مگر قریش اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں کی وجہ سے ان کی آپس کی لڑائیاں کچھ عرصہ سے ملتوی تھیں اور دونوں اپنے اندرونی اختلافات کو نظر انداز کر کے اسلام کے مقابلہ میں متحد ہو چکے تھے جب قریش اور اہل اسلام میں ایک طویل عرصہ کے لئے معاہدہ صلح ہو گیا تو قریش کے حلیف بنو بکر نے ایک رات بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان کا ایک آدمی مار ڈالا۔ دہی ہوئی رنجشیں پھر سے ابھر آئیں۔ اور دونوں میں پھر سے جنگ کے شعلے بجھنے لگے۔ اگرچہ بنو خزاعہ بنو بکر سے ٹپٹنے کے لئے کافی تھے مگر قریش نے بنو بکر کو ہتھیار بہم پہنچائے اور عکرمہ ابن ابی جہل، صفوان ابن امیہ اور سہیل ابن عمرو جس نے قریش کی نمائندگی کرتے ہوئے صلح نامہ پر دستخط کئے تھے بنو بکر کے ساتھ ہو کر جنگ کرتے رہے بنو خزاعہ نے اپنی جانوں کے بچاؤ کے لئے خانہ کعبہ میں پناہ لی۔ مگر سرزمین حرم بھی ان کے خون سے رنگین کر دی گئی۔ جب بنو خزاعہ سے کچھ نہ بن پڑا تو ان میں کے چالیس آدمی عمرو ابن سالم کی سربراہی میں مدینہ آئے اور پیغمبر اکرم کو قریش کی بد عہدی و پیمان شکنی کی اطلاع دی اور اپنی تباہی و بربادی کا حال سنایا۔ آنحضرتؐ نے بنو خزاعہ کی فریاد و زاری پر نصرت کا وعدہ فرمایا اور قریش کو پیغام بھجوایا کہ وہ بنو خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں یا بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں اور اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات قبول نہ کریں تو پھر معاہدہ صلح ختم سمجھیں۔ قریش نے دونوں

باتوں کے ماننے سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ ہم نہ خون بہا
اداکریں گے اور نہ بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہوں گے۔ قریش کی
اس شوریدہ سری کے نتیجے میں آنحضرتؐ نے اعلان فرمادیا کہ اب ہم سے اور
قریش سے کوئی معاہدہ نہیں رہا۔

پیغمبرؐ کے اس اعلان سے قریش میں کھلبلی مچ گئی اور عہد شکنی کے ہولناک
نتائج ان کی نظروں کے سامنے آ گئے انہوں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مسلمانوں
کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہے معاہدہ صلح کو برقرار رکھنا چاہا چنانچہ انہوں
نے ابوسفیانؓ کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ حکمت عملی سے کام لے کر معاہدہ صلح کی
تجدید کرائے۔ جب ابوسفیانؓ مدینہ میں آیا تو سیدھا اپنی بیٹی ام حبیبہ
کے پاس گیا جو پیغمبر اکرمؐ کے حرم میں داخل تھیں۔ ام حبیبہ نے اپنے
باپ کو آتے دیکھا تو رسول خداؐ کا بستر تہہ کر دیا۔ ابوسفیانؓ نے کہا کہ تم
نے ایسا کیوں کیا۔ کیا میں اس بستر کے قابل نہیں یا یہ بستر میرے لائق
نہیں؟ ام حبیبہ نے کہا یہ رسول خداؐ کا بستر ہے اور مجھے یہ گوارا نہیں
ہے کہ تم اس بستر پر بیٹھو جب کہ تم مشرک و ناپاک ہو۔ ابوسفیانؓ منہ
بسور کر واپس ہوا اور رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر معاہدہ صلح
کی تجدید کی خواہش کی۔ مگر آنحضرتؐ نے اس کی کسی بات کا جواب
نہ دیا اور سنی ان سنی کر دی۔ وہ کچھ دیر ٹھہرا اور پھر اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ
کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رسول خداؐ سے ہماری سفارش کیجیے۔ حضرت
ابو بکرؓ نے اپنی معذوری کا اظہار فرمایا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور
ان سے بھی کہا سنا مگر انہوں نے بھی اسے کوئی امید افزا جواب نہ دیا
جب ہر طرف سے مایوس ہو گیا تو حضرت علیؓ کے پاس آیا اور ان سے

کہا کہ آپ پیغمبرؐ سے ہماری سفارش کر دیجیے کہ وہ معاہدہ صلح کو برقرار رکھیں۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ پیغمبر اکرمؐ جو ارادہ فرما چکے ہیں اس میں کسی کو دخل انداز ہونے کا حق نہیں ہے لہذا ہم ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے ابو سفیان نے جناب فاطمہؑ سے جو وہاں تشریف فرما تھیں کہا کہ اے دختر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر آپ اپنے بیٹے حسن کو حکم دیں کہ وہ اتنا کہہ دیں کہ میں نے دونوں فریق میں بیچ بچاؤ کر دیا تو وہ رہتی دنیا تک سرد اور عرب کہلائیں گے۔

جناب سیدہ نے فرمایا کہ حسن ابھی بچہ ہے اور ایک بچے کو ان باتوں سے کیا سروکار۔

ابو سفیان کو جب کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو حضرت علیؑ سے کہا کہ اگر آپ کچھ نہیں کر سکتے تو مجھے مشورہ ہی دیجیے کہ مجھے اس نازک صورتحال میں کیا کرنا چاہیے حضرت نے فرمایا کہ تم خود ہی تجدید صلح کا اعلان کرو اور پھر مکہ چلے جاؤ۔ کہا کہ اس اعلان سے ہمیں کچھ فائدہ بھی پہنچے گا۔ فرمایا کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ تدبیر کارگر ہوگی یا بے نتیجہ ثابت ہوگی کہا کہ اچھا میں اعلان کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر کہا کہ میں دونوں فریق میں معاہدہ صلح کی تجدید کرتا ہوں اور یہ کہہ کر مکہ روانہ ہو گیا۔

جب مکہ میں پہنچا تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا کارنامہ انجام دے کر گئے ہو۔ کہا کہ میں محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گیا مگر انہوں نے میری کسی بات کا جواب تک نہ دیا۔ پھر ابن قحطانؓ کے پاس گیا ان سے بھی کوئی کام نہ نکلا پھر ابن خطابؓ کے پاس گیا۔ وہ بھی دشمن ثابت ہوئے پھر علیؑ

کے پاس گیا تو ان کا رویہ نرم رہا اور ان کے مشورہ پر میں نے بیچ
بیچاؤ کا اعلان کر دیا۔ قریش نے کہا کیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
بھی اسے تسلیم کر لیا ہے؟ کہا کہ انہوں نے تو تسلیم نہیں کیا کہا کہ تم ہوش
حواس رکھتے ہوئے اتنا نہ سمجھ سکے کہ تمہارے ایک طرف اعلان صلح سے
کیا ہوتا ہے جب تک دوسرا فریق بھی اسے تسلیم نہ کرے۔ علی نے
تم سے اچھا مذاق کیا ہے جس کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

پیغمبر اکرمؐ قریش اور بنو بکر کی خونریزی و بد عہدی سے بہت
متاثر تھے اور معاہدہ کی رو سے پابند تھے کہ بنو خزاعہ کی نصرت کریں چنانچہ
آپ نے اہل مدینہ کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور بیرون مدینہ کے لوگوں کو
بھی پیغام بھیجا کہ وہ جنگی ہتھیاروں کے ساتھ مدینہ پہنچیں پیغمبرؐ کی آواز
پر لوگ جوق در جوق مدینہ میں جمع ہونے لگے اور ہتھیاروں کی دیکھ بھال
اور کوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔ مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ کدھر جانے ہے اور
کس سمت بڑھنا ہے آنحضرتؐ نے اس کا پورا اہتمام کیا تھا کہ اہل مکہ کو خبر
نہ ہونے پائے اور ایک دم ان کے سروں پر پہنچ جائیں صحابہ میں سے
جنہیں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مکہ پر چڑھائی کا ارادہ ہے انہیں یہ تاکید
فرمادی تھی کہ وہ اسے مخفی رکھیں اور کسی سے اس کا تذکرہ نہ کریں تاکہ
اہل مکہ کے کانوں تک اس کی بھنک نہ پڑنے پائے۔ مگر حاطب ابن ابی
بلتعہ نے کی جس کے اہل و عیال مکہ میں تھے اس راز کو فاش کرنے کی
سعی مذموم کی۔ اور ایک خط لکھ کر عمرو ابن عبد المطلب کی کینز سارہ کو
دیا کہ وہ اسے مکہ پہنچا دے۔ اور اس میں تحریر کیا کہ رسول اللہؐ مکہ پر
حملہ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع ہو

گئی۔ آپ نے فوراً حضرت علیؑ اور زبیر ابن عوام کو اس کینز کے تعاقب میں بھیجا کہ وہ اسے جہاں پائیں گرفتار کر کے لائیں ابھی وہ وادی حلیفہ تک پہنچی تھی کہ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ حضرت علیؑ نے اس خط کے بارے میں دریافت کیا مگر اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس کوئی تحریر نہیں ہے۔ زبیر نے اس کے سامان کی تلاشی لی مگر اس میں سے کچھ نہ نکلا۔ حضرت علیؑ نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاس خط نہ ہو جب کہ رسول اللہؐ میں خبر دے چکے ہیں اور ان سے غلط بیانی کا امکان ہی نہیں ہے یہ کہہ کر اس سے سختی کے ساتھ خط کا مطالبہ کیا اور کہا کہ اگر تم نے ذرا بھی حیل و حجت سے کام لیا تو تمہاری جامہ تلاشی لی جائے گی اس دھمکی کا یہ اثر ہوا کہ اس نے سر کے بالوں میں سے خط نکال کر پیش کر دیا۔ حضرت علیؑ وہ خط لے کر پیغمبرؐ کی خدمت میں آئے اور تمام سرگزشت بیان کر دی۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے تاکید کہہ دیا تھا کہ اس اقدام کو مخفی رکھا جائے مگر تم میں سے ایک شخص نے راز کو فاش کرنے کی سعی ناکام کی ہے اور قریش کو خط لکھ کر ہمارے ارادہ سے آگاہ کرنا چاہا ہے وہ خط پکڑا جا چکا ہے لہذا جس نے یہ نامناسب حرکت کی ہے وہ خود ہی بتادے ورنہ وہ رسوا ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ حاطب نے یہ سنا تو لرزاں و ترساں کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہؐ یہ غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ میں نے قریش کی دوستی اور اسلام کی دشمنی میں ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے یہ سوچا تھا کہ اس طرح قریش کو ممنون احسان کر کے اپنے ہاں بچوں کا تحفظ کروں جو ابھی تک قریش کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہے ہیں اس پر حضرت عمرؓ نے بگڑ کر کہا۔

یا رسول اللہ! دعنی فلا ضرب عنقه فان الرجل قد ناق۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۲۸)

یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں یہ شخص منافق ہے۔

مگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درگزر سے کام لیا اور اسے معاف فرمایا۔

قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق ارشاد باری ہے۔

تسرون الیوم بالمودة وانا اعلم بما اخفیتہ وما اعلنتہ

ومن یفعلہ فقد مثل سواء السبیل۔

تم ہو کہ کفار کے پاس چوری چھپے دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر یا کھلم کھلا کرتے ہو میں اس سے بخوبی واقف ہوں اور تم میں سے جو بھی ایسا کرتا ہے وہ سیدھی راہ سے جھٹک گیا ہے۔

۱۰ ماہ رمضان ۳۰ھ کو رسول خدا اس ہزار مسلح مسلمانوں کے ساتھ

نکل کھڑے ہوئے۔ چار سو صحابہ گھوڑوں پر سوار تھے اور باقی پیادہ چل رہے تھے جب لشکر اسلام کدیہ میں پہنچا تو پیغمبر نے صحابہ کو روزہ افطار کر لینے کا حکم دیا اور خود بھی روزہ ختم کر دیا۔ کچھ لوگوں نے اس میں پس و پیش کیا۔

پیغمبر کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ لوگ عاصی و گنہگار ہیں۔ اس پر سب نے روزہ افطار کر لیا۔ جب منزل بمنزل بڑھتے ہوئے نینۃ العقاب تک پہنچے تو عمر رسول

عباس ابن عبد المطلب اپنے اہل و عیال کے ساتھ پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عباس نے اپنے متعلقین کو مدینہ بھجوا دیا اور خود پیغمبر کے ساتھ ہو گئے مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر آنحضرت نے پڑاؤ ڈالا تو عباس رسول خدا

کے خچر پر سوار ہو کر باہر نکلے اس خیال سے کہ اگر کوئی آدمی مل جائے تو اس کے ہاتھ قریش کو یہ پیغام بھجوائیں کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر امان کی درخواست کریں اور اسلام لاکر اپنی جانوں کا تحفظ کر لیں قریش کو ابوسفیان کے ناکام واپس آنے کے بعد اس خطرہ کا احساس تو تھا ہی کہ مسلمان انہیں عہد شکنی کی سزا دینے کے لئے لا محالہ کوئی قدم اٹھائیں گے اس لئے وہ راتوں کو مکہ کے گرد چکر لگاتے اور حالات کا جائزہ لیتے اسی مقصد سے ابوسفیان، حکیم ابن حزام اور بدیل ابن ورقارہ مکہ کے اطراف میں گشت کر رہے تھے کہ مر الظهران کی جانب سے آگ کی روشنی اور لوگوں کی نقل و حرکت دیکھ کر حیرت میں کھو گئے ابوسفیان نے کہا کہ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں؟ بدیل ابن ورقارہ نے کہا کہ بنو خزاعہ کا شکر ہو گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ بنو خزاعہ میں اتنا دم خم کہاں کہ وہ اپنے پرچم کے نیچے اتنا عظیم شکر جمع کر سکیں ابھی یہ لوگ قیاس آرائیاں کر رہے تھے کہ عباس ابن عبدالمطلب سے ملاقات ہو گئی۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ فوج و سپاہ کیسی ہے؟ کہا کہ یہ فوج بیکراں، بغیرم کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے؟ آنحضرتؐ دس ہزار مسلح مسلمانوں کے ساتھ مکہ کی جانب بڑھ رہے اور پو پھٹتے ہی مکہ پر حملہ کر دیں گے اور قریش میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ یہ سن کر ابوسفیان کانپ اٹھا اور کہا کہ پھر ہمارے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی۔

عباس نے کہا کہ تم میرے پیچھے میری سواری پر بیٹھ جاؤ میں آنحضرتؐ سے کہہ سن کر تمہیں امان دلوادوں گا۔ جب ابوسفیان کو ساتھ لئے ہوئے عباس شکر اسلام کی طرف سے گذرے تو حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ وہ دوڑتے ہوئے رسول خداؐ کے پاس گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ دشمن خدا آ رہا

ہے۔ مجھے حکم دیجیئے کہ میں اس کی گردن مار دوں عباس نے حضرت عمر کو قتل ابوسفیان پر زور دیتے ہوئے دیکھا تو کہا:-

مهلایا عمر قوالله ما تصنع بهذا الا انه رجل من بنی عبد مناف ولو كان من عدی ابن کعب ما قلت هذا۔

ٹھہرو اسے عمر! خدا کی قسم تم یہ اس لئے کہہ رہے ہو کہ وہ اولاد عبد مناف میں سے ہے اگر وہ تمہارے قبیلہ بنی عدی میں سے ہوتا تو تم کبھی ایسی بات نہ کہتے۔

(تاریخ طبری، ج ۲، ص ۱۳۱)

آنحضرتؐ نے عباس سے فرمایا اسے آج کی رات اپنے خیمے میں ٹھہراؤ اور کل صبح میرے پاس لاؤ۔ جب دوسرے دن اسے رسول اللہ کے سامنے پیش کیا گیا تو فرمایا اسے ابوسفیان تمہیں اب بھی معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے کہا کہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اگر اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود ہوتا تو اس آڑے وقت میں میرے کام آتا فرمایا تم نے اب بھی نہیں پہچاننا کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ کہا کہ اس بارے میں میرا ذہن صاف نہیں ہے عباس نے کہا کہ اے ابوسفیان اگر اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو اسلام قبول کرو ورنہ کسی کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ جب اسے مسلمان ہوئے بغیر جان بچتی نظر نہ آئی تو بادلِ خواستہ کلمہ پڑھا اور مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گیا عباس نے سفارش کی کہ یا رسول اللہ ابوسفیان جاہِ پسند ہے اسے کوئی امتیازی حیثیت دے کر اس کی دلجوئی کی جائے۔ فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اس کے لئے امان ہے اور جو مسجد حرام میں پناہ لے اسے بھی امان ہے علامہ دمیری نے حیاۃ النبیؐ میں تحریر کیا ہے کہ ایک عالم رابن علی صلب

دی جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ بھی محفوظ رہے گا۔ پھر فرمایا اے عباس اسے کسی ایسی جگہ پر لے جا کر کھڑا کر دو جہاں سے یہ لشکر اسلام کے پھیلاؤ کو ابھی طرح دیکھ سکے عباس اسے ایسی جگہ پر لے گئے۔ اس نے جب ابنہ و ابنہ فوجوں اور ان کے چمکتے ہوئے ہتھیاروں کو دیکھا تو لرز اٹھا اور عباس سے کہا: لقد اوتی ابن اخیک ملکاً عظیماً۔

(پچھلے صفحے حاشیہ ۱ مشارف الفاعل) نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ جب آپ لوگوں نے مکہ فتح کیا تو ابوسفیان کے گھر کو پناہ گاہ قرار دیا اور جب ابوسفیان کی اولاد برسر اقتدار آئی تو اس نے فرزند رسول کو ان کے عزیز و اقارب سمیت بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالا اور کسی ایک کو بھی پناہ نہ دی حضرت علی نے فرمایا کہ ابن الصیفی (جیسے میں متوفی ۱۲۵ھ) کے اشعار تمہارے گوش گزار نہیں ہوتے۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ تم اس کے ہاں جاؤ اور اس کا جواب سن لو۔ میں صبح کو بیدار ہوا تو سیدھا ابن الصیفی کے ہاں گیا اور اس سے اپنا خواب بیان کیا اور ان کے اشعار سنانے کی فرمائش کی جن کی طرف حضرت علیؑ نے خواب میں اشارہ کیا تھا۔ ابن الصیفی نے قسم کھا کر کہا کہ وہ اشعار میں نے آج ہی کی رات کہے ہیں اور ابھی کسی کو سنانے کی نوبت نہیں آئی۔ لو اب تم سنو:-

ملکنا فکان العفو منا سجویۃ فلما ملکتم سال بالدم ابطلح
ہم برسر اقتدار آئے تو ہمارا شیوہ عفو و درگزر تھا اور تم برسر اقتدار آئے تو
خون سے دادیاں چھلک اٹھیں۔

وخللتم قتل الاساری و طالما عدونا علی الاسری فغفوا و نصقم
تم نے اسیروں کے قتل کو حلال جانا اور ہم نے اسیروں پر قابو پایا تو عفو و درگزر

تمہارا بھتیجا تو ایک عظیم سلطنت کا مالک ہو گیا ہے۔

عباس نے کہا: اناہ لیس بملک انما ہی النبوة۔

یہ سلطنت نہیں ہے بلکہ نبوت کا شکوہ ہے۔

ابوسفیان نے کہا کہ مجھے اس کا خیال نہیں رہا ایسا ہی ہوگا۔

ابوسفیان شکر اسلام کی جھلک دیکھ کر مکہ آیا اور قریش سے کہا کہ محمد ایک

شکر جرار کے ساتھ پہنچ گئے۔

لوگوں نے کہا کہ تم وہاں گئے تھے انہوں نے کچھ کہا بھی ہے؟

کہا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جاتے

گا اسے امان دی جائے گی۔

لوگوں نے کہا کہ تمہارے گھر میں آدمی ہی کتنے آ سکتے ہیں؟

کہا کہ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ

رہے گا یا مسجد حرام میں پناہ لے گا۔ اس کے لئے بھی امان ہے۔

پھر قریش سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے گردہ قریش تم ان کا مقابلہ تو کر نہیں

سکتے بہتر ہے کہ اسلام قبول کر کے اپنی جانیں بچالو۔

اس کی بیوی ہند بنت عتبہ نے سنا تو آگے بڑھ کر اس کی داڑھی پکڑ لی

اور کہا: اقتلوا هذا الشيخ الاحمق۔

اے لوگو اس بوڑھے احمق کو قتل کر ڈالو۔

پچھلے صفحے حاشیہ: سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔

حسبکم هذا التفاوت بیننا فکل انا بالذی فیہ ینضح

اس سے ہمارا اور تمہارا تفرقہ ظاہر ہے اور ہر طرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اگلے اندر ہوتا ہے

ابوسفیان نے کہا کہ یاد رکھو کہ تم نے اسلام کے قبول کرنے میں بھی
درا بھی پس و پیش کیا تو تمہاری گردن بھی اڑادی جائے گی۔

قریش ابھی حیرت میں کھوئے ہوئے سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں اور
کیا نہ کریں کہ اسلام کے پرچم لہرانے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ کی فضا پر
چھاگئے۔ سعد بن عبادہ رايت اسلام اٹھانے حدود مکہ میں داخل ہوتے تو
ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

اليوم يوم الساحة اليوم تستحل الحرم

آج گھمسان کی لڑائی کا دن ہے آج ہنک حرمت کا دن ہے

سعد کے یہ الفاظ غمازی کر رہے تھے کہ وہ آج قریش کے مظالم کا
بدلہ چکاتیں گے اور کشت و خون کے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے۔ عباس نے
آنحضرتؐ سے کہا کہ سعید کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ خونریزی پر آمادہ ہیں۔
پیغمبرؐ کا کوئی ارادہ جنگ کا نہ تھا اور نہ جنگ کی ضرورت ہی تھی۔ آپؐ نے مناسب
سمجھا کہ سعد سے علم لے لیا جائے۔ چنانچہ علیؑ کو بلایا اور ان سے کہا:-

ادركه فخذ الراية وكن انت الذي تدخل بها۔

تم سعد کے پاس جاؤ اور اس سے علم لے لو اور تم ہی علم لے کر مکہ
میں داخل ہو۔ (تاریخ کامل - ج - ص ۱۶۶)

جناب امیر نے آگے بڑھ کر سعد سے علم لے لیا اور لشکر کی قیادت
کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے قریش میں تاب مقاومت ہی نہ تھی کہ مسلمانوں
کے بڑھتے ہوئے ریلے کو روکتے۔ اپنے گھروں میں دیک کر بیٹھ گئے اور کل جن
کے لئے مکہ کے دروازے بند کئے تھے آج کے لئے فتح و کامرانی کے دروازے
کھل گئے یہ اسلام کی امن پسندی اور حق و صداقت کی فتح تھی جس میں نہ جنگ کی

نوبت آئی اور نہ جنگ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ لیکن ہر جماعت میں کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی اقتدارِ طبیعت امن پسندی کے خلاف ہوتی ہے اور وہ ضرورت ہو یا نہ ہو سختی و تشدد کا مظاہر کئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ خالد ابن ولید جو فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے تھے اور ابھی اسلام نے ان کے دل و دماغ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تھی مکہ کے زیریں حصہ سے آگے بڑھ رہے تھے کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مل کر بنو بکر سے جنگ چھیڑ دی۔ پیغمبر اکرمؐ کوہِ جون سے گزرتے ہوئے تلواروں کی چمک دیکھی تو سخت برہم ہوئے۔ فرمایا کہ فوراً اس کشت و خون کو بند کیا جائے۔ مگر اتنے میں بنو بکر کے متعدد آدمی مارے جا چکے تھے۔

جب پیغمبر اکرمؐ مکہ کی بالائی سمت سے شہر میں داخل ہوئے تو سیدھے خانہ کعبہ کے پاس آئے اور طواف بجالائے۔ طواف سے فارغ ہوتے تو دیکھا کہ عمائدِ قریش سر نہوڑاتے چپ سادھے کھڑے ہیں یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے پیغمبرؐ کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا تھا۔ آپ کو گھر سے بے گھر کیا اور غربت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور پیہم خونریز جملے کرتے رہے آنحضرتؐ نے ان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم سے کیا سلوک کیا جائے گا سب نے ندامت سے سر نیچے ڈال دیئے۔ خطیبِ قریش ہسبل ابن عمرو نے کہا: نظن خیرا ونقول خیرا اخر کریمہ وابن عمر کریمہ "آپ شریف بھائی اور شریف چچا کے بیٹے ہیں ہم آپ سے نیکی اور بھلائی ہی کی توقع رکھتے ہیں۔"

فرمایا: لا تشریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء
آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ یہ پیغمبرؐ

کی بلند نفسی و وسعت قلبی کا کرشمہ تھا کہ جو لوگ ہر وقت دشمنی و عناد پر کمر بستہ رہتے تھے اور آپ کی آواز پر کان دھرنا بھی گوارا نہ کرتے تھے حلقہ بگوش اسلام ہو کر آپ کا کلمہ پڑھتے لگے اور کل کا یتیم اور آج کا فرمانروا نہ صرف ان کے صیہوں پر بلکہ ان کے دل و دماغ اور ضمیر و وجدان پر حکومت کرنے لگا قریش کی دھاک دم توڑ کر فنا ہو گئی کفر کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور اسلام کا پرچم فضائے بطحا پر لہانے لگا۔ اہل مکہ اگرچہ اسلام لے آئے اور ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اسلام کی صداقت سے پہلے ہی سے متاثر رہے ہوں گے اور اب صدق دل سے اسلام قبول کیا ہو گا۔ مگر بلاشبہ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے بے بس ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ کیونکہ عقائد و نظریات میں یکلخت تبدیلی انسانی افتاد طبع کی خلاف ورسی ہے۔ ان اسلامی آبادہ اور طے والوں کے علاوہ کچھ لوگ وہ بھی تھے جو اپنے کفر پر بضد تھے اور وقتی طور پر مکہ سے چلے گئے تھے۔ یا ادھر ادھر چھپ گئے تھے۔ یہ لوگ اسلام کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں قرار واقعی سزا دے کر فتنہ و شر کو ابھرنے سے پہلے دبا دیا جائے گا پیغمبر اسلام نے اگرچہ عمومی طور پر امان کا اعلان کر دیا تھا مگر چند مفسدہ پرداز عناصر کے متعلق حکم دیا تھا کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو خواہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے چمٹے ہوئے کیوں نہ ہوں چنانچہ ان افراد میں سے عبد اللہ بن خطل اور اس کی کثیر جو رسول اللہ کی ہجو گایا کرتی تھی حویرث ابن نقیر اور مقیس ابن صبا اپنے کیفر کردار کو پہنچائے گئے اور کچھ لوگوں کی جان بخشی بھی کی گئی۔ چنانچہ عبید اللہ ابن ابی سرح نے حضرت عثمان کی پناہ حاصل کر لی اور انہیں ہی کی سفارش پر اسے چھوڑ دیا۔ عکرمہ ابن ابی جہل یمن کی طرف بھاگ گیا اور اس کی بیوی ام کلیم نے اس کے لئے امان کی درخواست کی تو اسے بھی امان دے

دی گئی۔ اور بہار ابن اسود، عمرو ابن عبدالمطلب کی کثیر سارہ اور ابن حنظل کی ایک دوسری کثیر نے اسلام کی آڑ لے کر اپنی جانیں محفوظ کر لیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں سے بھی شراخیزی کا اندیشہ تھا جو مکہ ہی میں چھپے ہوئے تھے چنانچہ حضرت علیؑ کو یہ خبر ملی کہ عمارت ابن ہشام اور قیس ابن سائب اور بنی مخزوم کے چند افراد ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں موجود ہیں آپ ام ہانی کے مکان پر آئے اور فرمایا کہ اس گھر میں جو لوگ چھپے ہوئے ہیں انہیں باہر نکالو۔ ام ہانی حضرت علیؑ کو پہچان نہ سکیں۔ کہا کہ اسے شخص میں علیؑ کی حقیقی ہمیشہ اور رسول اللہ کی چھری بہن ہوں۔

اگر تم نے ان لوگوں کو جو میری پناہ میں ہیں باہر نکلنے پر مجبور کیا تو میں رسول اللہ سے تمہاری شکایت کروں گی۔ اتنے میں حضرت علیؑ نے سر سے خود اتار اتوا ام ہانی نے انہیں پہچان لیا۔ دوڑ کر حضرت کے پاس آئیں اور کہا کہ میں قسم کھا چکی ہوں کہ رسول اللہ سے شکایت کروں گی۔ فرمایا تم رسول خدا سے شکایت کر کے اپنی قسم پوری کر لو۔ جناب ہانی اسی وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اسے ام ہانی کیسے آتا ہوا؟ عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سسرال والوں میں سے کچھ لوگوں کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے علیؑ انہیں اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔

فرمایا: اجرت من اجرت جسے تم نے پناہ دی اسے میں نے پناہ

دی۔

فتح مکہ کے واقعات کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کا کردار از ابتدا تا انتہا ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت و فرمانبرداری کو ہر چیز پر مقدم سمجھا اور یہ جذبہ اطاعت ان کے مزاج میں اس طرح رچ بس گیا

فَلَسْتُمْ ذُنُوحًا

مُطَهَّرَةً الْعَجَائِبُ

تَا جَوْرَ

مَوْلَا شَيْءٍ

عَلَى مَرَرَانِ

سَيِّدِ الْقَوْمِ

مَحْبُوبِ

دَوَائِجِ مُطَهَّرَةٍ

رَأْسِ

مُسْتَنْظَفِ

رَأْيِهِ

الْمُهَذَّبِينَ

وَلَيْ

الْمُسْتَقِينَ

أَمَّا

أَقْدَامُهُمْ

وَأَعْظَمُهُمْ

حَلَمًا

فِي شَهْرِهِ

قَدْ دَقَّ

الْمُسْتَقِينَ

سَيِّدِ

كِبَارِ

أَقْدَامِهِ

تھا کہ ان کا ہر قول و عمل حرکت و سکون اور خاموشی و گویائی آنحضرتؐ کے اشارہ
 چشم و ابرو سے وابستہ ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ فتح مکہ کی تیاریوں کے سلسلہ میں پیغمبرؐ
 کے رازوں کے امین تھے مگر کسی موقع پر اپنی برتری جتلانے کے لئے لب
 کشائی نہیں کرتے جب کہ جنگ بدر اور بیعت رضوان میں شریک ہوئے والا
 ایک ممتاز صحابی اپنی بیوی بچوں کے تحفظ کے پیش نظر اس راز کو افشا کرنے
 کی ناکام کوشش کرتا ہے جس کا انکار لازمی تھا اور اس طرح قومی و اجتماعی
 جرم کا مرتکب ہوتا ہے اسی طرح جب ابوسفیان نے آپؐ سے خواہش کی کہ صلح
 کے بارے میں آنحضرتؐ سے سفارش کیجیے تو آپؐ نے پیغمبرؐ کے عزم و ارادہ کو
 دیکھتے ہوئے اشارۃً یا کنایہً بھی کچھ کہنا گوارا نہ کیا۔ اور جب اس نے خود حضرت
 سے مشورہ طلب کیا تو حزن تدبیر کا ثبوت دیتے ہوئے گفتگو میں وہ طرز عمل اختیار
 کیا جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے طرز عمل سے مختلف تھا ان دونوں نے
 اسے سختی سے بھڑک دیا تھا۔ مگر آپؐ نے اپنا رویہ نرم رکھا جس کا اعتراف خود ابو
 سفیان نے بھی مکہ پہنچ کر قریش کے سامنے کیا۔ اس نرم روی کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 وہ معاہدہ صلح کی تجدید سے پوری طرح مایوس ہو کر نہیں پلٹا۔ اگر وہ پوری طرح
 مایوس و ناکام ہو کر پلٹتا تو قریش کو یقین دلانا کہ مسلمان حملہ آور ہونے بغیر نہیں رہیں
 گے اور وہ مصلحت جو حملہ کو مخفی رکھنے میں ملحوظ رکھی گئی تھی فوت ہو جاتی۔ اور
 پھر ابوسفیان کے دریافت کرنے پر یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ اس مشورہ پر
 عمل پیرا ہونے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کچھ فائدہ بھی ہو گا حضرت کا یہ مشورہ
 ایک دفعہ الوقتی کی حیثیت رکھتا تھا مگر اس نے اسے بھی ڈوبتے کو تنکے کا سہارا
 سمجھ کر غیبت جانا نا کہ پلٹ کر قریش سے کچھ تو کہہ سکے۔

اس موقع پر بھی علم فتح و نصرت حضرت ہی کے ہاتھوں میں تھا جو اس

سے پہلے تمام جنگوں میں علمبردار ہوتے چلے آئے تھے اگرچہ ابتداء میں علم
سعد ابن عبادہ کو دیا گیا تھا۔ مگر جب سعد کے طور طریقوں سے یہ اندازہ لگایا
گیا کہ وہ انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر جنگ کرنا چاہتے ہیں تو آنحضرت
نے ان سے علم لے کر حضرت علیؓ کے سپرد کر دیا۔ اگرچہ پیغمبرؐ سعد سے علم لے
کر کسی اور کو دینے کا ارادہ کرتے تو سعد اسے اپنی توہین و ذلت سمجھتے اور علم
دینے میں پس و پیش کرتے مگر علیؓ کو علم دینا تو ایسا ہی تھا جیسے خود رسول اللہ
کو دینا جس سے نہ سعد دل شکستہ ہوئے اور نہ آزدہ خاطر۔ امیر المؤمنین جنگ
اور صلح دونوں حالتوں میں قیادت کی اہلیت رکھتے تھے اور یہ تصور بھی نہیں کیا
جاسکتا تھا کہ وہ جوش میں آکر کوئی ایسا اقدام کریں گے جو نبوت کی فتح کو کسر ویت
اور قیصریت کی فتح میں تبدیل کر دے حضرت کی سیرت کا یہ جاذب نظر پہلو ہے
کہ جنگ کا موقع ہو تو ایسے جنگ آزما جیسے کبھی صلح سے واسطہ ہی نہ پڑا ہو۔ اور صلح
کا محل ہو تو ایسے امن پسند جیسے حرب و ضرب کی کبھی ہمت ہی نہ ہوتی ہو۔
اس موقع پر حضرت علیؓ نے اپنی اصول پسندی کا بھی ثبوت دیا اور فرائض
کی بجا آوری کے سلسلہ میں اپنی حقیقی بہن کے گھر میں پناہ لینے والوں کو اس وقت
نہمک معاف نہیں کیا جب تک رسول اللہؐ نے ام ہانی کی قدر افزائی کرتے ہوئے
ان کی پناہ کو اپنی پناہ قرار نہیں دے لیا یہ تھی حضرت کی آئین پسندی کہ آئین و
قانون کے مقابلہ میں نہ اپنے اور غیر کی تمیز کی اور نہ اپنے طرز عمل میں لچک پیدا
ہونے دی۔

تطہیر کعبہ

عمر و ابن لہی خزاعی نے شہداء میں مصر و شام کے علاقہ میں عمالقمہ کو بت پرستی کرتے دیکھا تو اسے بتوں کی پرستش میں اگرچہ کوئی فائدہ نظر نہ آیا تھا مگر ترشے ہوئے بتوں کی صنعت اسے بھاگئی اور چند بت اٹھا کر مکہ لے آیا اور انہیں خانہ کعبہ کے گرد و پیش نصب کر کے لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی رفتہ رفتہ اہل مکہ کی اکثریت نے بت پرستی اختیار کر لی اور خانہ کعبہ منہم کہہ اور مکہ بت پرستی کا مرکز بن گیا۔ قریش کا سب سے بڑا دیوتا ہبل تھا جو خانہ کعبہ میں بلندی پر نصب تھا اور اس کے آس پاس سینکڑوں بت ایک دوسرے سے جڑے بندھے رکھے تھے اور سال کے ۳۶۰ دنوں میں ایک ایک دن ایک ایک کی پوجا کے لئے خاص کر دیا گیا تھا۔ اہل مکہ کی دیکھا دیکھی اطراف و جوانب کے لوگ بھی بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے اور جب حج کے لئے مکہ آتے تو حرم سے پتھر اٹھا کر ساتھ لے جاتے اور انہیں مکہ کے بتوں کی شکل و صورت میں تراش کر اپنے ہاں نصب کر لیتے یہاں تک کہ تمام عرب میں بت پرستی عام ہو گئی اور ہر قبیلہ نے اپنے لئے علیحدہ علیحدہ بت بنالیا۔ مکہ سے ایک متر ل کے فاصلہ پر تھا محملہ میں عمری کی مورتی نصب تھی جو قریش اور بنی کنانہ کی عقیدت کا مرکز تھی طائف میں لات نصب تھا جو بنی ثقیف کا دیوتا تھا۔ مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ربات نصب تھا جو اوس و خزرج اور غسان کا دیوتا کہلاتا تھا نجران میں قبیلہ ہمدان یعقوب کی پوجا کرتا تھا۔ یمن کے اطراف میں بنی ہذیل کا بت سواع نصب تھا اور دومۃ الجندل میں بنی کلب کا دیوتا تھا۔ اسی طرح مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کی پوجا

ہوتی تھی کچھ بت پرست ان حس و حرکت سے خالی اور فہم و شعور سے عاری
پتھروں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے تھے اور ان کے سامنے گڑ گڑاتے، جھولیاں
پھیلاتے اور مرادیں مانگتے تھے اور یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ پتھر آخر پتھر ہے اس
کی کیا طاقت کہ کسی کو کچھ دے سکے یا کسی سے کچھ چھین سکے۔ اور بعض انہیں
وسیلہ مانتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ ہم ان کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کرتے
ہیں۔ قرآن مجید ان کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ما نعبدھم الا ليقربونا الی اللہ زلفی۔

ہم ان بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔
مکہ پر فوج کشی کا یہ مطلب نہ تھا کہ پیغمبر اپنی مملکت کے حدود کو وسعت
دیں اور فاتح و کشور کشا کہلائیں بلکہ اصل مقصد بت پرستی کو مٹا کر توحید کا پرچم
بلند کرنا تھا۔ چنانچہ مکہ کو زیر نگیں کرنے کے بعد سب سے پہلے بتوں کی شکست
ورنخت کی طرف توجہ فرمائی۔ حالانکہ اس موقع پر یہ اندیشہ تھا کہ قریش کے بت
پرستانہ جذبات بھڑک نہ اٹھیں اور وہ اپنے بتوں کی تذلیل و توہین دیکھ کر حملہ
نہ کر دیں مگر پیغمبرؐ نے اپنے فرض منصبی کے سامنے اس خطرہ کو قابل اعتناء
نہ سمجھا اور پہلے دیواروں پر بنی ہوئی فرشتوں اور نبیوں کی تصویروں کو مٹایا اور
پھر حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر نیچے ولے بت توڑے جا چکے تو اوپر والے بتوں
کو توڑنے کے لئے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علی تم میرے کاندھوں پر
بلند ہو کر بتوں کو توڑو گے یا میں تمہارے شانوں پر سوار ہو کر انہیں توڑوں
عرض کیا یا رسول اللہ آپ میرے کاندھوں پر سوار ہو کر انہیں توڑیں۔ جب پیغمبرؐ
آپ کے کاندھوں پر سوار ہوئے تو آپ نے کمزوری و ضعف کا احساس کیا۔
پیغمبرؐ آپ کے کاندھوں سے اتر آئے اور فرمایا کہ اے علی تم میرے کاندھوں

پرسوار ہو جاؤ حضرت علیؑ دوش پیغمبر پر بلند ہوئے اور چھوٹے موٹے بتوں کے علاوہ ہبل کو جو آہنی میخوں سے گڑا ہوا تھا جھٹکا دے کر اکھاڑ لیا اور زمین پر اس طرح پھینکا کہ پاش پاش ہو گیا۔ قریش کے لئے یہ منظر کتنا عبرت خیز ہو گا کہ کل تک جس کے آگے پیشانیوں رگڑتے رہے تھے اور احد میں جس کی جے کے نعرے لگاتے تھے آج اس کے ٹکڑے پیغمبر کے قدموں میں پڑے ہوئے عجز و بے بسی کی تصویر بنے ہوئے تھے۔

حضرت علیؑ اس صنم اکبر کو توڑنے کے بعد میزاب کی طرف سے نیچے اترے اور مسکراتے ہوئے پیغمبر سے کہا کہ یا رسول اللہ میں اتنی بلندی پر سے کودا ہوں مگر ذرا چوٹ نہیں آئی۔

فرمایا: رفعت محمد ادا نزل بک جبرئیل
”اے علی چوٹ کیونکر آتی جب کہ محمدؐ نے تمہیں بلند کیا ہے اور جبرئیل امین نے تمہیں اتارا ہے۔“

یہ تھی علیؑ کی رفعت و بلندی کہ جن کے ہاتھوں سے کائنات کو اوج و عروج حاصل ہوا ان کے کاندھوں کا سہارا لے کر بلند ہوئے اور جن ہاتھوں سے لوح محفوظ کی بلندیوں سے قرآن اترا انہیں ہاتھوں سے سر زمین حرم پر اترے۔ گویا یہ علیؑ کی معراج تھی جو صاحب معراج کے کاندھوں پر ہوئی۔
خود حضرت کا ارشاد ہے۔

لوشنت لثلت افق السماء
اگر میں چاہتا تو آسمان کی بلندیوں کو چھو لیتا۔
یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
اس موقع پر اور لوگ بھی موجود تھے جنہیں یہ کام سپرد کیا جاسکتا تھا یا اس

میں شریک کیا جاسکتا تھا مگر پیغمبرؐ نے اس کار نبوت کی انجام دہی میں علیؑ کے علاوہ کسی کی شرکت گوارا نہ کی کیونکہ ایک علیؑ ہی تھے جو کبھی بتوں کے آگے نہ جھکتے تھے اور ہمیشہ معبود حقیقی کے آگے سجدہ ریز رہے تھے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے افراد زندگی کے کسی نہ کسی دور میں مورد تیوں کی پوجا کرتے رہتے تھے اگر انہیں بت شکنی کا کام سپرد کیا جاتا یا اس میں شریک کیا جاتا تو ممکن تھا کہ بتوں پر ہاتھ اٹھانے سے گھبراتے اور انہیں توڑنے میں جھجک محسوس کرتے جیسا کہ اہل طائف نے مسلمان ہونے کے بعد خود اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے پیغمبرؐ کے دست حق پرست پر بیعت کرتے ہوئے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارے بت خانہ کو ایک سال تک باقی رہنے دیا جائے اور رسول خداؐ نے اسے منظور نہ کیا تو کہا پھر ہم اپنے ہاتھوں سے اسے نہیں توڑیں گے کسی اور سے فرمائیے کہ وہ اسے توڑے۔

یوم غمیضاء

فتح مکہ کے بعد پیغمبرؐ اسلام ابھی مکہ ہی میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے اطراف و جوانب میں مختلف و فذوں کے بھیجنے کا اہتمام کیا تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کر کے دعوت اسلام دیں۔ اس سلسلہ میں خالد ابن ولیدؓ کو تین سو پچاس افراد کی جمعیت کے ساتھ بنی ہذیمہ کے پاس بھیجا اور انہیں تاکید کر دی کہ وہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھائیں اور نہ جنگ و قتال کریں بلکہ اپنا دائرہ تبلیغ اسلام تک محدود رکھیں۔ ابن سعد تحریر کرتے ہیں۔

بعثہ الی بنی جذیمہ داعی الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلا۔
پیغمبرؐ نے خالد ابن ولید کو بنی جذیمہ کے پاس دعوت اسلام کے لئے
بھیجا تھا ان سے جنگ و قتال کے لئے نہیں بھیجا تھا۔

(طبقات - ج ۲ - ص ۱۴۷)

زمانہ قبل اسلام میں خالد کا چچا فاکہہ ابن مغیرہ اور عبد الرحمن کا باپ
عوف یمن سے واپسی کے بعد بنی جذیمہ کے چند نوجوانوں کے ہاتھوں سے
مارے گئے۔ قریش نے انتقام کے لئے ان پر چڑھائی کر دی مگر انہوں
نے خوں بہا دے کر صلح صفائی کر لی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اب خالد کو وفد
کی سربراہی کرتے ہوئے ان کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا تو ان کے انتقامی
جذبات ابھر آئے اور وہ اپنے کو انتقام کشی سے باز نہ رکھ سکے چنانچہ جب
یہ وفد مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر چاہ غمیضہ پر پہنچا تو وہاں اتر پڑا۔ یہ کنواں
بنی جذیمہ کی ملکیت تھا جس کے آس پاس وہ آباد تھے۔ جب انہوں نے خالد
کو لشکر کے ہمراہ اپنے کنوئیں پر پڑاؤ ڈالے دیکھا تو انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ خالد
کہیں جنگ نہ چھیڑ دیں۔ انہوں نے پیش بندی کرتے ہوئے ہتھیار باندھ لئے
اور لڑنے بھڑنے پر تیار ہو گئے۔ خالد نے انہیں ہتھیار باندھے دیکھا تو کہا تم
کون ہو؟ کہا کہ ہم مسلمان ہیں ہم نے اپنی آبادی میں مسجد تعمیر کر رکھی ہے
جس میں اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے ہیں خالد نے کہا کہ جب تم مسلمان
ہو تو یہ ہتھیار کیوں باندھ رکھے ہیں؟ کہا کہ ہم نے یہ ہتھیار اس خیال سے
باندھے ہیں کہ سابقہ عداوت کی بناء پر تم جنگ و قتال پر نہ اتر آؤ۔ کہا کہ تم
مطمئن رہو ہم جنگ نہیں کریں گے اور اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو۔
انہوں نے کہا کہ :-

لَا تَأْخُذُ السَّلَاحَ عَلَى اللَّهِ وَعَلَى رَسُولِهِ وَغَنَ مُسْلِمُونَ -
جب ہم مسلمان ہیں تو اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف ہتھیار نہیں
اٹھائیں گے۔
تاریخ یعقوبی۔ ج ۳۔ ص ۱۴۷

یہ کہہ کر انہوں نے ہتھیار اتارنا چاہے کہ ان کے قبیلہ کے ایک شخص مجرم
نے کہا کہ ہتھیار اتارنے سے پہلے سوچ سمجھ لو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خالد
ہتھیار اتاروانے کے بعد تمہاری مشکیں باندھے گا اور پھر تمہیں تر تیغ کر دے
گا۔ میں ہرگز ہتھیار نہیں اتاروں گا اور تمہیں بھی مشورہ دوں گا کہ اپنے ہتھیار
نہ اتارو۔ لوگوں نے اسے سمجھایا بجھایا کہ کیوں اپنی اور اپنے قبیلہ کی تباہی کا
سامان کرتے ہو۔ جنگ کا دور ختم ہو چکا اب وہ بھی مسلمان ہیں اور ہم بھی
اسلام لاپکے ہیں پھر اپنوں سے خطرہ کیا اور اندیشہ کس بات کا۔ غرض سب
نے ہتھیار اتار کر رکھ دیئے۔ خالد نے جب دیکھا کہ سب بے دست و پا ہو
چکے ہیں تو انہوں نے اپنے ہمراہیوں کو جو زیادہ تر انہی کے قبیلہ کے تھے حکم
دیا کہ سب کی مشکیں کس لو اور ہتھیار چھین لو۔ چنانچہ انہیں رسیوں میں جکڑ کر ان
کے ہتھیار چھین لئے گئے اور پھر ایک ایک کر کے سب کو قتل کر دیا۔ حضرت
عبد الرحمن بن عوف جو اس ہم میں شریک تھے خالد کے اس اقدام پر بہت
بگڑے اور دونوں میں تکرار شروع ہو گئی۔
عبد الرحمن نے کہا۔

عبد الرحمن بن عوف کذباً قد قتلت قاتل ابی ولکنک
انما ثارت بعینک الفاکھہ بن المغیرہ۔

تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۳۴۲۔

تم نے زمانہ اسلام میں دور جاہلیت کی حرکت کی ہے۔ خالد نے کہا کہ میں

نے تمہارے باپ عوف کا انتقام لیا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو میں نے خود اپنے باپ کے قاتل کو قتل کیا تھا۔ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن مغیرہ کے خون کا بدلہ لیا ہے۔
مورخ یعقوبی نے تحریر کیا ہے۔

قال عبد الرحمن ابن عوف والله لقد قتل خالد القوم مسلمين فقال خالد انما قتلتم بابيك عوف ابن عبد عوف فقال له عبد الرحمن ولكنك قتلت بعبد الفاكه ابن المغيرة

عبد الرحمن ابن عوف نے کہا کہ خدا کی قسم خالد نے ان لوگوں کو نہ تیغ کیا جو اسلام لائیکے تھے۔ خالد نے ان سے کہا کہ میں نے تمہارے باپ عوف کے انتقام میں انہیں قتل کیا ہے۔ عبد الرحمن نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تم نے اپنے چچا فاکہ ابن مغیرہ کا انتقام لیا ہے۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۱۴۷)

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنی جذیمہ کے قتل کئے جانے کی خبر ہوئی تو بہت صدمہ ہوا اور قبلہ رخ کھڑے ہو کر اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا:-

اللهم انی ابرء الیک مما صنع خالد ابن الولید

خداوند! میں تیری بارگاہ میں خالد ابن ولید کے اس فعل سے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔
(تاریخ طبری ج ۲۔ ص ۳۴۲)

پھر حضرت علیؑ کو بلا کر فرمایا کہ تم یمن سے آیا ہو امال لے کر بنی جذیمہ کے پاس چاہ غمیضہ پر جاؤ اور ایک ایک آدمی کا خون بہا دو کرو۔ اور ان کا

جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کرو۔ حضرت علیؑ ان کے ہاں گئے مقتولین کے وارثوں کو ان کا خون بہا دیا اور ان کے تمام نقصانات کی تلافی کی۔ جب سب کا خون بہا دیا کر چکے تو پوچھا کہ اب کسی کا کوئی مطالبہ تو باقی نہیں رہا؟ کہا کہ اب ہمارا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ فرمایا کہ ابھی میرے پاس کچھ مال بیچ رہا ہے میں اسے واپس لے جاتا نہیں چاہتا وہ بھی تمہیں رسول اللہ کی جانب سے دیتا ہوں۔ جب خون بہا اور باقی ماندہ مال تقسیم کر چکے تو واپس تشریف لائے اور پیغمبر اکرمؐ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔

فداک ابی داعی ما فعلت احب الی من حبرا النعم
میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں تم نے جو کچھ کیا ہے وہ مجھے سرخ بالوں والے اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے۔

(تاریخ یعقوبی ج ۲۔ ص ۲۷۷)

خالد ابن ولید کا یہ اقدام سر اسر اسلامی تعلیمات کے منافی تھا۔ اسلام اس کا قطعاً روادار نہیں ہے کہ کافر کو بھی بلاوجہ قتل کیا جائے۔ بلکہ میدان جنگ میں اگر کوئی کافر تلوار دیکھ کر کلمہ پڑھ لے تو اس پر بھی حملہ آور ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ چنانچہ اسامہ ابن زید نے ایک فہم میں ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے تلوار کو دیکھ کر کلمہ پڑھا تھا جب آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو اسامہ کو سرزنش کی۔ اسامہ نے کہا کہ اس نے تو تلوار کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا۔ فرمایا: ہلا شققت قلبہ ۹۔

کیا تم نے اس کے دل کے اندر جھانک کر دیکھ لیا تھا؟
چہ جائیکہ جو مسجدیں تعمیر کرتے، اذانیں دیتے اور نمازیں پڑھتے ہوں، ان

سے فریب اور غلط بیانی سے ہتھیار رکھواتے جائیں اور پھر دور جاہلیت کے خون کا بدلہ لینے کے لئے ان کے خون سے ہولی کھیلی جائے حالانکہ پیغمبر نے فتح مکہ کے موقع پر دور جاہلیت کے قتل کے انتقام کو ختم کرتے فرمایا تھا۔

کل دم او ماثرۃ او مال یدعی تحت قدمی ہاتین
زمانہ جاہلیت کے خون کا انتقام، قوی مفاخر اور خون بہا میں نے اپنے
قدموں کے نیچے روند ڈالے ہیں۔ (تاریخ کامل ج ۲ ص ۱۷۰)

اس موقع پر امیر المومنینؑ نے نہ صرف یہ کہ پیغمبر کے حکم سے ایک ایک کا خون بہا دیا بلکہ ان کے حق سے زیادہ دے کر ان کی دلجوئی کی۔ اگر حضرت اس طرح ان سے ہمدردی و مواسات نہ کرتے اور ان پر یہ واضح نہ کر دیتے کہ آنحضرتؐ اس قتل و خون ریزی سے قطعاً بری الذمہ ہیں تو کچھ بعید نہ تھا کہ وہ لوگ جو ابھی تازہ مسلمان ہوئے تھے اسلام ہی سے بدظن ہو جاتے۔ اور دوسروں کے دلوں میں بھی اسلام کی طرف سے بے اعتمادی پیدا کرتے۔ لیکن آپؐ نے خون بہا کے علاوہ بقیہ مال بھی انہی پر تقسیم کر کے ان کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا اور پوری طرح سے ان کی تسلی و تسخنی کی۔

غزوہ حنین

شوال ۱۰ شہ ہجری !

فتح مکہ کے موقع پر قریش نے پیغمبر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو تمام قبائل عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور ان میں سے اکثر نے اسلام کے دامن میں پناہ لے لی۔ لیکن بنی ہوازن و بنی ثقیف کی شوریدہ سری میں ذرا کمی نہ آئی اور بدستور دشمنی و عناد پر تلے رہے۔ بنی ہوازن کے ایک سردار مالک ابن عوف نصری نے بنی حشم و بنی نصر کو اپنے ساتھ ملا کر لشکر تریب دیا اور فیصلہ کن جنگ کا تہیہ کر لیا۔ بنی ثقیف جنہوں نے پیغمبر اکرم پر پتھر برسایا مگر انہیں طائف سے باہر نکالا تھا وہ بھی ان کے معاون و مددگار بن کر اٹھ کھڑے ہوئے مالک ابن عوف نے بنی سعد کو بھی کو بھی پیغام بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دیں بنی سعد نے جنگ پر آمادگی ظاہر نہ کی اور کہا کہ محمد ہمارے قبیلہ میں پلے بڑھے ہیں ہم نہیں چاہتے کہ ان کے مقابلہ میں صف آرا ہوں مگر ان پر زور دینے سے ان کے کچھ آدمی شریک ہو گئے اور لشکر کی تعداد چار پانچ ہزار تک پہنچ گئی مالک ابن عوف سپہ سالار اور ابو جریول علمبردار لشکر مقرر ہوا۔ اور بال بچوں موسیوں اور بھیر بکری کے ریوڑوں کو ساتھ لے کر بڑے زور و شور سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس لشکر میں عرب کا مشہور ماہر فنون حرب و زید ابن صمہ بھی شامل تھا اس کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور چلنے پھرنے سے مندور تھا مگر اسے ہودج میں بٹھا کر اس غرض سے ساتھ لے لیا تاکہ بروقت اس کے تجربہ و اصابت رائے سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ جب لشکر نے وادی اوٹاس میں منزل کی تو اس نے پوچھا

کہ یہ کون سی جگہ ہے اسے بتایا گیا کہ یہ وادی اوطاس ہے اس نے کہا کہ
یہ جگہ گھوڑوں کی آمدورفت اور حرب و پیکار کے لئے موزوں رہے گی اس
لئے کہ یہ نہ زیادہ پتھر ملی اور سخت ہے اور نہ زیادہ ریتی اور نرم، اتنے میں اس
کے کانوں میں بچوں کے رونے جھینکنے اور بھیڑ بکریوں کے مینانے کی آوازیں آئیں
اس نے مالک ابن عوف کو بلا کر پوچھا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں اسے بتایا گیا کہ عورتیں
بچے بھی ساتھ ہیں۔ کہا کہ انہیں کیوں ساتھ لائے ہو؟ کہا کہ بال بچوں کے ساتھ
ہوتے ہوئے کوئی میدان چھوڑنے کا ارادہ نہ کرے گا۔ کہا کہ جب میدان سے
قدم اکھڑ جاتے ہیں تو پھر عورتوں اور بچوں کا خیال اکھڑے ہوئے قدموں
کو روک نہیں سکتا۔ دانشمندی کا تقاضا یہ تھا کہ تمام عورتوں اور بچوں کو ساتھ
نہ لائے۔ اگر شکست ہوئی تو ایسی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جسے
پشتوں تک مٹایا نہ جاسکے گا۔ پھر پوچھا کہ کیا بنی کعب اور بنی کلاب بھی تمہارے
ساتھ ہیں؟ کہا کہ وہ تو شریک نہیں ہوئے۔ کہا کہ اگر تمہارا بخت یا در ہوتا تو وہ بھی
شریک ہوتے۔ میرے رائے یہ ہے کہ ہم اپنی بستیوں میں واپس چلے جائیں۔
اگر مسلمان ہم پر حملہ آور ہوئے تو ہم اپنا بچاؤ بھی کر سکیں گے۔ اور جن قبیلوں نے
ہمارا ساتھ نہیں دیا اس صورت میں وہ بھی ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے
مالک نے اس کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔ درید نے کہا کہ تم جانو میں تمہارے
کسی کام میں دخل نہیں دوں گا۔ مالک تو یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی کام میں دخل نہ
دے تاکہ جنگ جیتنے کی صورت میں کامیابی کو اس کی رائے کا نتیجہ نہ سمجھا جائے
چنانچہ اس نے ایک صائب رائے ٹھکراتے ہوئے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم
دے دیا۔

جب پیغمبر اکرم کو اطلاع ہوئی کہ بنی ہوازن و بنی ثعلبہ جنگ کے ارادہ

سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو آپ نے عبداللہ ابن ابی حدرد کو ان کی طرف بھیجا تاکہ ان کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ انہوں نے گھوم پھر کر تمام حالات کا جائزہ لیا اور پلٹ کر آنحضرتؐ کو خبر دی کہ دشمن جنگ کا ارادہ کر چکا ہے ہمیں اس کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے تیار رہنا چاہیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلایا اور ابن ابی حدرد سے جو سنا تھا اس کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ابن ابی حدرد کی بات کا اعتبار ہی کیا یہ جھوٹ کہتا ہے۔ اس پر ابن ابی حدرد نے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

ان تكد بنی فطالما كنت بالحق يا عمر
اے عمر اگر تم مجھے جھٹلاتے ہو تو تم حق کو جھٹلانے کے غور رکھ چکے ہو
(تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۴۶)

آنحضرتؐ نے ابن ابی حدرد کی اطلاع پر اعتماد کرتے ہوئے لشکر کو صف بندی کا حکم دیا۔ صفوان ابن امیہ سے جواب بھی تک مسلمان نہ ہوا تھا ایک سوزرہیں اور دوسرا مسلمان جنگ عاریتہ لیا اور ۶ شوال ۳۷ ہجری کو بارہ ہزار کے لشکر کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔ ابن بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہی مسلمان تھے جو مدینہ سے آپ کے ہمراہ آئے تھے اور باقی دو ہزار مکہ کے تازہ مسلمان تھے۔ مسلمانوں کی تعداد کفار کے لشکر سے تین گنا زائد تھی اس کثرت نے بیشتر مسلمانوں میں ایک نخوت کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے لشکر اسلام کی کثرت قوت کو دیکھ کر بر ملا کہا کہ

لن تغلب اليوم من قلدت

آج تعداد کی کمی کی بنا پر ہم شکست نہیں کھاتیں گے۔
دشمن نے وادی حنین میں پہنچ کر پہلے ہی سے دروں اور کھوڑوں میں

مورچے سمجھا لے تھے۔ جنین مکہ و طائف کے درمیان پھیلے ہوئے پہاڑوں کے اندر ایک وادی کا نام ہے جس میں ایک طرف مسلح و ہموار میدان ہے اور دوسری طرف گہرے کھدے پر پیچ گھایاں اور دشوار گزار کھائیاں تھیں۔ جب مسلمان صبح ہی صبح وادی تنین میں پہنچے اور تنگ اور ڈھلوان راستوں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے تو دشمن نے کیننگا ہوں سے نکل کر یکبارگی تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمان اس ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہ تھے لشکر میں عام بھگدڑ مچ گئی سب سے پہلے مقدمہ الجیش نے راہ فرار اختیار کی جس کے سربراہ خالد ابن ولیدؓ جب عقب میں آنے والوں نے خالد کو اپنے دستہ سپاہ کے ساتھ بھاگتے دیکھا تو وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی اور جہدھر جس کا رخ ہوا اصر نکل گیا۔ ابو قتادہ جوان بھاگنے والوں میں شامل تھے بیان کرتے ہیں۔

انهزم المسلمون و انهزمت معهم فاذا بعمر ابن الخطاب في الناس فقلت ما شان الناس قال امر الله.

مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگ نکلا۔ اچانک میں نے ان لوگوں میں عمر ابن خطاب کو دیکھا تو کہا کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو۔ کہا کہ اللہ کی مرضی۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۲۵)

حدیث و سیر کی کتابوں میں تو اس فرار کا تذکرہ ہوا ہی ہے خود قرآن نے بھی اس پر واضح لفظوں میں تبصرہ کیا ہے :

و يوم حنين اذا عجبتمكم كثرتكم فلو ان فعلن عنكم شيئا و ضاقت عليكم الارض بما رحبت ثم وليتم مدبرين۔

اور حنین کا دن یاد کرو جب کہ کثرت تمہاری تمہارے تمہیں مغرور بنا دیا تھا مگر

مگر اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین اپنی وسعت کے باوجود
 تم پر تنگ ہوتی اور تم بیٹھ پھر کر چل دیتے۔
 ابوسفیان نے مسلمانوں کو بھاگتے دیکھا تو کہا
 لا تشہی ہذیمتھم ذون البعد
 ”ابھی کیا ہے یہ لوگ شکست کھا کر سمندر تک بھاگیں گے؟“
 کلاہ ابن جنبل نے کہا:

الابطال السحر الیوم۔

”آج اسلام کا سحر ٹوٹ گیا ہے۔“

کچھ لوگوں نے کہا کہ آج لات و ہبل نے اپنی پامالی کا بدلہ لے لیا ہے۔
 یہ لوگ اگرچہ لشکر اسلام میں شامل تھے مگر دل سے شریک نہ ہوتے تھے
 اور نہ ان سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ جنگ کا نقشہ بگڑنے کی صورت میں بیٹھ
 نہیں دکھائیں گے۔ مگر تب تو اس امر پر ہے کہ بیوت رضوان میں شریک
 ہونے والے اور موت پر پیمان باندھنے والے بھی ثابت قدم نہ رہ سکے۔
 دیکھتے دیکھتے بارہ ہزار کا جم غفیر چھٹ گیا اور پیغمبر کے پاس معدودے چند آدمی
 رہ گئے۔ ایک روایت کی بناء پر علی ابن طالب، عباس ابن عبد المطلب، اور
 ابوسفیان ابن حارث اور عبد اللہ ابن مسعود صرف چار آدمی ثابت قدم رہے
 اور ایک روایت کی بناء پر دس آدمی باقی رہے علی ابن ابی طالب، عباس ابن
 عبد المطلب، فضل ابن عباس، ابوسفیان ابن حارث، ربیعہ ابن حارث عبد اللہ
 ابن زبیر ابن عبد المطلب اور عتبہ و مخبب پسران ابولہب اور امین ابن عبید
 پیغمبر اسلامؐ خیمہ پر سوار میدان میں کھڑے تھے۔ عباس اور فضل آپ کے دائیں
 بائیں ایستادہ تھے۔ ابوسفیان عقب سے زمین پکڑے ہوئے تھے اور حضرت علی

پیغمبرؐ کے سامنے تلوار سے دشمن کی یلغار روک رہے تھے اور باقی جانناز
آنحضرتؐ کے گرد گھیر ڈالے ہوئے تھے دشمن کا زور بڑھا جا رہا تھا۔ مالک
ابن عوف پیغمبرؐ پر حملہ کے ارادہ سے بڑھا، ایمن ابن عبید نے اس کا حملہ روکا
اور دفاع کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

تاریخ کا بیان ہے کہ قوت برداشت، صبر و تحمل اور اطمینان و ثبات قدم
میں پیغمبرؐ سے بڑھ کر کوئی دیکھنے میں نہیں آیا اس وقت آپؐ کی زبان پر یہ
الفاظ تھے جو آپؐ کے اطمینان و سکون قلب کے ترجمان ہیں۔

انا للہ العزب انا ابن عبد المطلب

”میں نبی ہوں جس میں جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا فرزند ہوں“

آپؐ نے مسلمانوں کو میدان چھوڑ کر جاتے دیکھا تو داہنی طرف اور بائیں طرف
رخ کر کے انہیں آواز دی۔

”اے اللہ کے بندو کہاں جا رہے ہو؟“

جب اس آواز پر کوئی پلٹنا نظر نہ آیا تو عباسؓ سے کہا کہ چپا تم انہیں بلند
آواز سے پکادو۔

عباسؓ نے یا معشر الانصار یا اصحاب الشجرة۔

”اے گروہ انصار اے بیعت رضوان میں شریک ہونے والو“ کہہ کر

انہیں پکارا۔ اس آواز پر کچھ لوگ پلٹے۔ حضرت علیؓ نے انہیں اپنے پرچم کے
نیچے جمع کیا اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھے۔ ادھر دشمن بھی جنگ
کے لئے تیار تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے پر تلواریں سروں سے ٹکرا کر

چنگاریاں برسلنے لگیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا: الان حسی الوطیس

”اب جنگ کا شور گرم ہوا ہے۔“

امام
میں

حافظ
پیغمبر

فہم
رسول

روح
شوق

آواز
رسول

مفسر
پیغمبر

فاتح
جنگ

فاتح
حسد

فاتح
جنگ

فاتح
حسد

فاتح
جنگ

فاتح
حسد

بنی ہوازن کا علمبردار ابو جہول اونٹ پر سوار تھا۔ سیاہ پرچم کو لہرانے
جوش میں رجز پڑھتا اور حملوں پر جھلے کرتا ہوا آگے بڑھا۔ حضرت علیؑ کی
تاک میں تھے۔ عقب سے اس کے اونٹ کے پیروں پر تلوار ماری۔ اونٹ
زیر پر گرا ابو جہول ابھی سمجھنے بھی نہ پایا تھا کہ آپؑ نے اس پر تلوار کا دل
کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ ابو جہول کا قتل ہونا تھا کہ دشمن کی
رہی سہی ہمت ختم ہو گئی۔ قدموں کا جماؤ اکھڑ گیا اور گرتے پڑتے بھاگ کھڑے
ہوئے۔ دشمن کی صفوں کو منتشر ہوتے دیکھ کر وہ لوگ جو کونے کھدروں
میں دیکے پڑے تھے بٹ آئے اور سب نے مل کر دشمن کو تلوار کی بارڈ پر
رکھ لیا۔ کچھ قتل ہوئے کچھ اسیر کر لئے گئے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ جلالت
کا وقت ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اب ہاتھ روک لیا جائے اور اسیران
جنگ کو قتل نہ کیا جائے۔ مگر پیغمبرؐ کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود دو
اسیر قتل کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک ابن اکوع تھا جو فتح مکہ کے موقع پر
بنی ہزہل کی طرف سے جاسوسی کا کام کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے بے دست و
پا دیکھا تو ایک انصاری کو اشارہ کیا اس نے اسے قتل کر دیا اور دوسرا جلیل
ابن معمر تھا۔ یہ بھی ایک انصاری کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جب رسولؐ خدا نے
اس سے جواب طلبی کی تو اس نے کہا کہ مجھ سے عمرؓ ان خطاب نے کہا کہ اسے
قتل کر دو۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اسیروں کے قتل کرنے سے
منع نہیں کیا تھا۔ اور پھر غلطی و ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عمرؓ کی طرف
سے منہ پھر لیا۔ آخر کچھ دنوں کے بعد عمرؓ ابن وہب کے کہنے سننے سے ان
کی غلطی سے درگزر فرمایا۔

اسی طرح ایک عورت کے قتل پر آنحضرتؐ کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور اس

کی لاش دیکھ کر پوچھا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خالد ابن ولید نے۔ آپ نے ایک آدمی سے کہا کہ خالد کے پاس جاؤ اور اسے کہو:

ان رسول اللہ ینہاک ان تقتل امرأة وولید او عسیفا
رسول خدا تمہیں عورتوں، بچوں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع

کرتے ہیں۔ (تاریخ کامل، ج ۲، ص ۱۸)

جنگ ختم ہو گئی مگر مسلمانوں نے کفار کا تعاقب جاری رکھا اور ان کے چوپاؤں بھڑ بکریوں اور دوسرے ساز و سامان کو اپنی تحویل میں لے لیا اور بقیۃ السیف میں سے ایک بڑی تعداد کو جن میں عورتیں بچے بھی شامل تھے جنگی اسیر بنالیا۔ آنحضرتؐ نے بنی سعد کے ایک شخص بجاد کے بارے میں حکم دیا تھا کہ اسے جہاں پاؤ زندہ گرفتار کر لو۔ چنانچہ مسلمانوں نے اسے اور اس کے خاندان والوں کو گرفتار کر لیا۔ ان اسیروں میں پیغمبر اکرمؐ کی رضاعی بہن شیمابنت حارث بھی تھیں۔ جب قیدیوں کے ساتھ ان پر بھی کچھ سختی ہوتی تو انہوں نے کہا: مسلمانو! میں تمہارے رسولؐ کی دودھ شریک بہن ہوں میں نے تمہارے رسولؐ کو کھلایا انہیں لوریاں دیں اور میری ماں نے انہیں دودھ پلایا ہے مسلمانوں کو اس پر یقین نہ آیا۔ جب انہیں رسول اللہؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ آپ کی میں بہن شیمابنت حلیمہ ہوں۔ آپ نے ایک مرتبہ میری پشت پر کانا تھا اس کا نشان اب تک باقی ہے آنحضرتؐ نے انہیں پہچان لیا اور اپنی ردا بچھا کر اس پر بٹھایا۔ اور کہا کہ تم ہمارے ہاں رہنا چاہتی ہو یا اپنے قبیلہ کے پاس جانا چاہتی ہو۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کے ہاں جانا پسند کیا آنحضرتؐ نے انہیں ایک غلام اور کچھ اونٹ اور چند بکریاں دے کر عزت و احترام سے رخصت کر دیا۔

اس غزوہ میں چار مسلمان شہید ہوئے ستر کفار مارے گئے اور ہزاروں
 اسیر ہوئے۔ مال غنیمت بھی بڑی کثیر مقدار میں حاصل ہوا۔ اس میں چوبیس ہزار
 اونٹ چالیس ہزار سے زائد بھیر بکریاں اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی شامل تھی
 مال غنیمت اور اسیروں کو وادی جعرانہ میں بدیل ابن ورقار خزاعی کی نگرانی میں
 محفوظ کر دیا گیا جو لوگ جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے ان میں سے اکثر
 طائف میں چلے آئے تھے بنی ہوازن مالک ابن عوف بھی انہیں میں شامل تھا
 ایک گروہ وادی اوطاس میں چلا آیا اور کچھ لوگ نخلہ کی طرف چلے گئے۔
 غزوہ حنین مسلمانوں کے لئے ایک کڑی آزمائش تھا۔ انہوں نے شروع
 میں دشمن کے اچانک حملہ سے ہراساں ہو کر پیانی کا مظاہرہ کیا اور کثرت اور
 قوت کے غرور میں یہ نہ سوچا کہ دشمن کھوؤں اور دروں میں چھپا ہو گا۔ اور
 بے خبری میں حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اقیساط برتتے اور دشمن کی طرف
 سے غافل نہ رہتے تو فوہب وہاں تک نہ پہنچتی جہاں تک پہنچی بیشک لشکر اسلام
 میں فتح مکہ کے نتیجہ میں مسلمانوں ہونے والوں کی بھی ایک جمعیت تھی جو اسلام
 کی سر بلندی کے لئے جان کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھی مگر اکثریت تو
 انہی مسلمانوں کی تھی جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور پیغمبر کے ہمراہ رہ
 کر جنگوں میں شریک بھی ہو چکے تھے۔ مگر فتح مکہ سے پہلے کے مسلمان ہوں یا
 بعد کے کسی نے بھی اسلام کی شکست میں کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اگر اس موقع
 پر پیغمبر اکرم اور ان کے گنتی کے چند عزیز واقارب بھی میدان سے ہٹ
 جاتے تو پھر ایسی شرمناک شکست ہوتی کہ سابقہ فتوحات پر بھی پانی پھر جاتا۔
 اور مسلمانوں کی جو دھاک قبائل عرب پر بیٹھ چکی تھی ایک دم ختم ہو جاتی۔
 اس فتح و کامران میں سب سے زائد حصہ حضرت علیؑ کا ہے جنہوں نے

ایک لمحہ کے لئے بھی میدان سے ہٹنا گوارا نہیں کیا اور پیغمبرؐ کے سینہ سپر ہو کر دشمن کے حملوں کو روکتے رہے بلکہ انہیں کے استقلال و ثبات قدم کی وجہ سے باقی نو آدمیوں کے قدم جھے رہے۔ کیونکہ ان میں کوئی نہ ہمت اور شجاعت میں آپ سے بڑھ کر تھا اور نہ آپ سے زیادہ حرب و ضرب کے معرکے جھیلے ہوئے تھا اور انہی کے ثبات قدم سے متاثر ہو کر جانے والے واپس پلٹے اور پھر آپ ہی نے لشکر کفار کے علمبردار کو قتل کر کے مسلمانوں کے حوصلے بلند کئے اور ستر مقتولین میں سے چالیس جنگجوؤں کو تہ تیغ کر کے ایک طرف اپنی شجاعت و پرجگری کی دھاک بٹھائی اور دوسری طرف اسلام کو نمایاں فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔

عرض اللہ کی تائید و نصرت پیغمبرؐ کے استقلال و استقامت اور علیؑ مرتضیٰ کی جرات و نبرد آزمائی سے مسلمانوں کو ہزیمت کے بعد سرخروئی حاصل ہوئی اور پھر طاغوتی طاقتوں کو ان کے مقابلہ میں جتنا بڑی کی جرات نہ ہو سکی۔

بَابُ
فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

فِي كَيْفِيَّةِ مَا عَلِمَ
وَمَا عَلِمَ

محاصرۂ طائف

شہد بھری !

بنی ثقیف اور ان کے سردار مالک ابن عوف نضری نے حنین سے بھاگ کر طائف میں پناہ لی اور سال بھر کا سامان رسد اور آلات حرب و ضرب جمع کر کے قلعہ بند ہو گئے لشکر اسلام نے آنحضرتؐ کی سربراہی میں طائف کا رخ کیا اور قلعہ کے سامنے پڑاؤ ڈال کر انہیں محاصرہ میں لے لیا۔ دونوں طرف سے تیروں کا تبادلہ ہوتا رہا مگر مسلمان کھلے میدان میں پڑے تھے اور کفار قلعہ بند ہونے کی وجہ سے بڑی حد تک محفوظ تھے۔ انہوں نے قلعہ کے اوپر سے اس قدر تیسر برسائے کہ کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ جب دشمن کو زیر کرنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو سلمان فارسی نے منجنيق کے ذریعہ قلعہ کی دیوار پر سنگ باران کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ منجنيق کے ذریعہ پتھر برساکر قلعہ کی دیوار میں شکاف ڈال دیا۔ جب مسلمانوں نے اس شکاف کے راستے سے قلعہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو کفار نے دھمکتی ہوئی آہنی سلاخیں اوپر پھینکیں مسلمان فیور ہو کر پیچھے ہٹے اور قلعہ کو سر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسی دوران میں پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو طائف کے گرد و نواح میں جانے کے لئے کہا اور انہیں مامور فرمایا کہ جہاں کہیں تیرخانہ نظر آئے اسے مسمار کر دیں۔ حضرت علیؑ ایک دستہ سپاہ کے ساتھ چل دیئے ابھی رات کی تاریکی چھٹنے نہ پائی تھی کہ قبیلہ بنی خثعم کی طرف سے گزر ہوا انہوں نے مزاحمت کی اور ان میں کا ایک نامور جنگجو آگے بڑھ کر مبارزہ طلب ہوا۔ حضرت علیؑ نے اپنے ہمار ہیوں سے کہا کہ تم میں سے کوئی آگے بڑھ کر اسے ٹھکانے لگائے مگر کسی کو ہمت

نہ ہوئی۔ جب کوئی آمادہ نہ ہوا تو آپ خود تیار ہوئے۔ ابو العاص ابن ربیع نے آپ کو تیار ہوتے دیکھا تو کہا کہ آپ ٹھہریے میں جاتا ہوں۔ فرمایا اب مجھے ہی جانے دو۔ اگر میں کام آگیا تو اس دستہ کے سربراہ تم ہو گے۔ یہ کہہ کر حضرت اس پر جھپٹے اور پہلے ہی وار میں اسے قتل کر دیا۔

بنی خشم نے اسے قتل ہوتے دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے اور پھر کسی کو بھی مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ حضرت نے قدم آگے بڑھایا اور بنی ہوازن و بنی ثقیف کا جو بھی بت خانہ نظر آیا اسے توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دیا جب تمام علاقہ بتوں سے پاک ہو گیا تو واپس پلٹے۔ پیغمبر اکرم نے انہیں آتے دیکھا تو بلند آواز سے تکبیر کہی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشہ میں لے گئے اور دیر تک کچھ راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے کچھ لوگوں کو یہ راز دارانہ انداز گفتگو ناگوار ہوا۔

کہنے لگے : لقد طال نجواہ مع ابن عمہ
آج تو ابن عم سے سرگوشیوں کا سلسلہ دراز ہو گیا ہے۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا تو انہوں نے رسول اللہ سے بر ملا کہہ دیا آپ علیؑ سے خلوت میں باتیں کرتے ہیں اور ہمیں قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتے۔ فرمایا :۔

ما انتجیتہ و لکن اللہ انتجاء۔

میں نے علی سے راز کی باتیں نہیں کی ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے کی ہیں۔

(صحیح ترمذی۔ ص ۴۷۷)

انہی ایام محاصرہ میں نافع ابن عیلان بنی ثقیف کے چند سواروں کو لے کر قلعہ سے باہر نکلا۔ حضرت نے اس کا تعاقب کر کے طائف کی ایک وادی وچ میں اسے قتل کر دیا۔ اس کے قتل ہوتے ہی اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر محصورین میں سے کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہو سکی اس عرصہ میں طائف

کے اطراف میں رہنے والوں نے اسلام قبول کر لیا اور بنی ثقیف کے چند غلام بھی قلعہ سے باہر نکل کر آزادی کے وعدہ پر مسلمان ہو گئے۔ مسلمانوں کو محاصرہ کئے بیس دن سے زائد ہو چکے تھے اور ابھی تک قلعہ فتح ہوتا نظر نہ آتا تھا۔ آنحضرتؐ نے نوفل ابن معاویہ وکیلی سے محاصرہ کے طویل ہونے کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ لڑائی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے اگر چھوڑا انتظار کیا جائے تو اسے پکڑا جاسکتا ہے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو کسی ضرر کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے بنی ثقیف کو ان کی حالت پر چھوڑ کر محاصرہ اٹھالینا مناسب سمجھا اور اعلان فرمایا کہ کل ہم یہاں سے چل دیں گے چنانچہ دوسرے دن صحابہ نے محاصرہ اٹھا لیا اور واپسی کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عینہ ابن حصن فرازی نے جب مسلمانوں کو محاصرہ اٹھاتے اور بنی ثقیف کو اپنے تحفظ میں کامیاب ہوتے دیکھا تو بنی ثقیف کو اچھے الفاظ سے یاد کیا جس پر ایک شخص نے کہا کہ تم سپاہ اسلام میں شامل ہوتے ہوئے دشمن کی مدح و توصیف کرتے ہو۔ کہا:

انی والله ما جئت لاقاتل معكم ثقيفا ولكني اردت ان يلتحم محمد الطائف فاصيب من ثقيف جارية۔

خدا کی قسم میں اس لئے نہیں آیا تھا کہ تمہارے ساتھ مل کر بنی ثقیف سے لڑوں بلکہ میری غرض یہ تھی کہ محمد طائف کو فتح کر لیں گے تو میں بنی ثقیف کی کسی عورت کو کنیزی میں لے سکوں گا۔

رتاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۱۲۵۵

کچھ لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ بنی ثقیف کے لئے بد دعا ہی کرتے جائیے۔ آنحضرتؐ نے بد دعا کے بجائے یہ الفاظ فرمائے۔

اللهم اهد ثقیفا و انت بهم۔

خدا یا بنی ثقیف کو ہدایت فرما اور انہیں میرے پاس حاضر کر۔

(تاریخ کامل ج ۲۔ ص ۱۸)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی قبولیت تھوڑے ہی عرصہ بعد ظاہر ہو گئی اور بنی ثقیف کا ایک نمائندہ وفد مدینہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں مگر ہماری یہ استدعا ہے کہ تین برس تک بنی ثقیف کے بت لات کو توڑا نہ جائے۔ پیغمبرؐ نے اسے منظور کیا تو پھر دو سال پھر ایک سال اور پھر ایک ماہ کے لئے کہا مگر پیغمبرؐ نے ہر مرتبہ انکار کیا۔ کہا اگر آپ یہ نہیں مانتے تو کسی اور کو حکم دیجیے کہ وہ اسے توڑے ہم اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے آنحضرتؐ نے اسے منظور فرمایا پھر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ ہمیں نماز سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ فرمایا۔

جس دن میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

پھر انہیں تنبیہ و تہدید کرتے ہوئے فرمایا۔

لنسلمن اولاً بعث رجلاً منی اذ قال، مثل نفسی فلیضربن اعناقکم

ولیسببن ذراذیکم و یاخذن اموالکم

تم اسلام قبول کرو ورنہ میں اس شخص کو جو مجھ سے ہے (یا یہ فرمایا) کہ جو مثل میرے نفس کے ہے تمہاری طرف بھیجوں گا جو تمہاری گردنیں مارے گا تمہارے بچوں اور عورتوں کو اسیر کرے گا اور تمہارا مال و متاع چھین لے گا۔

(استیعاب ج ۲۔ ص ۱۴۷)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ آنحضرتؐ

میرے بارے میں فرمائیں کہ وہ یہ ہے مگر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر دوڑتے کہا " وہ یہ ہے، وہ یہ ہے "

اس وفد نے پلٹ کر اپنے قبیلہ سے یہ تمام گفتگو کی اور وہ سب کے سب غیر مشروط طور پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

اس ہم میں بھی امیر المومنینؑ دوسری مہموں کی طرح اپنی کارکردگی کے اعتبار سے ممتاز نظر آتے ہیں اور فریضہ جہاد کے ساتھ فریضہ تبلیغ کی انجام دہی میں بھی مستعد دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے محاصرہ کے دوران بنی ثقیف و ہوازن کے بتوں کو توڑا اور اطراف و جوانب کے لوگوں میں ذہنی تبدیلی پیدا کر کے انہیں اسلام کی پذیرائی کے لئے آمادہ کیا بنی ثقیف کے ایک جنگجو کو قتل کر کے انہیں پسپا ہونے پر مجبور کیا اور نافع ابن غیلان کو تہ تیغ کر کے بنی ثقیف کے سواروں کو مار بھگایا اور آخر میں انہی کے نام سے مرعوب و متاثر ہو کر انہوں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔

اس موقع پر امیر المومنینؑ کی فضیلت کے بعض پہلو بھی میسر درخشاں کی طرح عیاں ہیں۔ پیغمبرؐ نے انہیں راز کی گفتگو کا شرف بخشا جس کی اہمیت اسی سے ظاہر ہے کہ دوسروں کے چین بے چین ہونے پر آنحضرتؐ نے اس کی نسبت اللہ کی طرف دی کہ علیؑ صرف میرے رازوں کے امین نہیں بلکہ اللہ کے رازوں کے بھی امین ہیں اور پھر انہیں اپنے نفس کے مانند قرار دے کر دوسروں پر ان کی فضیلت کو واضح کیا۔ کیونکہ جو نفس مثل رسول ہو گا اس کی فوقیت بھی اسی طرح ناقابل انکار ہوگی جس طرح خود رسول اللہ کی فضیلت و فوقیت ناقابل انکار ہے۔

تقسیم غنائم

ذی قعدہ ۱۰ ہجری

جب پیغمبر اکرمؐ طائف سے پلٹ کر ۵ ذی قعدہ کو وادی جمرانہ میں قیام فرما ہوئے تو بنی ہوازن کا ایک وفد اسلام لاکر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ ہمارے اسیروں کو رہا کر دیا جائے۔ بنی سعد کے ایک رئیس زہیر ابن صرہ نے کہا کہ یا رسول اللہؐ ان قیدیوں میں آپؐ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں جنہوں نے آپؐ کو گودیوں میں کھلایا ہے۔ اگر کسی سردار عرب نے ہمارے قبیلہ کی کسی خاتون کا دودھ پیا ہوتا تو وہ یقیناً اس کا لحاظ کرتا اور حسن سلوک سے پیش آتا۔ آپؐ بھی ہم سے حسن سلوک کریں اور آپؐ سے بڑھ کر حسن سلوک کی کس سے امید کی جاسکتی ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب مسلمان جمع ہوں تو تم ان سے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں کہنا میں اس موقع پر اپنے اور اولاد عبدالمطلب کے حصہ میں آنے والے اسیروں کی رہائی کا اعلان کر دوں گا۔ چنانچہ جب مسلمان نماز ظہر سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے مسلمانوں! رسول اللہؐ نے ہمارے قبیلہ کی ایک خاتون کا دودھ پیا ہے تم ہمارے اسیروں کو چھوڑ دو۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میں اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ تمہیں بخشا ہوں۔

ہاجرین و انصار نے کہا کہ ہمارا مال رسول اللہؐ کا مال ہے ہم ان قیدیوں سے دستبردار ہوتے ہیں۔ البتہ اقرع ابن حابس عباس ابن مرداس اور عیینہ ابن حصن نے اس میں سے کچھ پس و پیش کیا۔ جب اسیر رہا ہو گئے تو آنحضرتؐ نے ارکان وفد سے مالک ابن عوف نصری کے بارے میں پوچھا کہ

وہ کہاں ہے کہ وہ بنی ثقیف کے ہمراہ طائف میں مقیم ہے۔ فرمایا کہ مالک کو پیغام بھیجو کہ اگر وہ یہاں آئے گا تو اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے جائیں گے جب مالک کو یہ پیغام ملا تو وہ چپکے سے راتوں رات نکل کھڑا ہوا اور جعرانہ میں پہنچ کر خدمت رسولؐ میں باریاب ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ پیغمبرؐ نے اس کا مال اور اس کے اہل و عیال اس کے سپرد کئے اور سوا ونٹ بھی عطا فرمائے۔

جب اسیران ہوازن کو واپس کر دیا گیا تو مسلمانوں نے مال غنیمت کی تقسیم پر اصرار کیا اور کہا یا رسول اللہؐ اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو ہمیں پر بانٹ دیجئے۔ پیغمبرؐ نے اجازت دی اور تقسیم شروع ہو گئی۔ آنحضرتؐ نے اپنے حصہ خمس میں سے تازہ مسلمانوں کو ان کی دلجوئی اور تالیف قلب کے لئے سو سوا ونٹ دیئے۔ ابوسفیان اور اس کے دونوں بیٹوں معاویہ اور یزید کو بھی سو سوا ونٹ دیئے۔ ان کے علاوہ اقرع ابن عیینہ ابن حصن اور کچھ اور لوگوں کو بھی سو سوا ونٹ ملے اور کچھ لوگوں کو پچاس پچاس۔ اور عام طور پر ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں دی گئیں۔ انصار کو بھی یہی کچھ ملا جس پر انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آنحضرتؐ نے اپنے قوم و قبیلہ والوں سے ترجیحی سلوک کیا ہے حالانکہ ہم نے اس وقت دست تعاون بڑھایا جب ان کا کوئی معاون و مددگار نہ تھا اور وہ قریش ہی تھے جو ان کی جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ کے کانوں تک انصار کا یہ شکوہ پہنچا تو انہیں جمع کر کے سمجھایا کہ ان لوگوں سے یہ برتاؤ محض اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ ثابت قدم رہیں اور بد دل ہو کر اسلام سے برگشتہ

نہ ہو جاتیں۔ اسے گروہ انصار تم اس سے خوش نہیں ہو کہ ان کے ہمرازہ اونٹ اور بکریاں ہوں اور تمہارے ہمراہ اللہ کا رسول ہو۔ یہ سننا تھا کہ انصار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہم اس تقسیم پر دل و جان سے راضی ہیں کہ ان کے حصہ میں مال دنیا ہو اور ہمارے حصہ میں آپ ہوں۔ آنحضرتؐ نے انصار کے اس رویہ سے خوش ہو کر ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

عباس ابن مرداس اسلمی بھی عام حصہ سے زیادہ کا خواہشمند تھا اور اس نے چند شکوہ آمیز اشعار کہہ کر اس تقسیم پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان میں سے دو شعر یہ ہیں :

وما كان حصن وحابس ليفوقان مرداس في المجمع
حصن اور حابس کسی بزم میں میرے باپ مرداس سے فائق نہ تھے۔
وما كنت أدون امر منهما ومن تضع اليوم لا يرفع
اور نہ میں ان دونوں رعینہ اور اقرع اسے پست ہوں آج جسے
آپ گرائیں گے وہ بلند نہ ہو سکے گا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا قطعوا عني لسانه "اس کی زبان قطع کرو" پیغمبرؐ کا مقصد یہ تھا کہ اسے کچھ اور دے کر اس کی زبان درازی ختم کی جاتے۔ مگر وہ یہ سمجھا کہ پیغمبرؐ نے اس کی زبان قطع کرنے کا حکم دیا ہے وہ یہ سزا سن کر کانپ اٹھا اور جب حضرت نے اسے اپنے ہمراہ چلنے کے لئے کہا تو اس نے پوچھا کہ آپ مجھے کہاں لئے جاتے ہیں؟ فرمایا رسولؐ خدا نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے۔ چنانچہ وہ آپ کے ساتھ ہولیا اور اس جگہ پر پہنچ کر جہاں غنیمت کے اونٹ چر رہے تھے۔

آپ نے کہا کہ ان اونٹوں میں سے اور اونٹ لے کر سو کی تعداد پوری کر
لو اور مولفۃ القلوب میں شامل ہو جاویا انہی چار اونٹوں پر قناعت کر
کے ہاجرین میں شامل رہو کہا کہ میرے پاس وہی چار اونٹ رہنے دیجئے
جو میرے حصہ کے ہیں یہ میں گوارا نہیں کر سکتا کہ زیادہ اونٹ لے کر مولفۃ
القلوب میں شمار ہونے لگوں۔

امیر المومنینؑ نے اس کے سامنے دونوں صورتیں اور ہر صورت میں
مرتب ہونے والا نتیجہ واضح کر کے اسے دے دیا کہ چاہے وہ شرف ہجرت
کو برقرار رکھے اور چاہے اس شرف سے دستبردار ہو کر اونٹوں کی گنتی
بڑھالے اگر حضرتؑ کچھ کہے سنے بغیر فوراً اونٹ اس کے حوالے کر دیتے
تو اسے مال کی طبعی محبت میں یہ نہ سو جھٹکا کہ یہ طمع اور حرص اسے کس پستی
میں لے جا رہی ہے مگر حضرتؑ نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر اسے یہ
سوچنے کا موقع دیا کہ وہ کون سی راہ عمل اختیار کرے وہ کہ جس میں بلندی
نفس برقرار رہتی ہے یا کہ وہ جس میں عزت نفس پامال ہو جاتی ہے چنانچہ
اسی احساس دلانے کا یہ اثر تھا کہ اس نے بلندی سے پستی میں گرنے
سے اپنے کو بچالیا اور چند اونٹوں کی خاطر مولفۃ القلوب میں شمار ہونا گوارا
نہ کیا۔

اس تقیم سے فارغ ہو کر پیغمبر اکرمؐ مکہ میں تشریف فرما ہوئے اور
مناسک عمرہ بجالائے۔ عتاب ابن اسید کو عامل مکہ مقرر کیا اور معاذ ابن
جبل کو قرآن و احکام شریعہ کی تعلیم پر مامور فرمایا اور مکہ سے روانہ ہو کر اہل
ذی الحجہ میں مدینہ پہنچ گئے۔

یمن میں نشر اسلام

شہ ہجری میں پیغمبر اکرمؐ نے خالد ابن ولید کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے یمن روانہ کیا جہاں ان لوگوں نے چھ مہینے قیام کیا۔ اور اس عرصہ میں وہاں کے باشندوں کو دعوت اسلام دیتے رہے مگر ان کی تبلیغی کوششیں بار آور نہ ہوئیں۔ نہ کسی نے ان کی باتوں پر کان دھرا اور نہ کسی نے کوئی اثر لیا۔ برابر ابن عازب جو اس جماعت میں شریک تھے وہ کہتے ہیں۔

بعث رسول اللہ خالد ابن الولید الی اهل الیمن یدعوہم الی الاسلام فکنت فیمن سار معہ فاقام علیہ ستۃ اشھر لا یجیبونہ الی شیء۔ رسول اللہ نے خالد ابن ولید کو اہل یمن کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ ان کے ساتھ جانے والوں میں میں بھی شامل تھا۔ وہ چھ مہینے وہاں ٹھہرے مگر کسی نے ان کی کوئی بات نہ مانی۔

(تاریخ طبری۔ ج ۲ ص ۳۸۹)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس تبلیغی مشن کی ناکامی کا علم ہوا تو آپ نے علی ابن ابی طالب کو اس فہریتہ کی انجام دہی کے لئے بھیجا۔ اور فرمایا کہ خالد اور ان کے ہمراہیوں کو واپس بھیج دو اور اگر کوئی اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ رہنا چاہیے تو وہ رہ جائے، برابر ابن عازب کہتے ہیں کہ میں نے واپس آنے کے بجائے حضرت کے ساتھ رہنا پسند کیا جب اہل یمن کو یہ اطلاع ہوئی کہ خالد اور ان کے ہمراہی واپس جا رہے

ہیں۔ اور حضرت علیؑ ایک داعی و مبلغ کی حیثیت سے آئے ہیں تو وہ سب ایک جگہ پر جمع ہو گئے۔ حضرت علیؑ نماز صبح سے فارغ ہو کر ان کے ہاں گئے اور رسول خدا کا خط جو اہل یمن کے نام تھا پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد اسلام کے محاسن پر ایک خطبہ دیا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ جو لوگ خالد کی چھ ماہ کی تبلیغ سے ٹس سے مس نہ ہوتے تھے اسلام کی خوبیوں کے مستغرق ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

مورخ طبری نے تحریر کیا ہے:-

اسلمت ہمدان کلہا فی یوم و احد۔

تمام قبیلہ ہمدان ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا۔

(تاریخ طبری ج ۲۔ ص ۱۳۹)

حضرت علیؑ نے پیغمبر اکرمؐ کو قبیلہ ہمدان کے اسلام لانے کی اطلاع دی تو آنحضرتؐ سجدہ شکر بجالائے اور تین مرتبہ فرمایا:-

اسلام علی ہمدان۔

ہمدان پر میرا سلام ہو۔

جنگ صفین میں یہ قبیلہ ہمدان حضرت علیؑ کا بازوئے شمشیر بن گیا تھا اور آپ نے ان کی جانفشانیوں اور معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر فرمایا تھا:-

ولو كنت بوابا على باب الجنة لقلت لهمدان ادخلوا بلادهم

اگر میں جنت کے دروازہ کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان سے کہتا کہ

سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

قبیلہ ہمدان کے اسلام کے بعد یمن میں اسلام کی ترقی و فروغ کی تمام راہیں کھل گئیں لوگ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے اور

دیکھتے ہی دیکھتے کفر کی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ آفتاب ہدایت کی درخشندگیوں سے ظلمت کدہ کفر میں اجالا ہو گیا۔ ہر طرف توحید کی صدا تیں گونجنے لگیں اور نسیم ایمان کے جھونکوں سے دل و دماغ تروتازہ ہو گئے۔

امارتِ مین

حضرت علیؑ کی ایک روزہ تبلیغ سے گواہل مین مسلمان ہو گئے مگر ابھی اسلام کی تعلیمات سے پوری طرح باخبر نہ ہوتے تھے اس لئے ضرورت تھی کہ انہیں حلال و حرام کی تعلیم دی جائے واجبات و محرمات بتائے جائیں اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کے مقدمات فیصل کئے جائیں آنحضرتؐ نے ان امور کو سرانجام دینے کے لئے حضرت علیؑ کو دوبارہ مین جانے کا حکم دیا۔ اس اہم منصب کے لئے ذہن رسا فکر بلند اور تجربہ و مہارت کی ضرورت ناقابل انکار ہے۔ حضرت علیؑ کی ذہنی و فکری بلندی سے توانکار نہیں کیا جاسکتا۔ مگر سرزمین حجاز سے باہر نکل کر اس طرح کے کام کا پہلا تجربہ تھا۔ اس لئے اس عظیم ذمہ داری کے قبول کرنے میں کچھ متردد ہوتے اور بغیر اکرمؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابھی میرا سن زیادہ نہیں ہے اور اس قسم کے کاموں سے نہ سابقہ پڑا ہے اور نہ ہی تجربہ ہے کیا کسی مشیر کار کے بغیر اس ہم کو سر کر لوں گا۔

آنحضرتؐ نے اپنا ہاتھ علیؑ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا۔

اللہ ماہد قلبہ و سد دلسانہ

اے اللہ علیؑ کے دل کو ہدایت آشنا اور زبان کو عیب و غلطی سے

پاک رکھ۔

(استیعاب - ج ۳ - ص ۳۶)

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی شک و تردد لاحق نہیں ہوا اور یقین و خود اعتمادی کا جو ہر میرے اندر پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر مہاجرین و انصار اور صحابہ کبار موجود تھے مگر حضرتؑ نے آپ کو جوانی کی منزل میں ہونے کے باوجود امارت یمن کے لئے نامزد کیا اس سلسلہ میں نہ کسی سے مشورہ لیا اور نہ کسی کی رائے دریافت کی اس لئے کہ پیغمبرؐ کو اعتماد و وثوق تھا کہ علیؑ اس منصب کے سزاوار ہیں اور جو کام انہیں سپرد کیا گیا ہے اسے باحسن و جودہ سرانجام دیں گے اسی اعتماد کی بنا پر پیغمبرؐ نے انہیں اپنی زندگی میں بھی امور امت کے حل و انصرام اور فصل قضایا کا کام سپرد کیا اور زندگی کے بعد کے لئے بھی ان امور کی انجام دہی آپ سے متعلق کر گئے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے :-

تبين لامتي ما اختلفوا فيه بعدى

(اے علیؑ! تم میرے بعد میری امت کے باہمی اختلافات کا تصفیہ

کر دو گے۔) (مسند رک حاکم ج ۳ ص ۱۲۲)

اگر امامت صلوٰۃ کو خلافت کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے تو امارت یمن سے حضرت علیؑ کے استحقاق خلافت پر کیوں دلیل قائم نہیں ہو سکتی جب کہ امامت نماز اور قیادت امت دو الگ الگ چیزیں ہیں اور امارت و خلافت کے فرائض ایک سے ہیں چنانچہ اسلامی تمدن کا تحفظ مملکت کا نظم و انضباط اور فصل قضایا ایسے امور ہیں جو امارت سے بھی وابستہ ہیں اور خلافت سے بھی۔ لہذا جسے امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا

اہل قرار دیا تھا اسے ہی خلافت کا اہل سمجھا جاسکتا ہے۔

سریہ وادی الرمل

وادی الرمل میں کچھ لوگوں نے جمع ہو کر مدینہ پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا ابھی وہ مناسب موقع کی تلاش میں تھے کہ ایک شخص کے ذریعہ پیغمبر اکرمؐ کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ یہ لوگ منظم اور باقاعدہ فوج کی صورت میں نہ تھے بلکہ راہزنوں اور قزاقوں کا ایک جتھا تھا۔ جو قتل و غارت اور لوٹ مار کے لئے جمع ہو گیا تھا۔

آنحضرتؐ نے انہیں پرانگندہ منتشر کرنے کے لئے حضرت ابو بکرؓ کو علم دے کر ایک دستہ سپاہ کے ساتھ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ جب یہ دستہ وادی الرمل میں پہنچا تو وہ کہیں گاہوں میں چھپ گئے۔ مسلمانوں نے ادھر ادھر دیکھا بھالا مگر ان میں سے کوئی دکھائی نہ دیا مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ وہ سپاہ اسلام کو دیکھ کر یہاں سے چل دیتے ہیں۔ مسلمان تھکے مارے تو تھے ہی رات بسر کرنے کے لئے وہیں پر اتر پڑے دشمن کی طرف سے مطمئن تو تھے ہی پڑ کر سو رہے ابھی سوتے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ دشمن نے کہیں گاہوں سے نکل کر اچانک حملہ کر دیا۔ سب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ہتھیار ٹٹولے اور پھر بھل کر کچھ دیر لڑے مگر نتیجہ میں کچھ لوگ مارے گئے کچھ زخمی ہوئے اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے

ان لوگوں کی واپسی پر آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو علم دے کر بھیجا دشمن کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اس نے فوج کو آتے دیکھا تو کہیں گاہوں

سے نکل کر حملہ آور ہوئے اور اس طرح تابڑ توڑ حملے کئے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے ان دو ہزیمتوں کے بعد عمرو ابن عاص نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں دشمن کی سرکوبی کے لئے جاؤں۔ آنحضرتؐ نے ان کی خواہش پر انہیں سردار لشکر بنا کر بھیجا مگر نتیجہ وہی ہوا جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ ان پے درپے ہزیمتوں کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو سالار لشکر بنا کر بھیجا اور ہزیمت خوردہ لوگوں کو بھی ان کی سپاہ میں شامل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؑ نے پہلے تو یہ کیا کہ وہ راستہ تبدیل کر دیا جس راستے سے پہلے لوگ گئے تھے اور پھر دن کا قیام اور رات کا سفر اختیار اور فاموشی سے آگے بڑھتے ہوئے اچانک دشمن کے سر پر پہنچ گئے ابھی سورج کی کرنوں نے ہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں کو چھوا نہ تھا کہ ان کے سروں پر تلواریں چمکنے لگیں۔ دشمن اس ناگہانی حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمان فتح کا پرچم لہراتے ہوئے مدینہ کی طرف چل دیئے پیغمبر اکرمؐ نوید فتح سن کر مدینہ سے باہر استقبال کے لئے نکلے اور فتح و کامرانی پر اظہار مسرت کے بعد فرمایا:-

یا علی لولا اننی اشفق ان تقول فیک طوائف من امتی ما قالت النصرانی فی المسیح عیسیٰ ابن مریم لقلت فیک الیوم مقالالا لاقمر ببلاد من الناس الا اخذوا التراب من تحت قدمیک۔

اے علیؑ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت کے کچھ لوگ تمہارے بارے میں وہ کہیں گے جو عیسائی حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں کہتے ہیں تو میں تمہارے بارے میں وہ بات کہتا کہ تم جدھر سے ہو کر گزرتے لوگ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی تک اٹھاتے۔ (ارشاد شیخ مفید ص ۶۷)

اس مہم کی کامیابی حضرت علیؑ کے تدبیر اور جنگی سوچ بوجھ کا نتیجہ تھی۔ انہوں نے سابقہ مہموں کی ناکامی کے وجوہ و اسباب پر نظر کی اور وہ طریقہ اختیار کیا جس کے نتیجہ میں کامیابی کی صورت با آسانی نکل سکتی تھی۔ پہلی مہم نے سستی و غفلت سے کام لیا اور دشمن کی قیام گاہ پر پہنچ کر یہ خیال نہ کیا کہ وہ یہیں اُس پاس چھپے ہوں گے وہ پہلے چھپنے کی جگہوں کو دیکھتے اور پھر سب کے سب سو نہ جاتے بلکہ کچھ سوتے اور کچھ جاگتے تاکہ بروقت دشمن کے حملہ کو روک سکتے اس طرف توجہ نہ دی گئی اور آخر اس غفلت کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اور دوسری اور تیسری سپاہ سے یہ غلطی ہوئی کہ اس نے وہی عام سارا سہ اختیار کیا جس پر دشمن کی نگاہیں برابر لگی رہتی تھیں امیر المومنینؑ نے جہاں راستہ تبدیل کیا وہاں سفر کے اوقات بھی بدل دیئے اور اس وقت حملہ کیا جب دشمن مطمئن اور اس کی آنکھوں میں رات کی نیند کا غماز باقی تھا تاکہ دشمن کے سنبھلنے سے پہلے جکڑ لیا جائے۔ اگر آپ بھی وہی طریقہ کار اختیار کرتے جو پہلے اختیار کیا جاتا رہا تھا تو پھر اس قدر آسانی سے کامیابی نہ ہوتی۔

سریہ بنی طے

فتح مکہ کے بعد خانہ کعبہ سے بتوں کا صفایا ہو چکا تھا۔ غزوہ طائف کے دوران بنی ثقیف و بنی ہوازن کے بت توڑے جا چکے تھے اور مختلف قبیلوں اور علاقوں کے منعم کدے ویران ہو چکے تھے مگر بنی طے کا بت خانہ ابھی جوں کا توں باقی تھا۔ جس میں فلس نامی بت ان کی عقیدت اور ارادت کا مرکز تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اسے بھی منہدم کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت علیؑ کو ربیع الآخرؓ ہجری کو بنی طے کی بستیوں کی طرف بھیجا تاکہ ان کے بت خانہ کو مسد کر دیں اور منعم پرستی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو خدا نے واحد کی پرستش کی دعوت دیں۔ حضرت علیؑ نے ڈیڑھ سو انصار کی جمعیت کے ساتھ بنی طے کی بستیوں کا رخ کیا۔ بنی طے کا سردار عدی ابن حاتم شکر اسلام کی آمد پر اپنے اہل و عیال کو لے کر شام کی طرف نکل گیا اور وہاں پناہ لے لی۔ حضرت علیؑ نے ملکہ آل حاتم پر حملہ کر کے ان کے بت خانہ کو پیوند زمین کر دیا۔ اس بت خانہ سے تین قیمتی زرہیں اور تین تلواریں رسوب مخدوم اور عیانی دستیاب ہوئیں۔ ان میں سے رسوب اور مخدوم عرب کی مشہور تلواریں تھیں۔ جنہیں حارث ابن ابی ثمر نے بت خانہ کی نذر کیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت سا مال غنیمت چنڈا سیر اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ حضرت علیؑ نے کچھ مال غنیمت شکر کار ہم پر حصہ رسدی تقسیم کر دیا اور بقیہ مال غنیمت اور اسیروں کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ان اسیروں میں حاتم کی بیٹی سفانہ بھی تھی جسے

مسجد سے متصل جہاں کنز میں ٹھہرائی جاتی تھیں ٹھہرایا گیا انہی ایام میں آپ کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا باپ مرچکا ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ مجھ پر احسان کیجئے اور مجھے چھوڑ دیجئے خدا آپ کو اس احسان کا بدلہ دے گا۔ فرمایا تم کون ہو؟ کہا کہ میں عدی بن حاتم کی بہن سفانہ ہوں۔ فرمایا وہی عدی جو اللہ اور اس کے رسول سے منہ موڑ کر چل دیا ہے اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے دوسرے دن پھر گزر ہوا تو اس نے رہائی کی التجا کی آپ نے وہی جواب دیا جو پہلے دے چکے تھے اور آگے نکل گئے۔ سفانہ کہتی ہے کہ اب مجھے رہائی سے ناامیدی ہو گئی۔ تیسرے دن جب رسول اللہ ادھر سے گزرنے لگے تو مجھے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ دو دفعہ میری التجا کو ٹھکرایا جا چکا تھا۔ میں ابھی یہ سوچ رہی تھی کہ کچھ عرض کروں یا خاموش رہوں کہ آنحضرت کے عقب سے ایک شخص نے مجھے اشارہ کیا کہ میں پیغمبر سے رہائی کے بارے میں پھر کہوں۔ میری ہمت بندھی اور میں نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے میری قوم میں رسوا نہ کیجئے میں بنی طے کے سردار حاتم کی بیٹی ہوں میرا باپ فیاض اور سخی تھا۔ قیدیوں کو چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور حاجتمندوں کی ضرورت پوری کرنا اس کا کام تھا۔ فرمایا کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ یہ اس باپ کی بیٹی ہے جو کریم اور بلند اخلاق کا مالک تھا۔ پھر سفانہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم چند دن صبر کرو۔ جب قابل اعتماد لوگ مل جائیں گے تو تمہیں ان کے ساتھ یہ حفاظت تمہارے عزیزوں تک پہنچا دیا جائے۔ سفانہ کہتی ہے کہ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کون تھا جس نے مجھے اشارہ کیا تھا کہ میں پیغمبر سے پھر درخواست کروں۔ مجھے بتایا گیا کہ وہ ابن عم رسول

علی ابن ابی طالب تھے۔ چند دنوں کے بعد بنی قضاہ کا ایک قافلہ مدینہ آیا۔ سفانہ نے پیغمبر اکرم سے عرض کیا کہ مجھے ان کے ساتھ جائیگی اجازت دی جائے۔ پیغمبر نے اس کے لئے زاد و راحلہ کا سر و سامان کیا اور چند پارچے دے کر اسے ان لوگوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

جب سفانہ اپنے بھائی عدی کے پاس شام پہنچی تو پہلے اس سے شکوہ کیا کہ تم مجھے تنہا چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ اور پھر حضرت علیؑ کے اشارہ کا جس کے نتیجہ میں رہائی نصیب ہوئی تھی اور پیغمبر اکرمؐ کے حسن سلوک کا ذکر کر کے کہا کہ میری رات یہ ہے کہ تم جلد ان کی خدمت میں پہنچ جاؤ اگر وہ بنی ہیں تو تمہیں ایمان لانے والوں کی صف اول میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔ اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو تم ان کے قرب سے دنیوی عفو و قار حاصل کر سکو گے۔ عدی کہتا ہے مجھے یہ راتے پسند آئی اور میں مدینہ کے لئے رولہ ہو گیا۔ جب میں مسجد نبویؐ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں بارپاب ہوا تو عرض کیا کہ میں عدی ابن حاتم ہوں۔ آنحضرتؐ میری آمد پر خوش ہوئے اور مجھے ساتھ لے کر گھر کی طرف چل دیتے۔ راستے میں ایک ضعیفہ کے کہنے پر ٹھہر گئے اور دیر تک اس کی داد فریاد سنتے رہے۔ میں نے دل میں کہا کہ ایسا آدمی جس میں ذرا سا شاہانہ رکھ رکھاؤ اور خوبونہ ہو وہ بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ اور جب میں ان کے ہمراہ گھر میں داخل ہوا تو میرے لئے اپنی مسند بچھادی اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے پھر اپنے دل میں کہا کہ یہ طرز عمل بھی شاہوں کا طرز عمل نہیں ہے۔ ابھی میں ذہنی طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اے عدی تم غنائم میں جو تھا حصہ لیتے ہو حالانکہ تمہارے مذہب عیسوی میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ شاید تم اس لئے

اسلام سے گریزاں ہو کر ہمارے ہاں غربت ہے اور گرد و پیش دشمنوں کی کثرت ہے۔ مگر یہاں بھی مال کی اتنی فراوانی ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی لینے والا نہ ملے گا۔ عورتیں گھروں سے تین تہا زیارت بیت اللہ کے لئے آئیں گی اور انہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا اور تم سنو گے کہ بابل کے قصر ابیض مفتوح ہو کر مسلمانوں کو جو لالہ گاہ بن گئے ہیں۔

عدی نے اپنی آنکھوں سے اس خلق مجسم کے اخلاق و اطوار دیکھے اور دل میں اتر جانے والی باتیں سنیں تو اسی وقت آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے مسلمان ہو گیا اور پھر امیر المومنینؑ کے اصحاب فاضلین میں شامل ہو کر جبل و صفین اور نہروان کے معرکوں میں آپ کے ہمراہ رہا۔

غزوہ تبوک

شام کے ایک کاروان تجارت کے ذریعے مدینہ میں یہ خبر پھیل گئی کہ قصیر روم ہرقل مدینہ پر فوج کشی کر رہا ہے اور عیسائی قبائل بنی غسان بنی لخم بن بنو ام اور بنی عاملہ اس کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے ہیں اور بنی غسان نے اپنی مملکت شام کو چھاؤنی قرار دے کر روم و شام کی فوجوں کو جمع کر لیا ہے اور مقدمۃ الجیش بقاء کے حدود تک پہنچ چکا ہے۔ آنحضرتؐ نے ان اطلاعات کی بناء پر مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمانوں نے اب تک جتنی جنگیں لڑی تھیں وہ اندرون ملک تک محدود تھیں۔ اور کسی بیرونی غنیمت سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی تھی۔ اور یہ جنگ نہ صرف بیرون ملک لڑی جانے والی تھی بلکہ اس دور کی سب سے بڑی شہنشاہیت سے تھی جس کی فتوحات کا سلسلہ فارس تک پہنچا ہوا تھا۔ انہوں نے پیغمبر کا حکم سنا تو جوش و سرگرمی کے بجائے افسردگی و بددلی کا مظاہرہ کیا۔ اس بددلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ عرصہ سے خشک سالی کے باعث پیداوار کم ہو رہی تھی فصلیں تیار کھڑی تھیں اور کٹائی کے دنوں میں پچی ہوئی کھیتوں اور پھلوں سے لڑے ہوئے درختوں کو چھوڑ کر سفر جنگ پر نکلنا شاق گزرتا ہی تھا۔ اس کے علاوہ ٹرائے کی گرمی پڑ رہی تھی۔ دور کا سفر اور سواروں کی بڑی قلت تھی۔ مسلمان ان صبر آزمایاں میں جی چھوڑ بیٹھے اور جنگ سے بچنے کے لئے جیلے بہانے کرنے لگے۔

قرآن مجید میں ان لوگوں کے بارے میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ الْفُرُوفُ سَبِيلُ
اللَّهِ أَتَأْتِلُوهَا إِلَى الْأَرْضِ رَضِيَةً بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ.

اے ایمان لانے والو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ
اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو تو تمہارے قدم زمین میں گمڑ جاتے ہیں۔ کیا آخرت
کے بجائے تم اسی دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو۔

جب تہدیدیں آیتوں کے ذریعہ مسلمانوں پر دباؤ پڑا اور انہیں قدم بڑھانے
بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا تو کچھ خوش خوش اور کچھ مارے بندھے اس مہم پر
جانے کے لئے اور آمادہ ہو گئے اور کچھ جھوٹی سچی باتیں بنا کر گھروں کے گوشوں
میں پڑے رہے۔ آنحضرتؐ نے مدینہ و اطراف مدینہ سے مالی و فوجی کمک لے
کر تیس ہزار کا لشکر ترتیب دیا اور راہِ جبہؓ میں مدینہ سے حرکت کی اور
ثنیۃ الوداع میں پہلا پڑاؤ ڈالا۔ عبد اللہ ابن ابی بھی اپنے گروہ کو لے کر نکلا اور
ثنیۃ الوداع کے نشیبی حصہ میں خیمہ زن ہوا مگر جب رسول اللہؐ کو لے کر
آگے بڑھے تو وہ اپنی جماعت سمیت واپس آگیا۔

مسلمانوں کی اس عظیم اکثریت کے چلے جانے کے بعد ان منافقین سے
جو مدینہ میں رہ گئے تھے یا منزل پر پہنچنے سے پہلے راستے ہی سے واپس آ رہے
تھے یہ قوی اندیشہ تھا کہ اگر سپاہ اسلام کو شکست ہوئی جیسا کہ عبد اللہ ابن ابی
کا خیال تھا یا سفر کی مدت طویل ہو گئی تو آنحضرتؐ کا گھر بار لوٹ لیں گے اور
ان کے اہل و عیال کو شہر سے باہر نکال دیں گے اسی طرح ان لوگوں سے بھی
خطرہ تھا جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے یا اہل اسلام کے مقابلہ میں شکست کھا
چکے تھے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ پر تاخت و تاراج کریں

اور اسلامی دارالسلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر تدبیر و دوراندیشی کا تقاضا یہ تھا کہ مدینہ کے اندر ایک ایسے شخص کو نگران کے طور پر چھوڑا جائے۔ جو بہادر نڈر اور دشمن کے عزائم کو کھینچے پر قادر ہو۔ چنانچہ اسی ضرورت کی بناء پر پیغمبر اکرم حضرت علیؑ کو جو اپنے زور بازو کی دھاک عرب پر بٹھا چکے تھے۔ اپنا قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑ گئے تاکہ کفر و نفاق کی طاغوتی طاقتوں کو ابھرنے کا موقع نہ ملے۔ اور اگر کچھ فتنہ پرداز فتنہ برپا کرنا چاہیں تو انہیں کچل کر رکھ دیا جائے۔ منافقین مدینہ کو حضرت کی یہ موجودگی بری طرح کھلی۔ وہ کوئی بات نہ بنا سکے تو یہ کہنے لگے۔

ماخلفہ الا استتقالا له و تخفقا مہ۔

پیغمبر انہیں بار خاطر سمجھتے ہوئے اور اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔
 (تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۶۸)

حضرت علیؑ جو کفار کو سپہم شکست دیتے چلے آہے تھے اس غزوہ میں اپنی عدم شمولیت کو محسوس تو کر ہی رہے تھے جب منافقین کی زبان سے یہ طنزیہ بات سنی تو آپؐ سے رہا دگیا فوراً ہتھیار سجے اور لشکر کے عقب میں چل دیئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر وادی جرف میں پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ علیؑ کیسے آئے؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ منافق یہ کہتے ہیں کہ آپؐ مجھے بار خاطر سمجھتے ہوئے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں اور وہ اس سے پہلے بھی مجھ پر جھوٹ باندھتے رہے ہیں۔ میں تمہیں مدینہ اس لئے چھوڑ جاتا ہوں کہ اس کا نظم و ضبط میرے یا تمہارے بغیر برقرار نہیں رہ سکتا اور تم میرے اہلیت اور میری امت میں میرے جانشین و قائم مقام ہو۔

اما ترضی ان تكون منی بمنزلة هارون من موسى الا انه

لاہنی بعدی -

کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہو جو مارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے نوید سن کر خوش خوش مدینہ واپس چلے آئے۔ اور پیغمبر اکرمؐ لشکر کو لے کر مدینہ شام کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس راہ میں قوم ثمود کی ویران بستیاں پڑتی تھیں۔ جب پیغمبر اس زمین پر پہنچے تو لشکر والوں کو حکم دیا کہ وہ یہاں کے کنوؤں سے پانی نہ لیں نہ اس سے وضو کریں اور نہ کھانے پینے کے کام میں لائیں۔

اور جب وہاں کے کھنڈروں پر نظر پڑی تو اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور سواری کو مہینہ کر کے تیزی سے آگے نکل گئے۔ دوسرے دن مسلمانوں کے پاس پانی نہ رہا تو انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ آپ نے ہمیں پانی لینے سے منع کیا تھا اب اس صحرائے بے آب میں پانی کہاں سے آئے گا۔ آنحضرتؐ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دعا کے ختم ہوتے ہی افق پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ لشکر والوں نے پانی پیا اور اپنے مشکیزے بھر لئے۔

یہ خشک اور بے آب صحراؤں کا طویل سفر انتہائی تکلیف تھا۔ پندرہ بیس آدمیوں میں ایک سواری آتی تھی جس پر باری باری سوار ہوتے اور زیادہ مسافت پیادہ پاٹے کرتے۔ بریٹ بھرنے کے لئے سوکھے ٹکڑے میسر نہ تھے اور پانی بڑی مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ ان صعوبتوں کو جو لوگ برداشت نہ کر سکتے وہ واپس چلے جاتے۔ آنحضرتؐ کو ان جانے والوں کی اطلاع دی جاتی تو فرماتے اگر ان میں بھلائی ہوگی تو پلٹ آئیں گے۔ اور اگر نہیں تو ہمارے سر سے بوجھ اترا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اونٹ کے خستہ ہو جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تو لوگوں

نے ان کے بارے میں بھی کہا کہ یا رسول اللہ ابوذر بھی گئے۔ آپ نے ان کے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ اگر ان میں نیکی کا جذبہ ہوگا تو وہ تم سے اکمل جائیں گے ادھر حضرت ابوذر نے جب یہ دیکھا کہ اونٹ چلنے سے رہ گیا ہے تو انہوں نے اپنا سامان اپنی پشت پر لا دیا اور پیادہ پا چل دیئے۔ شکر کے کچھ آدمیوں نے دُور سے آتے دیکھا تو کہا یہ کون ہو سکتا ہے جو اکیلا چلا آ رہا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوذر ہوں گے۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو کہا ہاں یا رسول اللہ ابوذر ہی ہیں۔

فرمایا۔

یرحمہ اللہ ابوذر ہمیشی وحدۃ ویسوت وحدۃ ویبعث وحدۃ
 ”خدا ابوذر پر رحم کرے وہ اکیلے آ رہے ہیں اور اکیلے مریں گے اور
 اکیلے ہی قیامت میں اٹھائے جائیں گے۔“

(تاریخ طبری، ج ۲، ص ۳۷۱)

جب شکر اسلام تبوک میں پہنچا تو وہاں پر پڑاؤ ڈال دیا۔ مگر دُور دور تک نہ رومی حاکم نظر آئے اور نہ ایسے آثار دکھائی دیئے جن سے دشمن کے جنگی عوام کی نشاندہی ہوتی۔ پیغمبرؐ نے بیس دن وہاں قیام کیا مگر کسی سمت سے فوجوں کی نقل و حرکت کی خبر نہ آئی اور شاہی تہار کی پھیلائی ہوئی خبر بے حقیقت اور ان کی غلط خیالی و غلط فہمی کا نتیجہ ثابت ہوئی۔

اس عرصہ میں آنحضرتؐ نے اطرافِ جوانب کے سرداروں کے پاس دُور بھیجے کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دے کر اسلامی رعایا میں داخل ہوں ایلہ کا سردار یوحنا ابن ربوہ آنحضرتؐ کے آنے کی خبر سن کر فوراً حاضر ہو گیا اور تین سو دینار جزیہ پر اس نے مصالحت کر لی اسی طرح جرأذہج اور مقتنا کے عیسائی جزیہ پر راضی ہو گئے اور پیغمبرؐ کو امان نامے حاصل کر لئے۔ دومۃ الجندل کے

حاکم الکدرا بن عبد الملک کو اسیر کر کے لایا گیا اور آخر اس نے بھی جزیہ قبول کر کے رہائی حاصل کر لی۔ جب پیغمبر اکرم ﷺ دشمن کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو لشکر کو واپس مدینہ جانے کا حکم دے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ لشکر بھی اٹھ کھڑا ہوا اور مدینہ کی طرف راہ سپار ہو گیا۔ مدینہ و تنوک کی گزر گاہ میں ایک وادی پڑتی تھی جس کا نام مشفق تھا۔ یہاں ایک چشمہ تھا جس سے پانی کم مقدار میں رستا تھا۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ جو لوگ وادی مشفق میں ہم سے پہلے پہنچیں وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے پانی نہ پیئیں۔ مگر چند آدمی جو پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے تمام پانی جو جس رس کو جھری میں پہنچ چکا تھا ختم کر ڈالا۔ جب پیغمبر وہاں آئے تو دیکھا کہ گڑھا خالی پڑا ہے پوچھا کہ یہاں پہلے کون آیا تھا؟ لوگوں نے پہلے آنے والوں کے نام لے کر آنحضرت نے فرمایا کیا ہم نے منع نہیں کیا تھا کہ جب تک ہم نہ آجائیں اس میں سے پانی نہ لیں۔

علامہ طبری لکھتے ہیں۔

ثم لعنهم رسول الله ووعا عليهم۔

”پھر رسول اللہ نے ان پر لعنت اور انہیں بددعا دی۔“

تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۴۳

آنحضرت نے پانی کی کمی کو دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اس رستے پر پانی کے نیچے اوک کی صورت میں پھیلا دیا۔ جب ہاتھوں میں پانی بھر گیا تو دعا پر اس میں اندر لیا دیا۔ دعا نے اپنا اثر دکھایا زمین کے بندھن ٹوٹے پانی جوش مارتا ہوا پھوٹ نکلا۔ اور خشک لبوں کی سیرابی کا سامان ہو گیا۔

اس واقعہ کے موقع پر ایک اور افسوس ناک واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جب پیغمبر اکرم ﷺ ذی قفق کے قریب پہنچے تو اس خیال سے کہ پہاڑیوں کے

بیچ میں سے ہو کر گزرنے والا راستہ پر بیچ، تنگ اور انتہائی خطرناک ہے
اگر سواری دوسری سواریوں کو دیکھ کر بھڑک اٹھی تو رات کے اندھیرے میں
کسی کھڑیں گرنے کا قوی اندیشہ ہے۔ آنحضرت کی طرف سے اعلان ہوا کہ
کوئی شخص اس گھاٹی پر سے نہ گزرے۔ جب تک رسول اللہ کی سواری گزرنے
جائے۔ مگر کچھ لوگوں نے مل کر منصوبہ بنایا کہ آنحضرت کی سواری کو بھڑکا دیا
جائے۔ چنانچہ پیغمبر ناقہ پر سوار مذمیر ابن یمان مہارت حملے اور عمار ابن یاسر بھی
ہنکاتے ہوئے آئے بڑھ رہے تھے کہ بجلی کے کوندے میں بارہ سوار دکھائی دیے
جو چہروں پر نقاب ڈالے گھاٹی کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ حذیفہ نے آنحضرت
کو ادھر متوجہ کیا۔ آپ نے ان لوگوں کو ڈانٹا ڈپٹا اور حذیفہ اور عمار نے ان کے
اذنوں کو مار پیٹ کر انہیں بھگادیا۔ آنحضرت نے حذیفہ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا
کہ یہ کون لوگ تھے؟

حذیفہ نے عرض کیا کہ میں نے نہیں پہچانا۔ فرمایا کہ یہ منافق ہیں اور ہمیشہ منافق
رہیں گے۔ یہ اس ارادہ سے آئے تھے کہ میری سواری کو بھڑکائیں اور اس طرح
میرا فائدہ کر دیں۔ پھر آپ نے حذیفہ کو ایک ایک کا نام بتایا اور انہیں تاکید کی کہ
ان ناموں کو پردہ اخفا میں رکھیں۔ مگر اس تاکید کے باوجود بعض لوگوں کے
نام چھپ نہ سکے اور موقع بہ موقع ظاہر ہوتے رہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ امام حسن نے معاویہ ابن ابی سفیان سے فرمایا:-

یوم دقنوا الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فی العقبۃ لیستنفروا
ناقۃ کانوا انشی عشر رجلا منہم ابو سفیان۔

تمہیں وہ دن یاد ہو گا کہ جب کچھ لوگ گھاٹی میں رسول اللہ کے ناقہ کو بھڑکانے
کے لئے جمع ہوئے تھے جو تعداد میں بارہ تھے اور ان میں ایک ابو سفیان

بھی تھے۔

(شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۱۰۳)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو کچھ بد باطن لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے تاکہ بیمار اور لاچار جو بارش اور سردی کے دنوں میں دور نہیں جاسکتے وہاں نماز پڑھ لیا کریں۔ آپ وہاں چل کر نماز پڑھا دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت آمادہ سفر ہوں کسی دوسرے موقع پر دیکھا جائے گا۔ جب آپ تبوک کی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ کے قریب مقام ذی اوان میں پہنچے تو یہ آیت نازل ہوئی

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضَوًّا وَاكْفَرُوا وَلَفَّزُوا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ -

”اور وہ لوگ بھی منافق ہیں جنہوں نے نقصان پہنچانے کفر کرنے اور مومنوں میں بھوٹ ڈولانے کی غرض سے مسجد کی بنا ڈالی ہے۔“

آنحضرتؐ نے مالک ابن دثیم اور معن ابن عدی کو حکم دیا کہ وہ فوراً اس نو تعمیر مسجد کو گرا کر نذر آتش کر دیں جو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے تعمیر کی گئی ہے چنانچہ اس مسجد کو جلا دیا گیا۔

یہ مہم مسلمانوں کے لئے ایک سخت آزمائش تھی جس کا دینے والی گرمی میں باغوں کے رسیدہ پھلوں اور اہل ہاتھ کھیتوں کی پیداوار کو چھوڑ کر ریگزاروں اور تپتے صحراؤں میں راہ پیمایا ہوا آسان مرحلہ تھا۔ اس مرحلہ میں وہی لوگ ثابت قدم رہ سکتے تھے جو آخرت کی سرخوردگی پر دنیا کی ہر نعمت اور راحت کو قربان کر سکتے تھے اور وہ لوگ جو دنیوی مفاد کی خاطر یا اسلام کی سطوت و شوکت سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے تھے ان سے یہ توقع ہی ہے سو تجھی کہ وہ اسلام کی سربلندی

کی خاطر اپنی جان جو کھوں میں ڈالیں گے۔ چنانچہ اس موقع پر منافقوں نے
 اپنے باطنی عناد کا ثبوت دیا۔ جیلے بہانے کر گھروں میں پڑے رہے اور دُور
 کی ہمت شکنی کرتے رہے اب تک تو وہ اپنے کفر و نفاق کی دبیز تہوں میں چھپاتے
 آرہے تھے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہے تھے مگر اس موقع پر ان کی
 دلی حالت اور اندرونی کیفیت بے نقاب ہو گئی۔ اسی بناء پر اس مہم کو مغرورہ نام
 بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی قلبی کھل گئی اور انہیں فضیحت و رسوائی کا سامنا کرنا
 پڑا۔ وہ اس موقع پر اپنے نفاق کو مخفی بھی رکھنا چاہتے تو مخفی نہ رکھ سکتے تھے کیونکہ
 نفاق اسی صورت میں چھپا رہا تھا جب گھروں کو خیر باد کہہ کر نکل کھڑے ہوتے
 اور دشمن کی کثرت و قوت سے آنکھ بند کر کے چل پڑتے۔ مگر یہ ان کے لب کی بات
 نہ تھی کیونکہ ایمان نہ ہو تو دین کی خاطر اس قسم کے خطرات کی طرف قدم بڑھا نہیں کرتا
 اگرچہ وہ بعض مصالح کے پیش نظر جنگوں میں شریک ہوتے رہے تھے مگر جان
 کا خطرہ نظر آتا تھا تو بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور یہاں وطن سے کوسوں دور
 جانے کی وجہ سے رو بفرار ہونے کی کوئی صورت نہ تھی اور پھر اس لئے بھی انہیں اپنے
 اصلی روپ میں سامنے آنا پڑا کہ وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ مسلمان ہر کمیت اٹھائے بغیر
 نہیں رہیں گے۔ کیونکہ اب مقابلہ یہاں کے منتشر و پراگندہ لوگوں سے نہیں ہے بلکہ
 روم ایسی عظیم سلطنت سے ہے جس کے سامنے بڑی بڑی طاقتیں ہتھیار ڈال
 چکی ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کے لئے جن کی شکست آنکھوں کے سامنے اپنے آپ
 کو کیوں خطرہ میں ڈالا جائے اس لئے کہ انسان خطرہ مول لینے کے لئے اسی
 صورت میں تیار ہوتا ہے جب اسے دنیوی فوائد نظر آ رہے ہوں یا اسے ایمان
 کا سہارا ہو اور جب کوئی فائدہ بھی نظر نہ آتا ہو اور ایمان سے بھی تہی داماں ہو تو غلص
 مسلمین میں شمار ہونے کی خاطر جان کا خطرہ کیوں مول لے۔ یہ لوگ اگرچہ رسول اللہ

کی مصاحبت میں رہے مگر دل میں نفاق لے کے رسول اللہ کے پہلو میں بیٹھ جانا مفید نہیں ہو سکتا۔ جب تک زبان سے نکلی ہوئی صدا دل کی آواز سے ہم آہنگ نہ ہو اور دل کی آواز کا اثر عمل و کردار سے ظاہر نہ ہو۔
اکبر الہ آبادی نے سچ کہا ہے۔

آمنوا میں تو سب سے ہیں آگے اعملوا الصالحات مشکل ہے
غزوہ تبوک ہی ایسا غزوہ ہے جس میں فاتح بدو حنین علی مرتضیٰ شریک نہیں ہوئے۔ مگر یہ عدم شرکت جنگ سے جی چلنے اور جہاد سے پہلو تہی کرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حکم رسول ہی یہ تھا کہ آپ مدینہ میں قیام فرما رہیں ریاست کا نظم و نسق سنبھالیں اور ان تمام فرائض کو انجام دیں جو آنحضرت کی موجودگی میں خود ان پر عائد ہوتے تھے۔ یہ بھی جہاد کی طرح کا ایک فرض تھا جسے آپ نے پوری فرض شناسی کے ساتھ انجام دیا اور اپنی انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر نظم و ضبط برقرار رکھا۔

پیغمبر اکرم جب کسی غزوہ یا مہم پر تشریف لے جاتے تھے تو کسی نہ کسی کو مدینہ کا نگران مقرر کر جاتے تھے۔ اور اسے ایک عام دہائی و عامل کی حیثیت دی جاتی تھی مگر اس تقرری کی نوعیت عام حکام و دولہ کی تقرری سے جدا گانہ تھی۔ چنانچہ اسی جدا گانہ حیثیت کو واضح کرنے کے لئے آنحضرت نے فرمایا کہ اے علی تمہاری منزلت میرے نزدیک وہ ہے جو ہارون کی مولیٰ کے نزدیک تھی اور ہارون کی منزلت یہ تھی کہ وہ مولیٰ کے وزیر قوت بازو نبوت میں شریک کار اور خلیفہ و جانشین تھے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت مولیٰ کی دعا کے سلسلہ میں ارشاد ہے۔
واجعل لی وزیرا من اہلی ہرون اخی اشد دہ از دی و

واشترک فی امری۔

میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنانے اور اس کے
ذریعہ میری پشت قوی کر اور اسے میرے کاموں میں میرا شریک بنانے
دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

وقل موسیٰ لاجیه ہارون اخلقی فی قومی

”موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے جانشین ہو
پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو مثیل ہارون قرار دے کر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح
حضرت ہارون موسیٰ کے وزیر اور خلیفہ تھے اسی طرح علیؑ میرے وزیر اور خلیفہ ہیں اور
ان تمام مدارج پر فائز ہیں جن مدارج پر ہارون فائز تھے۔ اور چونکہ حضرت ہارون
نبی بھی تھے اس لئے لابی بعدی کہنے کو نبوت کا استثناء کر دیا جب باستثنائے
نبوت تمام مدارج و خصائص میں حضرت کو مثیل ہارون قرار دیا گیا ہے تو پھر
ان کے علاوہ کسی اور کو مثیل موسیٰ کا وارث و جانشین تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ
کہنا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو طور پر جاتے وقت اپنا نائب بنایا تھا
جو ایک محدود عرصہ کے لئے وقتی و ہنگامی نیابت تھی اسی طرح حضرت علیؑ کی نیابت
بھی وقتی تھی۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کسی اور کو نائب کیوں نہ
بنائے۔ ظاہر ہے کہ یہ انتخاب حضرت ہارون کی اہلیت اور امت پر برتری کی بنا
پر تھا۔ اور انہی سے اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآہونے کی توقع کی
جاسکتی تھی۔ اگر وہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں انتقال نہ کر جاتے تو وہی ان کے
خلیفہ و جانشین ہوتے اس لئے کہ جو زندگی میں اپنے کو نیابت و قائم مقامی کا
اہل ثابیت کر چکا ہو اگر وہ زندہ رہتا تو کسی کو اس کی نیابت کے تسلیم کرنے میں
عذر نہ ہوتا۔ اسی طرح حضرت علیؑ کی نیابت پیغمبرؐ کی زندگی ہی سے وابستہ نہ تھی کہ

اسے وقتی و عارضی کہہ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر یہ نیابت وقتی و ہنگامی ہوتی تو لابی بعدی کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ انہیں اپنی زندگی کے بعد کے لئے بھی نامزد کر رہے تھے۔

تبلیغ سورۃ برآۃ

سبحری!

عرب کے کفار و مشرکین خاد کعبہ کا حج کیا کرتے تھے اور فتح مکہ کے بعد بھی وہ حج کے لئے آتے اور اپنے طریقہ پر حج بجالاتے رہے۔ ان کے مراسم حج میں عربیوں طواف کی بھی ایک اخلاق سوز رسم تھی جس کا انسداد ضروری تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے اب تک انہیں طواف اور دوسرے ارکان حج کی بجا آوری سے منع کیا تھا مگر جب سورۃ برآۃ کی ابتدائی آیتیں کفار و مشرکین سے اظہار بیزاری کے سلسلہ میں نازل ہوئیں تو حکم خداوندی کے پیش نظر انہیں روکنا ضروری ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے وہ آیتیں دے کر پہلے حضرت ابو بکرؓ کو مکہ بھیجا اور پھر ان کے عقب میں حضرت علیؓ کو اپنے ناقہ عضباء پر سوار کر کے روانہ کیا۔ تاکہ وہ کفار و مشرکین کو یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ حضرت علیؓ تیزی سے ناقہ کو ہنکاتے ہوئے ان تک پہنچ گئے اور کہا کہ مجھے پیغمبرؐ نے حکم دیا ہے کہ میں تم سے آیتیں لے لوں اگر تم چاہو تو میرے ساتھ مکہ چلو ورنہ یہیں سے مدینہ واپس چلے جاؤ۔

ابن ابییر نے تحریر کیا ہے:-

بعث النبی ببرأۃ مع ابی بکر ثم دعاہ فقال لا ینبغی
لاحد ان یشیع ہذا الا رجل من اہلی فدا علیا و
اعطاھا ایاھا۔

ہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو سورہ برآۃ دے کر بھیجا پھر انہیں واپس
بلایا اور فرمایا کہ اس کی تبلیغ کے لئے وہ شخص مناسب ہے جو میرے گھروالوں
میں سے ہو۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو بلایا اور وہ آئیں ان کے حوالے کیں۔

(جامع الاصول - ج ۹ ص ۴۵۵)

علامہ طبری نے اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے لکھا ہے وہ تحریر کرتے ہیں۔
بعث بہن رسول اللہؐ مع ابی بکر وامرہ علی الحج
فلما سار قبلہ الشجرۃ من ذی الحلیفۃ اتبعہ بعلی فاخذھا
منہ فرجہ ابو بکر الی النبی فقال یا رسول اللہ باجی
انت وای انزل فی شافی شئی قال لا ولکن لا یشیع عنی
غیر اورجل منی۔

رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو سورہ برآۃ کی آیتیں دے کر بھیجا اور
انہیں امیر حج مقرر کیا۔ جب وہ وادی ذی الحلیفہ میں مسجد شجرہ تک پہنچے تو ان
کے پیچھے علیؓ کو روانہ کیا جنہوں نے آیتیں ان سے لے لیں۔ حضرت ابوبکرؓ پیغمبرؐ
کے پاس واپس چلے آئے۔ اور کہا یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا
کیا میرے بارے میں کچھ نازل ہوا ہے فرمایا نہیں لیکن ان آیتوں کی تبلیغ مجھ سے
متعلق ہے یا اس سے جو مجھ سے ہو۔

(تاریخ طبری - ج ۲ ص ۳۸۳)

امیر المومنین نے مکہ پہنچ کر عرفات مشعر اطرام اور منیٰ میں کھڑے ہو کر ان

آیتوں کی تلاوت کی اور اعلان فرمایا کہ جن مشرکین نے بدعہدی کی ہے ان سے
کئے ہوئے معاہدے چار ماہ کے بعد ختم ہو جائیں گے۔ اور کوئی کافر و مشرک
ایمان لاتے بغیر خانہ کعبہ کے حدود میں آنے والے طواف کرنے اور حج بجالانے
کا مجاز نہ ہوگا لہذا سال آئندہ کوئی کافر و مشرک یہاں نہ آئے۔ اس اعلان سے
کفار و مشرکین کی پیشانیوں پر بل پڑے مگر کسی کو روکنے ٹوکنے کی جرأت نہ ہو
سکی۔ بلکہ اسلام کے تسلط و اقتدار کے آگے بے بس ہو کر اسلام کی آرٹیلری پر
مجبور ہو گئے۔

علامہ طبری نے لکھا ہے:-

فرجع المشركون فلام بعضهم بعضا وقالوا ما تصفون
قریش فاسلموا۔

مشرکین ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہوئے واپس ہوئے اور کہنے لگے کہ
اب جب قریش مسلمان ہو چکے ہیں تمہارے لئے چارہ کار ہی کیا ہے۔ چنانچہ وہ بھی
مسلمان ہو گئے۔

(تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۳)

یہ کام اتنا آسان نہ تھا جتنا آسان نظر آتا ہے۔ مشرکین سے معاہدے ختم کرنے
بارہے تھے۔ حج اور مسجد الحرام میں داخلہ سے انہیں روکا جا رہا تھا اس صورت
میں ممکن تھا کہ وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آئے یا درپردہ سازش کر کے درپے
ایذا ہوتے۔ انہی خطرات کے پیش نظر آنحضرتؐ حضرت علیؓ کی طرف سے متفکر اور
ان کی واپسی کے بڑی بے چینی سے منتظر تھے۔ جب حضرت ابوذرؓ نے آپؐ کی آمد
کی اطلاع دی تو فکر و پریشانی دور ہوئی۔ چہرہ مسرت سے کھل اٹھا خوش
خوش اٹھ کھڑے ہوئے اور شہر سے باہر نکل کر صحابہ کے مجمع کے ساتھ استقبال

کیا اور انہیں ساتھ لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔

اس موقع پر ایک کا عزل اور دوسرے کا نصب پیغمبر کی ذاتی رائے کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی الہی کے تابع تھا اور قدرت کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں بھی یہ مصلحت کار فرما رہی ہوگی کہ کام اور کام انجام دینے والے کی اہمیت کو نمایاں کر دیا جائے۔ چنانچہ اگر شروع ہی میں حضرت علی کو بھیج دیا جاتا تو کام کی اہمیت دب کر رہ جاتی اور کہنے والے یہ کہہ سکتے تھے کہ اس کام کے سر انجام دینے کی اہمیت حضرت علی میں بھی تھی اور دوسروں میں بھی اور ان میں کسی ایک ہی کو منتخب ہونا تھا اور وہ کسی وجہ سے علی ہو گئے مگر ایک کے عزل کے بعد دوسرے کے تقرر سے اور وہ بھی اس اعلان کے ساتھ کہ یہ کام نبی کے کرنے کا ہے جو نبی سے ہو اس کام کی اہمیت عیاں ہو گئی اور کام کی اہمیت ہی سے کام انجام دینے والے کی اہمیت کا اندازہ ہوا کہ کیا ہے اس سلسلہ میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ جو ایک جزوی امر کی تبلیغ کے لئے سزاوار ثابت نہ ہو سکا ہو وہ پیغمبر کے بعد ان کی نیابت و جانشینی کا کیونکر اہل ہو سکتا ہے۔

حیرت ہے کہ رہبر عالم کے نگاہوں سے اوچھل ہونے کے بعد رائے عامہ کا سہارا لے کر نیابت و خلافت رسول کا تصفیہ کر لیا جاتا ہے۔ اور جو کاذبوت کی انجام دہی میں پیش پیش رہا ہو وہ دنیا والوں کی بے توجہی و سر د مہر کی کاشکار ہو کر کنج عزلت اختیار کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ تقرر ان کے سب سے بڑھ کر سزاوار خلافت ہونے کا ثبوت تھا۔ مفسر قرآن ابن عباس بھی اس واقعہ سے آپ کے حق دار خلافت ہونے پر استدلال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بیعت سفینہ کی تکمیل کے بعد جب حضرت عمر نے ان سے کہا کہ اے عباس لوگوں نے حضرت علی کو

اس کا اہل نہ سمجھا کہ انہیں ولی امر بنائیں تو ابن عباس نے کہا۔
 والله ما استصغره رسول الله اذا اختاره بسورة براءة
 يقرأها على اهل مكة.
 خدا کی قسم رسول اللہ نے تو صرف انہی کو اس کا اہل سمجھا تھا کہ وہ اہل مکہ
 کو سورۃ براءۃ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔

(کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۱)

ابن عباس کا استحقاق خلافت کے سلسلہ میں سورۃ براءۃ کی تبلیغ سے
 استدلال کو نایہ بتاتا ہے کہ وہ اسے علیؑ کی خلافت کا ثبوت اور نیابت و
 جانشینی کا عملاً اظہار سمجھتے تھے اور خود امیر المومنین نے بھی مجلس شوریٰ کے موقع
 پر اسے استحقاق خلافت کے ثبوت میں پیش کیا اور ارکان شوریٰ سے خطاب
 کرتے ہوئے فرمایا۔

افیکم من اوتس علی سورۃ براءۃ وقال له الرسول صلی
 الله علیه و آله انه لا یودی عنی الا انا اور جل منی غیر ی۔

کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ہے جسے سورۃ براءۃ کی تبلیغ کے لئے امین منتخب
 کیا گیا ہو اور اس سے رسول اللہ نے فرمایا ہو کہ اسے میرے اور اس کے علاوہ جو مجھ
 سے ہو کوئی دوسرا نہیں پہنچا سکتا۔ (شرح ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۹۱)

اگر حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر نماز کی امامت سے استدلال کیا جاتا ہے تو کیا
 سورۃ براءۃ کی تبلیغ ان سے متعلق رہتی تو اسے ان کی خلافت کے اثبات کے لئے
 ایک قوی دلیل کی صورت میں پیش نہ کیا جاتا؟ انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ جواب
 ہاں ہو۔ تو پھر حضرت علیؑ کی خلافت کے ثبوت میں اسے کیوں دلیل قرار نہیں
 دیا جاسکتا۔

دعوتِ مہا چلہ

۲۴ ذی الحجہ ۱۲۸۵ ہجری

نجران یمن کے شمالی کوہستان میں صنعاء سے دس منزل کے فاصلہ پر ایک زرخیز مقام تھا جہاں چھوٹی بڑی تہتر بستیوں میں کم و بیش چالیس ہزار عیسائی بستے تھے جو پہلے تو اہل عرب کی طرح بت پرست تھے مگر فیسیوں نامی ایک مسیحی راہب تھا مہاری کے پیشہ سے گزر بسر کرتا تھا اپنا وطن روم چھوڑ کر یہاں آبا تو اس نے یہاں کے باشندوں کو دین عیسوی کی تعلیم دی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی بے لوث تبلیغ کے نتیجہ میں تمام آبادی نے عیسائیت قبول کر لی اور نجران عیسائیوں کا ایک اہم مرکز بن گیا۔

انہوں نے مذہبی مراسم بجالانے کے لئے ایک کلیسا بھی تعمیر کر لیا جو اونٹ کی کھالوں سے منڈھی ہوئی ایک بلند و بالا عمارت تھی۔ اور اسے کعبۂ نجران کے نام سے موسوم کیا۔ وہ عبادت کے اوقات میں وہاں جمع ہوتے اور نذریں پیش کرتے۔ ان نذروں اور چڑھاؤں کے علاوہ کلیسیا کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ دینار سالانہ تھی جس سے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی پرورش ہوتی تھی۔

جب فتح مکہ کے بعد اسلام کو عروج حاصل ہوا اور متقارب گردہ ننگوں ہو گئے تو آنحضرتؐ نے ان قبائل کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں پیغامات بھیجے۔ سلسلہ ہجری میں نصاریٰ نجران کو بھی ایک

نامہ تحریر فرمایا۔ اور انہیں اسلام قبول کرنے یا تجزیہ دے کر مملکت اسلامی کی رعایا بننے کی دعوت دی۔ جب نجران کے اسقف اعظم (بشپ) نے آنحضرتؐ کا مکتوب پڑھا تو اس نے فوراً علاقہ کے تمام سربراہ اور وہ لوگوں کو جمع کر کے صورت حال سے مطلع کیا اور کہا کہ ہمیں سرحد پر بیٹھنا چاہیے اور غور و فکر سے کوئی حل تجویز کرنا چاہیے اس خبر سے اگرچہ پوری آبادی میں ہل چل مچ گئی تھی مگر کچھ منجلی بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے لگے۔ اسقف اعظم نے انہیں روکا اور کہا کہ ہمیں ہوش کے بجائے ہوش سے کام لینا چاہیے اور مشعل ہو کر اپنی تباہی و بربادی کا سامنا نہ کرنا چاہیے۔ جب لوگوں سے رائے لی گئی تو انہوں نے مختلف رائیں دیں اور آخر بڑی رد و دک کے بعد یہ طے پایا کہ ایک وفد مدینہ جائے اور پیغمبر اسلامؐ سے گفتگو کرے۔ اگر بات چیت سے کوئی حل نکل آئے تو بہتر ورنہ کوئی اور تدبیر سوچی جائے۔ چنانچہ چودہ آدمیوں کا ایک وفد عاقب سید اور ابو عارثہ کی زیر قیادت مدینہ روانہ ہوا۔ ان میں ابو عارثہ دنیا نے غیاسیت کا اسقف اعظم اور مشہور عالم تھا اور سید اور عاقب تدبیر و فراست اور معاملہ فہمی میں ممتاز سمجھے جاتے تھے جب یہ وفد مدینہ میں وارد ہوا تو اہل مدینہ ان کے زرق برق لباس، رشیں بجائیں اور سچ دھج دیکھ کر حیرت میں کھو گئے۔ کیونکہ اس سے پیشتر کوئی وفد اس مملکت اور ططراق کے ساتھ یہاں نہیں آیا تھا۔ جب وہ بنے ٹھنے مسجد نبویؐ کے قریب پہنچ کر سوار یوں سے اترے اور اینٹھتے اور اکڑتے مسجد میں داخل ہوئے تو آنحضرتؐ نے ان کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھیاں اور حیموں پر دیباہ حریر کے لباس فاخرہ دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا۔ اس دوران میں ان کی نماز کا وقت شروع ہو گیا اور انہوں نے مشرق کی سمت رخ کر کے نماز شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے انہیں روکنا چاہا آنحضرتؐ نے فرمایا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنے

طریقہ پر نماز پڑھتے دو۔ نماز سے فارغ ہو کر انہوں نے کچھ دیر توقف کیا۔ جب پیغمبر نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی تو تیوریوں پر بل ڈالے اور باہر نکل آئے۔ مسجد کے باہر حضرت عثمان اور عبدالرحمن کو دیکھا تو حضرت عثمان سے شکوہ آمیز لہجہ میں کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں پیغام بھیجا اور جب ہم حاضر ہوئے تو منہ پھیر لیا اور جواب سلام تک نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ ایسا بتاؤ کیوں روار کھا گیا ہے حضرت علی کے پاس جا بیٹے وہ اس کا مطلب بتا سکیں گے۔

چنانچہ وہ دونوں اس وفد کے کہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پیغمبر کی بے النفاقی کا ذکر کیا آپ نے فرمایا کہ تم یہ دشمنیں عبائیں اور سونے کی انگوٹھیاں اتار کر اور سیدھے سادھے کپڑے پہن کر جاؤ۔ انحضرت انہیں باریاب ہونے کا موقع دیں گے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور پیغمبر نے نماز عصر سے فارغ ہو کر مختلف مسائل پر ان سے گفتگو کی اور جب انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم پہلے ہی مسلمان ہیں۔ فرمایا تم مسلمان کیونکر ہو سکتے ہو جب کہ خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ صلیب کی پرستش کرتے ہو اور مسیح کو ابن اللہ سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ شک مسیح ابن اللہ ہیں۔ اگر وہ ابن اللہ نہیں ہیں تو آپ فرمائیے کہ ان کا باپ کون تھا۔ اور کیا کوئی بغیر باپ کے بھی پیدا ہو سکتا ہے؟

آنحضرت نے قرآن مجید کی اس آیت سے جواب دیا۔

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم

قال له کن فیکون۔

اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے جسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر

کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ کا توفیق بپ نہ تھا اور آدم کا نہ بپ تھا اور نہ ہی پھر انہیں خدا کا بیٹا کیوں نہیں کہتے ان کے پاس اس کا تو کوئی جواب نہ تھا کچھ جھوٹوں اور کج بگٹیوں پر اتر آئے جب وہ دلیل و حجت سے قائل ہوتے نظر نہ آئے تو اللہ کی طرف سے وحی ہوئی۔

فمن حاجد فیہ من بعد ماجاءک من العلم قتل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم و نساءنا و نساءکم و انفسنا و انفسکم ثم نبتلھ فنجعل لعنة اللہ علی الکاذبین۔

جب تمہارے پاس علم آچکا اس کے بعد بھی یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے حجت کریں تو ان سے کہو کہ اؤ اس طرح فیصلہ کریں کہ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو ہم اپنے نفوس کو بلائیں تم اپنے نفوس کو پھر اللہ کے سامنے گڑ گڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

آنحضرتؐ نے نصاریٰ کو یہ آیت پڑھ کر سنائی اور انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ دعوت مباہلہ کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اگر صرف گفت و شنید اور انہام و تفہیم پر معاملہ ختم کر دیا جاتا تو وہ پلٹ کر یہ دعویٰ کرتے کہ ہم نے پیغمبر اسلامؐ سے بحث و مناظرہ کیا مگر ان کی باتوں سے نہ ہماری تشفی ہو اور نہ وہ دلیل و برہان سے ہمیں قائل کر سکے اب ان کی زبان بندی کا یہی ایک طریقہ تھا کہ انہیں مباہلہ کی دعوت دی جاتی کیونکہ مباہلہ سے گریز یا اس کے نتیجہ میں شکست تو چھپنے والی بات ہی نہ تھی کہ باتوں کے ذریعہ اس پر پردہ ڈالا جاسکتا۔ اور فتح کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا۔ نصاریٰ پہلے تو اثبات حق کے اس طریق کار سے گھبرائے اور پھر کہا کہ ہمیں

آج کے دن کی مہلت دیجئے کل ہم اس کے لئے تیار ہیں یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مقام پر پہنچ کر آپس میں تبادلہ خیالات کیا۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ ابومارثہ نے کہا کہ اگر کل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب و اتباع اور لاؤ لشکر کے ساتھ سطوت و شکوہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئیں تو بے کھٹکے مباہلہ کرنا اور لگ کر اپنے بچوں اور کنبہ والوں کو لے کر عجز و انکسار کے ساتھ آئیں تو پھر مباہلہ نہ کرنا۔

مباہلہ کی قرارداد طے ہونے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ کی آبادی سے متصل ایک جگہ مباہلہ کے لئے منتخب کی جسے سلمان فارسی نے خس و خاشاک سے پاک و صاف کیا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی نصاریٰ مقام مباہلہ پر پہنچ گئے مہاجرین و انصاری بھی گھروں سے نکل آئے اور میدان میں جمع ہو گئے، جب پیغمبر اکرمؐ کو نصاریٰ کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو آپ نے علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا اور حسن و حسین کو مباہلہ میں شرکت کے لئے طلب کیا۔

سعد ابن ابی وقاص کہتے ہیں:-

لما نزلت هذه الآية ندح ابناءنا وابناءكم دعا رسول الله عليا وفاطمة وحسنا وحسينا فقال اللهم هؤلاء اهلي۔

جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب کیا اور کہا اے میرے اللہ ہی میرے اہلیت ہیں۔

صحیح مسلم۔ ج ۲ ص ۲۸۷

ابن واضح یقوبی نے تحریر کیا ہے:-

غدا رسول الله اخذ بيد الحسن والحسين عليهما السلام

تبعہ فاطمہ وعلی ابن ابی طالب یدیدہ۔ تاریخ یقوبی ص ۲۷۱
 رسول خدا صبح اس طرح نکلے کہ حسن و حسین علیہما السلام کا ہاتھ تھامے
 ہوئے تھے اور پیچھے پیچھے جناب فاطمہ اور آگے آگے حضرت علیؑ تھے۔
 جب پیغمبر میدان مباہلہ میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے دو زانو بیٹھ گئے
 اور علی کو آگے فاطمہ کو عقب میں اور حسن و حسین کو داہنے بائیں بٹھالیا اور ان سے
 کہا جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نصاریٰ نے جب پیغمبر کے ہمراہ
 ایک مرد ایک خاتون اور دو بچوں کو دیکھا تو پہلے تو حیرت زدہ ہوئے اور پھر
 ایک مبہم سا خوف ان پر طاری ہو گیا۔
 ابوہریرہؓ نے کہا۔

یا معشر النصارى انى لارى وجوها لوشاء الله ان يزيل جبلا
 من مكانه لا ذاله بها فلو تباهلوا فتهلكوا۔
 اے گروہ نصاریٰ میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ چاہے کہ پہاڑ کو
 اس کی جگہ سے سر کا دے۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ تباہ و ہلاک ہو جاؤ گے۔
 (تفسیر کشف۔ پارہ ۲)

جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ہمراہ آنے والے ان کے داماد و ابن عم
 علی مرتضیٰ اور بیٹی فاطمہ زہراؑ اور نواسے حسن و حسین ہیں تو صداقت و خود اعتمادی
 کے ان حسین پکیروں کو دیکھ کر ان پر برق خاطف گری اور چرخ نبوت کے
 نیر اعظم اور فلک ہدایت کے درخشندہ ستاروں کی تابانیوں سے ان کی
 نگاہیں خیرہ ہو گئیں اور مباہلہ سے پیچھا چھڑاتے نظر آنے لگے اور اس تصور نے
 انہیں اور پست ہمت بنا دیا کہ اگر پیغمبر کو اپنی صداقت پر مکمل وثوق و اعتماد نہ
 ہوتا تو وہ اس پر نظر منزل میں غیروں کو لے کر آتے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو

ساتھ نہ لاتے کیونکہ یہی وہ افراد تھے جن سے بقائے نسل رسول و اب تھی اگر یہی بددعا کے نتیجہ میں ہلاک ہو جاتے تو نسل رسول ہی ختم ہو جاتی ظاہر ہے کہ اس طرح کا اقدام وہی کر سکتا ہے جسے اپنی صداقت پر مکمل یقین اور اپنی حقانیت پر پورا بھروسہ ہو۔ ابھی نصاریٰ تذبذب کے عالم میں تھے کہ ابو حارثہ کے بھائی کو زابن طلحہ نے جو اسلام کی صداقت سے متاثر ہو چکا تھا کہا کہ اے گروہ نصاریٰ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ محمدؐ ہی وہ نبی خاتم ہیں جن کا تذکرہ ہمارے مقدس صحیفوں میں ہے میں ان سے مباہلہ نہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے جو نبیوں سے مباہلہ کرتا ہے وہ ہلاکت الہی کے گمشتے میں گرے بغیر نہیں رہتا۔ ذرا آنکھیں کھول کر گرد پیش کا جائزہ لو کیا تمہیں فطرت کی جوش عجب میں ابلی ہوئی نگاہیں عذاب کی آمد کا پتہ نہیں دے رہیں۔ اب جو نظریں اٹھیں تو دیکھا کہ سورج کی چمک دمک بھکی پر مچی ہے۔ فضا میں دھوئیں کے مرغولے اٹھ رہے ہیں شاعروں سے پتے جھڑپتے ہیں اور پرندے آشیانوں سے بے آشیاں ہو کر زمین پر دھکے پڑے ہیں۔ کائنات کے اس شگمگی تیوروں کو دیکھ کر نصاریٰ کے دل دہل گئے مباہلہ سے دمت بردار ہو کر صلح کی درخواست کی آنحضرتؐ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخش اور حضرت علیؑ کو شرائط صلح طے کرنے کے لئے مامور فرمایا۔ حضرت نے اس شرط پر صلح کی کہ وہ سال میں دو مرتبہ ماہ صفر اور ماہ ربیع میں ایک ہزار پارچے بطور جزیہ دیا کریں گے اور ہر پارچہ چالیس درہم کا ہو گا اور اگر مین میں کبھی جنگ پھڑی تو وہ جنگی امداد کے سلسلہ میں تیس زرہیں تیس نیزے اور تیس گھوڑے عاریتہ دیں گے اور اس کے صلہ میں وہ اپنی زمینوں پر بدستور آباد رہیں گے اور ان کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔

یہ فتح و سرفرازی تاریخ اسلام میں کیا تاریخ عالم میں اپنی نوعیت کے لحاظ

قُلْنَا نَرَدُّكَ

مُطْمَئِنِّينَ

تَا جَوْنِ

جَا لَكَ الْوَحْيُ

مَوْلَاكُمْ

بِرَّكَاتٍ

سَرَّحْنَاهُ

عَلَيْكُمْ رِيَّانًا

سَبَّحَ الْقُدُّوسُ

مَحْبُوبُ

الْمَعْنَى بَرْدُ

بُورِ

دُوحَتِهِ مُصَلِّطُ

رَاسِ

الْمُخَاطَبَاتِ

مُسْتَنْظَ

الْإِشْرَافَاتِ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

رَاسِ

الْمُهَذَّبِينَ

سے منفرد ہے کہ ایک طرف گئے چنے پانچ افراد ہیں جن میں ایک خاتون اور دو
 کمن بچے بھی شامل ہیں جن کے جلو میں نہ مادی قوت و طاقت کے عساکر میں نہ
 ان کے سردوں پر خود نہ جسموں پر زبرد نہیں اور نہ ہاتھوں میں تلواریں ہیں۔ وہ صرف
 یقین کی قوت اور اعتماد کی طاقت سے خیران کے نمائندہ وفد کو بے درست و پا کر
 کے اپنی صداقت کا لوہا منوالیتے اور ان کے عمرو و شکوہ کو کچل کر ان کی گردنوں میں
 باجگزار کی کا جو اڑال دیتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ عیسائیوں نے مباہلہ سے انکار کر کے
 اپنی شکست اور اسلام کی فتح کا عللاً اعتراف کر لیا اور الوہیت مسیح کے سلسلہ میں
 اپنے عقیدہ و یقین کا پردہ چاک کر دیا۔ اگر انہیں اپنے مسلک کی صحت اور اپنے عقیدہ
 کی صداقت پر اعتماد ہوتا تو کبھی مباہلہ سے گریز نہ کرتے اور جزیہ قبول کر کے اپنے
 عقائد کی ناپختگی کا ثبوت نہ دیتے۔

اس موقع پر انصار و مہاجرین عشرہ مبشرہ و اصحاب بدر میں اور ان کی اولادیں
 موجود تھیں اور الفاظ قرآن میں بمعاظ جمع سب کے لئے گنجائش بھی تھی اور صحابہ
 اور ان کی اولاد و ازواج کو مباہلہ میں شریک کیا جاسکتا تھا مگر وسعت و گنجائش کے
 باوجود صرف حسن حسین فاطمہ زہرا اور علی مرتضیٰ منتخب ہوئے۔ اگر آیت کا مفہوم یہ
 ہوتا کہ دو بیٹوں ایک خاتون اور ایک اپنے دل و جان کو لے کر مباہلہ کے لئے نکلو
 تو پیغمبر و سردوں کو یہ کہہ سکتے تھے کہ میں تمہیں بھی اس قابل سمجھتا تھا کہ مباہلہ میں
 شریک کر تا مگر حکم قرآن کے پیش نظر چار افراد سے زیادہ اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا
 اور دوسرے بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر چار سے زائد افراد کو لے جانے کی گنجائش ہوتی تو
 وہ بھی شریک مباہلہ کئے جاتے مگر الفاظ میں انتہائی وسعت کے ہوتے ہوتے
 کسی کو شرکت کی دعوت نہ دینا اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ مباہلہ میں شمولیت
 سے مانع الفاظ کی تنگ دامنی اور قید کی قید نہ تھی بلکہ اس کے لئے جن اوصاف

کی ضرورت تھی وہ ان منتخب ہستیوں کے علاوہ کسی اور میں نہ تھے ورنہ پیغمبر بلاؤ
کسی کو نظر انداز نہ کرتے۔

مباہلہ کی منزل میں قدم رکھنے کے لئے دو صفتیں از بس ضروری تھیں ایک
یقین اور دوسرے صدق یقین اس لئے کہ حسبِ ظاہر مباہلہ میں ہلاکت کا خطرہ تھا
اور حسبِ تکاپو اپنے موقف کی صداقت پر یقین کامل اور اپنے دعویٰ کی صداقت پر وثوق
تام نہ ہو کوئی عاقل معرضِ ہلاکت میں آکھڑا نہیں ہوتا ایسے پر خطر موقع پر وہی ثابت
قدم رہ سکتا جس کا یقین غیر متزلزل ہو۔ ورنہ بے یقینی کے نتیجہ میں قدم لرز جاتے اور
دل دہل جاتے۔ اسی ضرورت یقین کے پیش نظر آنحضرتؐ نے ان افراد کو منتخب کیا۔
جن کے یقین میں نہ کبھی کمزوری رونما ہوئی اور نہ شکوک و ابہام کے غبار
سے دھندلا ہوا اگر کوئی اور بھی یقین کی اس منزل پر فائز ہوتا تو نظر انتخاب اس پر
پر بھی پڑتی مگر کسی اور کا نظر انتخاب میں نہ آنا اس امر کی دلیل ہے کہ پیغمبر انہی کو یقین
کے بلند ترین مرتبہ کا حامل سمجھتے تھے۔ دوسری صفت صدق ہے۔ یہ اس لئے ناگزیر
تھی کہ کذب سے ٹکراؤ تھا اذ کا ذہن کے مقابلہ میں صادقین ہی کو لایا جاسکتا ہے
کیونکہ جھوٹی قوتوں سے وہی افراد برسرِ پیکار ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ سچائی کی راہ پر گامزن
رہے ہوں۔ اور نصاریٰ نجران بنص قرآن کا ذب تھے کیونکہ ان کے عقیدوں میں
کذب کا رفرما تھا۔ اس طرح کہ وہ تین خداؤں کے قائل تھے اور باپ بیٹا اور روح
القدس کو الٰہیت میں شریک سمجھتے تھے مگر عقیدہ توحید اتنا فطری ہے کہ تین کہنے
کے ساتھ ایک بھی کہتے تھے اس فطری اور اعتقادی تضادم کے نتیجہ میں تین ایک
اور ایک تین کا پیچیدہ اور ناقابلِ فہم مزعوبہ عقیدہ بن کر ان کے ذہنوں میں رچ بس
گیا تھا یہ عقیدہ تہذیبِ چند لوگوں کے ذہن کی پیداوار ہے جو انتہائی کوششوں اور
کاوشوں کے باوجود ابھی تک لا ینخل ہے اس لئے کہ کوئی انسان عقل و شعور کی

روشنی میں یہ مسئلہ حل نہیں کر سکتا کہ ایک تین کیسے ہو سکتا ہے اور تین ایک کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ چونکہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ واقع میں تین خدا ہیں اور ایک تین اور تین ایک کا کوئی مصداق اور جو چیز واقع کے خلاف ہو اسی کا نام کذب ہے بلکہ اگر کوئی نظریہ واقع کے مطابق بھی ہو مگر زبان اس سے ہمنوا نہ ہو تو وہ بھی کذب ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله والله يشهد ان المنافقون لكاذبون۔

جب تمہارے پاس منافق آتے ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دل زبان سے الگ ہو اس طرح کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ ہو تو وہ بھی جھوٹ ہے اگرچہ زبان پر آنے والے کلمات واقع کے مطابق کیوں نہ ہوں۔ اور صدق یہ ہے کہ دل زبان کی صدا سے ہم آہنگ ہو اور ہر زبان پر ہر وہ واقع کے مطابق بھی ہو۔ اب صادق وہ ہو گا جس کی زبان کا ہر لفظ دل کا ہر ارادہ اور عمل کی ہر جنبش واقع کے عین مطابق ہو اس سے کہ انکار ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جن ذوات مقدسہ کو مباہلہ کے لئے منتخب کیا تھا ان کا ہر قول ہر عمل اور ہر ارادہ صداقت کا آئینہ دار تھا۔ وہ اعتماداً اقوال اور عملاً ہر لحاظ سے سچے تھے نہ ان کے قول و عمل میں کبھی کوئی غلطی دیکھی گئی اور نہ کبھی ان کے عقیدہ میں کوئی لغزش نظر آئی۔

حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں :-

بَابُ
فِي تَرْغِيْبِ الْعِلْمِ

زَيْلُ
عَنْ عَمْرِو بْنِ
وَسْطَنِي

سَمْعَانَ
مُسَاهِدَاتِ

سَمْعَانَ
رِكَائِلَ الْيَتِيمِ

نَهْمِي
كَلْبَةَ الْيَتَامَى

مِسْكِي
دَائِرَةُ سَيَّاتِ

خَاكِي
قَلَارُ قَضَاءِ

حَقْدَارِ
مَنْصُوبِ عِلَالَتِ

سَمْعَانَ
أَوَّلِي

سَمْعَانَ
مَرْكَانِ جَلَالِ

مَرْكَانِ
أَنْوَاعِ فَضَائِلِ

عَلَمِ دَلَالِ
مَنْصُوبِ الْهَيْبَةِ

نَامُوسِ
مَأْوَظِي

مَعْجَلِ
شَرَفِ نَسَائِ

رَجَبِ
بَيْدَانِ جَنَابِ

خَطِيئِ
شَيْخِ سَعْدِ

دِيَارِ وَفَائِي

كُشُوفِ
سَنَفِ وَقَلْبِ

زَيْلِ
مَيْتَرِ

مَنْصُوبِ
مَحْبُوبِ

مَنْصُوبِ
تَانِ حَوَائِ

مَنْصُوبِ
أَنَارِ مَرْكَانِ

مَنْصُوبِ
كَنْفِ الْعَطَاءِ

حَضَارِ
أَنْوَحِ

ما وجد لي كذبة في قول ولا خطلة في فعل۔

پیغمبرؐ نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا شائبہ پایا اور میرے کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔“ (نہج البلاغہ)

اس انتخاب سے جہاں اہلیت اظہار کی عصمت و صداقت اور پھر دوسروں پر فوقیت و برتری کا اظہار ہوتا ہے وہاں اسلام میں ان کی بنیادی و اساسی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس طرح قدرت نے مبالغہ میں ان کی شرکت کو ضروری قرار دیا اور پیغمبرؐ نے اپنی دعا کا تکملہ ان کی صدائے آئین کو قرار دیا۔ اور انہی کے امتیازی کردار کی بدولت اسلام کو یہ فتح مبین حاصل ہوئی۔ حیرت ہے کہ جو کار نبوت کے سزا انجام دینے میں پیغمبرؐ کے شریک کار ہوں اور جن کی شرکت کے بغیر مبالغہ کی تکمیل نہ ہو سکتی ہو وہ نیابت پیغمبرؐ کے سلسلہ میں اس طرح نظر انداز کر دیے جاتیں کہ ادھر نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے اور مشورہ نگ میں ان کی شمولیت کو غیر ضروری سمجھا جائے۔

”دریں دیار مگر رسم باز دیدن نیست“

سریہ بنی زبید

سلمہ ہجری!

پیغمبر اکرمؐ تبوک سے پلٹ کر جب مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو بنی مذحج کی ایک شاخ بنی زبید کا سردار عمرو ابن معدیکرب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اور اس کے قبیلہ کے آدمیوں نے جو اس کے ہمراہ تھے اسلام قبول کر لیا۔ عمرو کا باپ معدیکرب دور جاہلیت میں مارا گیا تھا اس نے پیغمبر اکرمؐ سے کہا کہ میں اپنے باپ کے قاتل سے قصاص لینا چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جاہلیت کے خون کا قصاص ختم کر دیا گیا ہے۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گیا مگر وہاں سے پلٹ کر وہ بغاوت و سرکشی پر اتر آیا اور بنی حارث ابن کعب پر حملہ کر کے انہیں قتل و غارت کیا اور اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو گیا۔

پیغمبر اکرمؐ کو اس کے شروفساد کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو تین سو کے لشکر کے ساتھ مین جانے کا حکم دیا تاکہ ان شورشو کو دبائیں اور نصاریٰ نجران سے بھی جزیہ وصول کریں۔ جب حضرت علیؓ روانہ ہونے لگے تو پیغمبرؐ نے اپنے ہاتھوں سے علم سج کر آپؐ کو دیا اور اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عامہ باندھا جس کا ایک سرا سینہ پر تھا اور ایک سرا پشت پر او فرمایا کہ اگر وہ لوگ لڑائی چھیڑیں تو ان سے لڑنا ورنہ از خود ابتداء نہ کرنا اس لشکر کے ساتھ ایک اور لشکر خالد ابن ولید کی ماتحتی میں قبیلہ بنی جعفی کی طرف روانہ کیا اور خالد کو یہ ہدایت کی کہ اگر کسی مقام پر دونوں لشکر یکجا ہو

ہو جائیں اور دشمن سے جنگ چھڑ جائے تو دونوں لشکروں کے سردار
 علی ہوں گے۔ حضرت علیؑ نے فوج کے اگلے حصے کا سردار خالد ابن سعید
 کو اور خالد ابن ولید نے ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کیا اور دونوں اپنے اپنے
 لشکروں کی قیادت کرتے ہوئے اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔
 جب خالد ابن ولید بنی جعفی کی طرف بڑھے اور انہیں لشکر اسلام کی آمد کا
 پتہ چلا تو وہ دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ یمن چلا گیا اور ایک گروہ
 بنی زبید سے جا ملا۔ امیر المؤمنین کو بنی جعفی کے تقسیم ہو جانے کی اطلاع ہوئی
 تو خالد کو کہا بھیجا کہ جس مقام پر میرا قاصد تمہیں ملے وہیں پر رک جاؤ مگر
 خالد نے اس خیال سے کہ اگر دونوں لشکر ایک ہو گئے تو افسری جاتی رہے
 گی۔ روکنے سے انکار کر دیا۔

حضرت نے خالد ابن سعید سے کہا کہ فوج کا ایک دستہ لے کر جاؤ
 اور خالد کو جہاں پاؤ روک لو خالد ابن سعید نے آگے بڑھ کر انہیں روک
 لیا۔ امیر المؤمنین وہاں پہنچے تو خالد ابن ولید کو حکم عدولی پر سرزنش
 کی اور دونوں لشکروں کو ایک کر کے آگے چل دیئے۔ جب مقام کشر میں
 پہنچے تو بنی زبید سے ٹھبھڑ ہو گئی۔ عمرو ابن معدیکرب مقابلہ پر اتر آیا خالد
 ابن سعید نے چاہا کہ ان سے جنگ آزما ہوں مگر حضرت نے انہیں روک
 لیا اور شمشیر بکف میدان میں اتر آئے۔ عمرو ابن معدیکرب اگرچہ عرب کا
 مشہور جنگ آزما اور تیغ زن تھا مگر حضرت کو اپنے مقابلہ میں آتے دیکھ
 کر اس کے قدم لاکھڑا گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا ایک
 بھائی اور ایک بھتیجا مارا گیا اور اس کی بیوی کا نہ بنت سلامہ اور بچے اسیر
 کر لیے گئے۔ ان کے علاوہ اور عورتیں بھی قید کی گئیں اور بہت سامان غنیمت

ہاتھ لگا دشمن کو مغلوب داسیر کرنے کے بعد حضرت حجتہ الوداع میں شریک ہونے کے لیے مکہ روانہ ہو گئے اور خالد ابن سعید کو وہاں چھوڑ گئے تاکہ بنی زبید سے صدقات جمع کریں اور ان میں سے کوئی مسلمان ہو کر امان طلب کرے تو اسے امان دیں۔ جب عمرو ابن معدیکرب کو معلوم ہوا کہ اس کے بیوی بچے اسیر کر لیے گئے ہیں تو وہ خالد ابن سعید کے پاس آیا اور دوبارہ اسلام قبول کر کے اپنے بیوی بچوں کو واپس لے لیا اور اس کے صلہ میں اپنی مشہور تلوار مصمامہ خالد ابن سعید کو نذر کر دی۔

امیر المؤمنین نے مالِ غنیمت کے جنس میں سے ایک کنیز لے لی تھی خالد ابن ولید نے براء ابن عازب کے ہاتھ ایک خط پیغمبر کی خدمت میں بھیجا جس میں حضرت علیؑ کے اس اقدام کی سخت لب و لہجہ میں شکایت کی۔ جب آنحضرتؐ نے وہ تحریر پڑھی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور براء سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

ما تری فی رجل یحب اللہ ورسولہ وحبہ اللہ و
رسولہ۔

تم اس شخص کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسولؐ اسے دوست رکھتے ہیں؟
(صحیح ترمذی - ص ۲۱۵)

براء نے پیغمبر اکرمؐ کے چہرے پر آثارِ غضب دیکھ کر کہا کہ یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں میں تو صرف ایک پیغامبر کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سن کر پیغمبر اکرمؐ خاموش ہو گئے۔

امیر المومنین کو اس مال میں ہر طرح کا حق تصرف حاصل تھا اور ان کا حصہ بھی ایک خادمہ سے کہیں زیادہ تھا مگر وہ لوگ جو اپنے دلوں میں غناد لیے ہوئے تھے وہ ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات ہاتھ لگے جس سے پیغمبرؐ کو ان کے خلاف کیا جاسکے چنانچہ اس موقع پر بھی پیغمبرؐ کے جذبات کو ان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی گئی مگر علیؑ کو مورد طعن بنانے والے خود پیغمبرؐ کے غیض و غضب کا ہدف بن گئے اور پیغمبرؐ نے یہ کہہ کر ان کی زبانوں کو بند کر دیا کہ علیؑ خدا اور رسولؐ کے دوست ہیں اور خدا اور رسولؐ ان کے دوست ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ اگر یہ ناسترا و ناروا عمل ہوتا تو پھر نہ خدا ان کا دوست رہتا اور نہ اس کا رسولؐ اور نہ وہ خدا اور رسولؐ کے دوست رہتے۔

حجۃ الوداع

۲۵ ذیقعد ۱۰ھ ہجری!

۱۰ھ میں پیغمبرؐ اسلام عمرہ کے ارادے سے نکلے مگر قریش سد راہ ہو گئے اور آپؐ مدینہ سے واپس پلٹ آئے اور مکہ پہنچ کر عمرہ بجا نہ لاسکے۔ ۱۱ھ میں پھر عمرہ کے لیے تشریف لے گئے مگر قریش سے معاہدہ کی بناء پر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کر سکے۔ ۱۲ھ میں مکہ فتح ہوا اور بتوں سے خانہ کعبہ کی تطہیر عمل میں آئی۔ ۱۳ھ میں حضرت علیؑ کو سورہ براۃ کی آیتیں دے کر رسوم حج کو شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے مشرکین سے بنیاری و لاتعلقی کا اعلان کر کے انہیں حرم

کعبہ میں آئندہ قدم رکھنے سے منع کیا۔ منہ میں ادائے فریضہ حج کا قصد فرمایا اور دعوت حج کی صدا تمام اکنافِ عالم میں گونج اٹھی۔

اذن فی الناس بالصحیح یا توک ربنا لا وعلی کل ضامر

من کل فج عمیق لیشهدوا منافع لہم

لوگوں میں حج کے لیے پکارو۔ تمہارے پاس دور و دراز کی راہوں سے پیادہ اور سفر سے تھکی ماندی سواریوں پر چڑھ کر آئیں گے تاکہ وہ (دین و دنیا کے) فائدے حاصل کریں۔

پیغمبر اکرمؐ کی آواز پر ہر سمت سے مسلمان کثیر تعداد میں مدینہ پہنچ گئے تاکہ پیغمبرؐ کے ساتھ فریضہ حج بجالائیں اور آداب و احکام حج سیکھیں آنحضرتؐ ۳۶ ذیقعد کو ہزاروں مسلمانوں کے جلو میں مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے جہاں فاطمہ زہراؑ اور ازواجِ رسولؐ بھی اس سفر میں شریک تھیں جب ظہر کے قریب وادی ذی الحلیفہ میں پہنچے تو غسل احرام کے بعد احرام باندھا صحابہ نے احرام باندھ لیے اور سب نے مل کر تلبیہ کیا تو تلبیہ اللہم بیسٹ کی آوازوں سے دشت و صحرا گونج اٹھے۔

حضرت علیؑ یمن ہی میں تھے کہ آنحضرتؐ نے انہیں تحریر فرمایا کہ وہ مکہ پہنچ کر حج میں شریک ہوں۔ آپ اپنے دستہٴ سپاہ کے ساتھ وہاں سے چل دیئے۔ راستے میں لشکر کی امارت ایک شخص کے سپرد کر کے آگے بڑھے اور وادی یلم سے احرام باندھ کر آنحضرتؐ کے وارد مکہ ہونے سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔

پیغمبرؐ نے آپ کو دیکھا تو چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا۔ پوچھا کہ اے علیؑ تم نے کس نیت سے احرام باندھا ہے۔ عرض کیا کہ آپ نے اس کے

متعلق تحریر نہیں فرمایا تھا اس لیے میں نے اپنی نیت کو آپ کی نیت سے وابستہ کر دیا تھا کہ جو آپ کی نیت ہوگی وہی میری نیت ہوگی میں اپنے پیچھے ۳۴ اونٹ قربانی کے چھوڑ آیا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ہمراہ قربانی کے ۶۶ اونٹ ہیں۔ اور تم مناسک حج اور قربانی کے اونٹوں میں میرے شریک ہو، اس کے بعد حضرت علیؓ نے یمن کی تمام روادار اور جزیرہ اور خناتم و مدقا کی تفصیل بیان کی اور عرض کیا کہ میں اموال غنیمت و جزیرہ لشکر کے سپرد کر کے شوق زیارت میں پہلے چلا آیا ہوں۔

فرمایا کہ تم اپنے ہمراہیوں کے پاس جاؤ اور انہیں لے کر جلد مکہ پہنچ جاؤ۔ حضرت علیؓ پیغمبر سے رخصت ہو کر واپس پلٹے۔ ابھی تھوڑا سا راستہ طے کیا ہوگا کہ لشکر کو آتے دیکھا۔ جب وہ لوگ قریب پہنچے تو دیکھا کہ سب نے باندھی ہوئی گٹھڑیوں میں سے نئے جانے نکال کر احرام باندھ رکھے ہیں آپ نے نگر ان لشکر سے پوچھا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر یہ پارچے کیوں تقسیم کیے ہیں کہا کہ ان لوگوں نے اصرار کیا تھا کہ یہ پارچے انہیں ملے دیئے جائیں اور بعد میں واپس لے لیے جائیں۔

فرمایا کہ انہیں آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کرنے سے پہلے استعمال میں نہیں لایا جاسکتا۔ پھر حکم دیا کہ یہ پارچے اتار دیئے جائیں اور انہیں بحفاظت رکھ دیا جائے۔ لوگوں نے پارچے اتار تو دیئے مگر انہیں یہ بات بہت ناگوار گزری۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت علیؓ کا گلہ شکوہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا:

يا ايها الناس لا تشكوا عليا فوالله انه لا خشن في
ذات الله او في سبيل الله

(تاریخ طبری ج ۲ - ص ۲۰۲)

”اے لوگو علی کا گھڑ نہ کرو وہ اللہ کے معاملے میں سخت گیر
ہیں۔“

حجۃ الوداع سے پیشتر دو قسم کے حج ہوتے تھے ایک حج افراد اور
ایک حج قرآن۔ ان دونوں میں عمرہ ایک جداگانہ اور مستقل عمل کی
حیثیت رکھتا ہے جو اعمال حج بجالانے کے بعد بجالایا جاتا ہے۔ فرق صرف
اتنا ہے کہ حج قرآن میں قربانی کے جانور ساتھ ہوتے ہیں اور حج افراد
میں قربانی کے جانور ساتھ نہیں ہوتے۔ اس موقع پر آیت واقموا الحج
والعمرة لله، اللہ کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو، نازل ہوا تو حج میں
ایک تیسری قسم کا اضافہ ہو گیا جسے حج تمتع کہا جاتا ہے۔ حج تمتع میں عمرہ
حج ہی کا ایک جزو ہوتا ہے جو ایام حج میں حج سے پہلے بجالایا جاتا ہے
چنانچہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے عمرہ بجا لاکر احرام کھول دیا جائے اور
آٹھ ذی الحجہ یوم ترویہ کو حج کا احرام باندھا جائے اور اعمال حج بجالائے
جائیں اسے حج تمتع اس لیے کہا جاتا ہے کہ عمرہ و حج کے درمیانی وقفہ میں
احرام کے قیود اٹھ جلتے ہیں اور جو چیزیں احرام کی حالت میں جائز نہیں
ہیں ان سے متمتع ہوا جاسکتا ہے۔ یہ حج ان لوگوں کے لیے ہے جو مکہ
سے اڑتالیس میل سے زیادہ فاصلہ کے رہنے والے ہوں اور حج افراد و
حج قرآن مکہ سے اڑتالیس یا اس سے کم مسافت کے رہنے والوں
کے لیے ہے۔

اس سفر حج میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے۔ آنحضرتؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حج کی نیت کو عمرہ کی نیت سے بدل لیں اور عمرے کے بعد احرام اتار دیں اور حج تمتع بجا لیں اور جن لوگوں کے ہمراہ قربانی کے جانور ہیں وہ احرام باندھے رکھیں۔ آنحضرتؐ کے ہمراہ چونکہ قربانی کے اونٹ تھے اس لیے آپ کا حج حج قرآن تھا اور حضرت علیؑ کی نیت بھی پیغمبرؐ کی نیت حج کے تابع تھی اس لیے دونوں نے احرام نہ کھولے۔

جب لوگوں نے پیغمبرؐ کو احرام باندھے دیکھا تو احرام کھولنے میں پس و پیش کرنے لگے اور سابقہ طریقہ حج سے مانوس طبیعتوں پر یہ عمل انتہائی شاق گزرا اور وہ بدستور احرام باندھے رہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے انہیں تعمیل حکم سے پہلو تہی کرتے دیکھا تو سخت رنجیدہ ہو گئے اور غیض و غضب کی شکنیں ماتھے پر ابھر آئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں۔

قدم رسول الله لا ربيع مضين من ذي الحجة او خمس
فدخل على وهو غضبان فقلت من اغضبك يا رسول الله
ادخله الله النار قال او ما شعرت اني امرت الناس
بامر فاذا هم يترددون لو اني استقبلت من امري ما استدبرت
ما سقت الجدي معي حتى الشربة ثم اهل كما حلوا ربيع سلم حج امراء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذی الحجہ کی چوتھی یا پانچویں تاریخ کو وارد ہوئے اور غیض و غضب کی حالت میں میرے ہاں آئے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ کس نے آپ کو غضب ناک کیا ہے خدا اسے جہنم واصل

کرے فرمایا کیا تمہیں خبر نہیں کہ میں نے لوگوں کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ
تردد و تذبذب میں پڑ گئے ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ صورت حال یہ پیش
آنے والی ہے تو میں قربانی کے جانور اپنے ساتھ لانے کے بجائے یہاں سے
خرید لیتا اور ان لوگوں کی طرح احرام کھول دیتا۔

جس طرح آنحضرتؐ کی زندگی میں کچھ لوگوں نے حج تمتع کی مخالفت
کی اسی طرح پیغمبرؐ کے بعد بھی اس کی مخالفت کرتے رہے اور حکم شرعی
کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دیتے رہے چنانچہ عمران ابن حصین کہتے
ہیں :-

فزلت اية المتعة في كتاب الله وامرنا بهادرسول
الله ثم لم تنزل اية تنسخ اية متعة الحج ولم
ينه عنها رسول الله حتى مات قال رجل بربا، بعد
ما شاء۔

”حج تمتع کی آیت قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے
ہمیں اس کا حکم دیا تھا اور بعد میں کوئی ایسی آیت نازل نہیں ہوئی جو
حج تمتع کی آیت کو منسوخ کرتی اور نہ رسول اللہؐ نے مرتے دم تک اس سے
منع کیا۔ البتہ ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہہ دیا۔“
(صحیح مسلم، ج ۱: ص ۴۰۳)

شارح مسلم نواوی نے تحریر کیا ہے۔

یعنی عبد ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اول من نهي عن
المتعة فكان من بعد ه من عثمان وغيره تابعوا له في ذلك
(حاشیہ مسلم، ج ۱: ص ۴۰۳)

”اس سے مراد عمر ابن خطاب ہیں اس لیے کہ سب سے پہلے انہی نے حج تمتع سے منع کیا تھا۔ باقی رہے حضرت عثمانؓ تو وہ اس مسئلہ میں انہی کے تابع تھے۔“

بہر حال آٹھ ذی الحجہ روز پنجشنبہ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ جہنوں نے عمرہ کے بعد احرام کھول دیئے تھے وہ احرام حج باندھ لیں۔ خود پیغمبر اکرمؐ پہلے سے احرام باندھے ہوئے تھے اور حضرت علیؓ بھی آپ کے حسب ہدایت حالت احرام پر باقی تھے۔ جب احرام باندھے جا چکے تو مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور منیٰ میں تشریف لے آئے دوسرے دن نماز صبح کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو گئے۔ قبل اسلام قریش نے یہ دستور بنا رکھا تھا کہ وہ مشعر الحرام پہنچ کر رک جاتے اور کہتے کہ ہم اہل حرم ہیں حرم سے باہر نہیں نکلیں گے۔ البتہ دوسرے لوگ عرفات میں چلے جاتے۔ قریش کا خیال تھا کہ پیغمبرؐ بھی منیٰ سے نکل کر مشعر الحرام میں رک جائیں گے اور آگے نہیں بڑھیں گے مگر حکم قرآن تھا افيضوا من حيث افاض الناس ”جہاں سے دوسرے لوگ چل کھڑے ہوں تم بھی وہیں سے چل کھڑے ہو“ کی بناء پر پیغمبرؐ مشعر الحرام سے آگے عرفات کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر غمرہ میں خمیر زن ہوئے۔ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی غروب آفتاب تک وقوف فرمایا اور بعد غروب وہاں سے چل کر مشعر الحرام میں تشریف فرما ہوئے اور مغرب و عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی مشعر الحرام میں رات گزارنے کے بعد روز عید صبح کے وقت منیٰ میں آئے اور جبر و تبعی پر رمی کرنے کے بعد تیس اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کیے اور بقیہ اونٹوں کے نحر کرنے پر حضرت علیؓ کو مامور فرمایا۔ جب اونٹ نحر ہو چکے تو ہر اونٹ میں

سے گوشت کا ایک ایک ٹکڑا لے کر ایک دیگ میں پکوا یا اور حضرت
علیؑ کے ساتھ مل کر اس میں سے کچھ کھایا اور باقی تقسیم کر دیا۔ قربانی سے
فارغ ہو کر سرمنڈوایا اور احرام کھول دیا۔ اور اسی دوران مکہ معظمہ میں پہنچ
کر خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی بجا لائے اور منیٰ میں واپس
آگئے جہاں ۱۳ ذی الحجہ تک قیام فرمایا اور رمی جمعرات کا فریضہ ادا کیا۔
جب اعمال حج سے فارغ ہو گئے تو ۱۴ ذی الحجہ کو مسلمانوں کی جمعیت کے
ساتھ مدینہ روانہ ہو گئے۔

غدير خم

۱۸ ذی الحجہ ۱۰ سالہ ہجری!

پیغمبر اسلامؐ فریضہ حج سے فارغ ہونے کے بعد جب مدینہ کی جانب
روانہ ہوئے تو کم و بیش ایک لاکھ کا مجمع آپ کے ہر کاب تھا جو مختلف
شہروں اور بستوں سے سمٹ کر جمع ہو گیا تھا اور اب فرض سے سبکبار
ہو کر خوش خوش اپنے گھروں کو پلٹ رہا تھا۔ کچھ لوگ مدینہ پہنچ کر الگ
ہونے والے تھے اور کچھ لوگوں کو راستے ہی سے علیحدہ ہو جانا تھا۔ چوں
ہوں ان کی بستیاں قریب آتی جا رہی تھیں ان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی
کچھ لوگ شاداں و فرحان آگے بڑھ گئے تھے اور کچھ افتال و خیراں چلے
آ رہے تھے۔ غرض قافلہ رواں دواں تھا کہ مقام جحفہ سے تین میل کے
فاصلے پر ایک پُر خار وادی میں جو غم غدير کہلاتی تھی انہیں ٹھہر جانے کا
حکم دیا گیا۔ یہ حکم اتنا اچانک اور ناگہانی تھا کہ لوگ حیرت سے ایک دوسرے

کامنہ تکنے لگے کہ یہاں منزل کیسی کیونکہ یہ جگہ نہ تو قافلوں کے اترنے کے لیے موزوں تھی نہ گرمی سے بچنے کا کوئی سامان تھا نہ دھوپ سے بچاؤ کے لیے سایہ اور نہ اُدھر سے گزرتے ہوئے عربوں کے کسی کارواں کو یہاں منزل کرتے دیکھا گیا تھا۔

اس کارواں کو روکنے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبر اکرمؐ مسلمانوں کو اللہ کے ایک اہم فیصد سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور اس کے عمومی اعلان کے لیے مناسب موقع و محل کے منتظر تھے اور اس سے مناسب تر کوئی اور موقع نہ ہو سکتا تھا کیونکہ چند لمحوں کے بعد یہ مجمع متفرق و پراگندہ ہو جانے والا تھا اور پھر اتنی عظیم جمعیت کے یکجا ہونے کی بظاہر حال کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

عالم اسلام کے ہر کونے اور ہر خطے کے لوگ جمع تھے اور ان کے منتشر ہونے سے پہلے یہ حکم ان کے گوش گزار کر دینا ضروری تھا۔ پھر اس صحرائے بے آب و گیاہ میں کارواں کو روک لینے میں یہ مصلحت بھی کار فرما ہو سکتی ہے کہ اگر معمولاً اس مقام پر قافلے ٹھہر کرتے تو یہ سمجھا جاتا کہ آرام اور سفر کی تکان دور کرنے کے لیے منزل کی گئی ہے اور ضمناً ایک اعلان بھی کر دیا گیا ہے جس سے اس اعلان کی اہمیت کم ہو جاتی۔ آنحضرتؐ نے اس کی اہمیت کو برقرار رکھنے کے لیے ایسی جگہ منتخب کی جو کبھی قافلوں کی فودگاہ نہ رہی تھی تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہاں ٹھہرنے کا مقصد آرام و استراحت نہیں ہے بلکہ معاملہ کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ خواہ کتنی زحمت و تکلیف کا سامنا کیوں نہ کر ناپڑے اس جلتے ہوئے میدان میں چلتے ہوئے کارواں کو روک لیا جائے اور سب کو فیصلہ خداوندی سے آگاہ کر دیا جائے

اور وہ فیصلہ آنحضرتؐ کی نیابت و جانشینی کے متعلق تھا۔

اس سے پیشتر دعوتِ غنیمت کے ایک محدود دائرہ میں اور عزوہٗ تبوک و تبلیغ سورہ برآۃ کے مواقع پر پیغمبرؐ کی زبان سے مختلف پیراؤں اور اشاروں کنایوں میں ایسے کلمات سنے جا چکے تھے جن سے ایک انصاف پسند اور غیر جانبدار انسان یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور تھا کہ ہونہ ہو پیغمبرؐ علیؑ کو اپنا نائب و جانشین مقرر کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی دیکھنے میں آتا تھا کہ کچھ لوگوں کی زبانیں خواہ مخواہ علیؑ کے خلاف شکوہ ریزہ رہتی ہیں اور ان کے معمولی منصب پر بھی ان کی دلی کدورتیں چہروں پر کھل جاتی ہیں وہ بھلا اسے کیونکر ٹھنڈے دل سے گوارا کریں گے اور اسے علیؑ جامہ پہننے دیں گے۔ پیغمبر اکرمؐ بھی ان چیزوں سے خالی الذہن نہ تھے وہ بعض چہروں کے اتار چڑھاؤ سے ان کی دلی کیفیوں کو بھانپ رہے تھے اور ان کی حرکات و سکنات سے ان کے ارادوں کو سمجھ رہے تھے کہ یہ مخالفت کیے بغیر نہیں رہیں گے اور ہر ممکن طریقہ سے روڑے اٹکائیں گے۔ اس لیے مزاج شناس قدرت یہ چاہتا تھا کہ قدرت کی طرف سے ان لوگوں کے شر سے تحفظ کا ذمہ لے لیا جائے تو پھر اس کا عمومی اعلان کیا جائے چنانچہ اللہ کی طرف سے تحفظ کی ذمہ داری کے ساتھ اس مقام پر یہ آیت نازل ہوئی:-

يَا أَيُّهَا الرُّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَوْ تَفَعَّلَ

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

”اے رسولؐ تمہارے پروردگار کی طرف سے جو حکم تم پر اتارا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں

اور اللہ (ہر حال میں) تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے گا۔

علامہ قاضی شوکانی تحریر فرماتے ہیں :-

عن ابی سعید الخدری قال نزلت هذه الآية يا ايها الرسول
بلغ ما انزل اليك على رسول الله يوم غدیر خم فی علی ابن ابی
طالب۔ (فتح القدیر۔ ج ۳۔ ص ۵۷)

”ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل
ایک غدیر علی ابن ابی طالب کے بارے میں رسول اللہ پر نازل ہوا۔
اس تہدید آمیز حکم کے بعد تاخیر کی گنجائش نہیں تھی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
پر سے اترے ساتھ والے بھی اتر پڑے حی علی خیر العمل کی آواز پر آگے
بڑھ جانے والے پلٹے اور پیچھے رہ جانے والے تیزی سے بڑھے اور تمام
مجمع سمت کر یکجا ہو گیا۔ دوپہر کا وقت بادِ سموم کے جھلسا دینے والے جھونکے
جلتا ہوا ریگستان آفتاب کی تمازت اور گرمی کی شدت چند بھول کے درختوں
کے علاوہ نہ کہیں سبزہ نہ کہیں سایہ۔ صحابہ نے عبائیں کندھوں سے اتار
کر پیروں کے گرد لپیٹ لیں اور اس جلتی ہوئی زمین پر ہمہ تن گوش بن کر
بیٹھ گئے۔ آنحضرت نے اونٹوں کے کجاوے جمع کر کے بھول کے دو درختوں
کے درمیان ایک منبر تیار کروایا اور زیب دہ عرشہ منبر ہوئے۔ زید بن ارقم
کہتے ہیں :-

قام رسول الله يوم فينا خطيبا بماء يدعى خما بين مكة و
المدينة فحمد الله عليه ووعظ وذكر ثم قال
اما بعد الا يا ايها الناس فانما انا بشر ليو شئ ان ياتي
رسول ربي فاجيب وانا تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب

کتاب اللہ فیہ الہدی والنور فخذوا بکتاب اللہ
واستمسکوا فحث علی کتاب اللہ ورغب فیہ ثم قال واهل
بیتی اذکرکم اللہ فی اہل بیتی اذکرکم اللہ فی اہل بیتی
اذکرکم اللہ فی اہل بیتی۔

(صحیح مسلم ج ۲۔ ص ۲۷۹)

پیغمبر اکرمؐ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس تالاب پر جو خم کہلاتا
تھا خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا اور پسند و تذکیر
کے بعد فرمایا: "اے لوگو! میں ایک بشر ہی تو ہوں وہ وقت دور نہیں
ہے کہ میرے پروردگار کی طرف سے پیغا مبر آئے اور میں اس کی آواز پر
بلیک کہوں۔ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک
اللہ کی کتاب جس میں نور و ہدایت ہے لہذا کتاب خدا کو مضبوطی سے پکڑو
اور اس سے وابستہ رہو۔ آپ نے کتاب خدا سے تمسک پر زور دیا اور
اس کی طرف رغبت دلائی پھر فرمایا اور دوسرے میرے اہل بیت ہیں۔
میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اہل
بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اہل بیت کے بارے
میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔"

ان تمہیدی کلمات کے بعد تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا الست
اولیٰ بکم منکم یا ففسکم "کیا میں تم پر خود تم سے زیادہ حق تصرف
نہیں رکھتا؟ سب نے ہم آواز ہو کر کہا اللہم بلی "بیشک ایسا ہی ہے"
اپنی اولویت و حاکمیت کا اقرار لینے کے بعد حضرت علیؓ کو بغلوں میں ہاتھ
دے کر اوپر اٹھایا اور فرمایا:-

يا ايها الناس ان الله مولاي وانا مولى المؤمنين وانا
اولي بهم من انفسهم فمن كنت مولاه فهذا مولاه اللهم
وال من والاه وعاد من عاداه۔

”اے لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں تمام مومنوں کا مولا ہوں
اور میں ان کے نفسوں سے زیادہ ان پر حاکم و متصرف ہوں۔ یاد رکھو کہ
جس جس کا میں مولا ہوں اس کے یہ بھی مولا ہیں خدایا اسے دوست رکھ
جو انہیں دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو انہیں دشمن رکھے۔
ابن عبد البر نے تحریر کیا ہے:-

قال يوم غدیر خم من كنت مولاه فعلى مولاه اللهم
وال من والاه وعاد من عاداه۔

(ج ۲ - ص ۲۲)

”پیغمبرؐ نے غدیر خم کے دن فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کے علی
مولا ہیں۔ اے اللہ جو انہیں دوست رکھے تو اسے دوست رکھ اور جو
انہیں دشمن رکھے تو اسے دشمن رکھ۔“

اس اعلان کے بعد آنحضرتؐ فراز منبر سے نیچے تشریف لائے
اور نماز ظہر یا جماعت ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف
لے گئے اور لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ گروہ درگروہ علی کے خیمہ میں جائیں
انہیں اس منصب رفیع پر مبارکباد دیں۔ چنانچہ صحابہ نے تبریک و تہنیت
کے کلمات کہے۔ امہات المؤمنین اور دوسری خواتین نے بھی اظہار مسرت
کرتے ہوئے مبارک باد دی اور حضرت عمرؓ کے الفاظ تہنیت تو اب تک
کتب تاریخ و حدیث میں موجود ہیں اور وہ یہ ہیں:-

ہنیالٹ یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولیٰ کل
مومن ومومنة۔

رمند احمد حنبلی ج ۲۔ ص ۲۸۱

”مبارک ہو اے فرزند ابوطالب آپ تو ہر مومن اور مومنہ کے
مولا ہو گئے۔“

ادھر مبارکبادیوں کا سلسلہ جاری تھا ادھر جبرائیل امین نے اُتر
کر تکمیل دین و اتمام نعمت کا روج پرور مژدہ سنایا۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت
لكم الاسلام ديناً۔

”آج میں نے تمہارے دین کو ہر لحاظ سے کامل کر دیا اور تم پر اپنی
نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔“
جلال الدین سیوطی تحریر کرتے ہیں :-

عن ابی سعید الخدری قال لما نصب رسول اللہ علیا
یوم غدیر خم فنادی له بالولاية هبط جبرئیل علیہ
بهذه الاية اليوم اكملت لكم دينكم۔

”ابو سعید خدری کہتے ہیں جب رسول اللہ نے غدیر خم کے دن علی
کو اپنی جگہ پر نصب کیا اور ان کی ولایت کا اعلان کیا تو جبرئیل امین آیہ
اليوم اكملت لكم دينكم لے کر آنحضرت پر نازل ہوئے۔“

(تفسیر درمنثور ج ۲۔ ص ۲۵۹)

واقعہ غدیر خم متواتر و مسلم اور شکوک و شبہات سے بالاتر ہے
اس میں تاویلات سے تو کام لیا جاتا رہا لیکن اصل واقعہ کو جھٹلایا نہ جاسکا

اور نہ الفاظ حدیث کی صحت سے انکار کیا جاسکا کیونکہ اس حدیث کے کثرت طرق پر نظر کرنے کے بعد وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو مشاہدات اور دیدہات کے انکار کا عادی ہو۔ علم الہدیٰ سید مرتضیٰ نے فرمایا کہ واقعہ غدیر کا انکار چاند سورج اور ستاروں کے انکار کے برابر ہے علامہ مقلیٰ نے کہا ہے کہ اگر واقعہ غدیر یقینی نہیں ہے تو پھر دین کی کوئی بات یقینی نہیں ہے۔ فریقین کے علماء و محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک عظیم اجتماع کے اندر اپنی حاکمیت و اولویت کا اقرار لینے کے بعد فرمایا کہ جو مجھے اپنا مولا سمجھتا ہے وہ علی کو بھی اپنا مولا سمجھے مگر لفظ مولا کو حسبِ پسند معنی پہنا کر نگاہوں سے اوچھل رکھنے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاتا کہ اس حدیث کی رو سے جو حیثیت رسولؐ کی امت سے ہے وہی حیثیت علیؑ کی ہے تو سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی کا کوئی جواز نہ رہتا چنانچہ کبھی یہ کہا گیا کہ اس کے معنی دوست کے ہیں اور کبھی یہ کہا گیا کہ اس کے معنی ناصر و مددگار کے ہیں۔ لیکن سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ایک جلتے ہوئے صحرا میں ہزاروں کے مجمع کو جو اپنے گھروں میں پہنچنے کے لیے بے چین تھا سمیٹنا جبکہ کارواں کا ایک حصہ عقب میں رہ گیا تھا اور اگلا ریلا تین میل آگے جحفہ کے حدود تک پہنچ چکا تھا کانٹوں کو سمیٹ کر جلتی زمین پر بیٹھنے کی جگہ بنانا پالانوں کو جمع کر کے منبر نصب کرنا اور پیغمبرؐ کا اپنے حاکم و اولیٰ بالتصرف ہونے کا اقرار لینا کیا صرف یہ بتانے کے لیے تھا کہ جس کام میں دوست ہوں اس کے علیؑ بھی دوست ہیں یا جس کام میں مددگار ہوں، علیؑ بھی اس کے مددگار ہیں۔ کوئی بھی صاحب

عقل و دانش یہ باور نہیں کرے گا کہ یہ اہتمام و انصرام محض اتنی سی بات کے لیے تھا کیا ان لوگوں سے علی کی رسول اللہ سے دوستی و وابستگی مخفی تھی یا اوائل عمر سے اسلام و اہل اسلام کی نصرت میں علی کے کارنامے ڈھکے چھپے ہوئے اور کسی تعارف کے محتاج تھے یہ اللہ کا ارشاد ہے۔

الہومنون والمومنات بعضهم اولیاء بعض۔

”مومنین کیا مرد کیا عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست

ہیں“

اس دوستی کے اظہار کے لیے کافی نہیں تھا اور کیا پیغمبر اپنی حاکمانہ حیثیت منوائے بغیر اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔ بلاشبہ دوست و ناصر کے معنی مراد لینے سے یہ تمام چیزیں بے معنی و بے مدعا ہو کر رہ جائیں گی اور پھر اس پر بھی نظر ڈالیں کہ پیغمبر کو نصرت و دوستی کے اعلان سے کیا خطرہ ہو سکتا تھا کہ قدرت کو یہ کہنا پڑا واللہ یعصم من الناس ”اللہ تمہیں لوگوں کے شر سے بچائے رکھے گا“ اور یہ خطرہ بیرونی خطرہ بھی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تمام بیرونی خطروں کا انسداد کیا جا چکا تھا۔ اب اگر تھا تو اندرونی خطرہ تھا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا تھا جب پیغمبر کا اعلان ایک طبقہ کے سیاسی مصالح سے متصادم ہوتا اور ظاہر ہے کہ دوستی و نصرت کا اعلان تو خطرہ کو دعوت نہ دے سکتا تھا۔

یہ تمام قرائن و شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس مقام پر مولا کے معنی حاکم و متصرف کے ہیں اور جس طرح آنحضرتؐ کی ولایت و حاکمیت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح علی کی ولایت و حاکمیت کا اقرار بھی لازمی ہے

اور اسی معنی کی توضیح و تعیین کے لیے پیغمبر نے اپنی حاکمانہ و متصرفانہ حیثیت کا اقرار لیا تھا ورنہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اور حضرت عمرؓ نے مبارکباد پیش کی تو کچھ سمجھ کر ہی پیش کی ہوگی۔ اگر اس میں کسی نمایاں اعزاز کا اعلان نہ ہوتا تو تبریک کا عمل ہی کیا تھا۔ اگر جنبہ داری سے ہٹ کر انصاف اور حق پسندی سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ اعلان اسی اعلان کی صدائے بازگشت تھا جو واقعہ غدیر سے بیس برس قبل دعوتِ عشیرہ کے ایک محدود حلقہ میں کیا گیا تھا کہ :

ان هذا اخي ووصيي وخليفتي فيكم فاسمعوا له واطيعوا۔

”یہ میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے اس کی سنو اور مانو۔“
(تاریخ کامل - ج ۲ - ص ۲۲)

بہر حال اس اعلان سے نہ صرف مسئلہ خلافت واضح ہو جاتا ہے بلکہ پیغمبر کی تمام تبلیغات و تعلیمات میں اس مسئلہ کی اہمیت اور بنیادی حیثیت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اگرچہ پیغمبر اکرمؐ نے بعثت سے ہجرت تک اور ہجرت سے حجۃ الوداع تک ان تمام احکام کی تبلیغ کی جو وقتاً فوقتاً آپ پر نازل ہوتے رہے اور مسلمان ہر حکم پر عمل بھی کرتے رہے چنانچہ وہ نمازیں پڑھتے روزے رکھتے، زکوٰۃ دیتے اور جہاد میں شریک ہوتے تھے اور حج کے موقع پر جوق در جوق ادائے حج کے لیے بھی جمع ہو گئے تھے مگر آیہ قرآنی ”وَأَن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ“ اگر تم نے یہ نہ کیا تو گویا تم نے کوئی پیغام پہنچایا ہی نہیں“ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس آخری تبلیغ کے بغیر تمام احکام کی تبلیغ نا تمام بلکہ کالعدم تھی حالانکہ اللہ نے کسی حکم کی

تبلیغ کو دوسرے حکم کی تبلیغ پر موقوف نہیں رکھا مگر یہاں پیغمبر کی تیس سالہ تبلیغ کو صرف اس تبلیغ پر منحصر کیا گیا ہے اس طرح کہ اگر یہ تبلیغ نہ ہوتی تو دین ناتمام رہ جاتا اور کارِ رسالت پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ اس سے دو چیزوں کا ثبوت ملتا ہے ایک تو یہ کہ اس حکم کی حیثیت اسلام میں اصل و اساس کی ہے اور دوسرے اعمال و احکام کی حیثیت فروع کی ہے اور جس طرح بنیاد کے بغیر دیواروں میں استحکام نہیں آتا اور جڑ کے بغیر شاخیں پھلتی پھولتی نہیں اسی طرح اس آخری تبلیغ کے بغیر رسالت ناتمام رہتی اور دین اتمام و اکمال کو نہ پہنچتا۔ لہذا رسالت کو اگر اصول میں شمار کیا جاتا ہے تو جسے تکملہ تبلیغ رسالت قرار دیا گیا ہے۔ اسے بھی اصول میں داخل ہونا چاہیئے اور دوسرے یہ کہ جب اس امر کے نہ ماننے کی صورت میں ان تمام احکام کا سیکھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا کیا بنے نتیجہ نہ ثابت ہوگا۔

جیش اسامہ

۱۱ھ ہجری۔

پیغمبر اکرمؐ نے دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں حارث ابن عمیر ازوی کو اپنا سفیر بنا کر حاکم بصری کے پاس بھیجا تھا۔ مگر راستے میں حاکم بقاء شرجیل ابن عمرو غسانی نے انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع ہوئی۔ تو آپؐ نے تین ہزار کا ایک لشکر زید ابن حارثہ، جعفر ابن ابی طالب اور عبد اللہ ابن رواحہ کی زیر سرکردگی ترتیب دیا۔ اور فرمایا کہ اگر زید کام آجائیں

تو جعفر ابن ابی طالب سردار لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو
عبداللہ ابن رواحہ سید سالار ہوں گے۔

جب یہ لشکر معان میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ ہر قتل، روم، روم و شام
کی فوجوں کے ساتھ بلقاء میں چھاؤنی ڈالے پڑا ہے۔ مسلمانوں کو دشمن کی
کثرت و قوت کا پتا چلا تو ہر اس سال ہو کر معان میں رُک گئے اور کہنے لگے
کہ ہمیں مدینہ سے مزید ملک طلب کرنا چاہیے مگر عبداللہ ابن رواحہ نے
لشکر کا حوصلہ بڑھایا اور کہا کہ ہمیں دشمن کی ٹڈی دل فوجوں کو خاطر میں نہ
لانا چاہیے۔

مسلمانوں کی ہمت بندھی اور انہوں نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ جب
بلقار کے قریبوں میں سے ایک قریہ مشارف میں پہنچے تو دشمن کی نقل و
حرکت کو دیکھ کر موتہ کی طرف مڑ گئے تاکہ کسی مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال
کر دشمن سے ٹھٹھیں۔ جب موتہ میں پہنچے تو ایک میدان میں صف بندی
کی اور میمنہ و میسرہ ترتیب دیا۔ دشمن نے بھی وہاں پہنچ کر صفیں جما
دیں۔ زید بن حارثہ ہاتھوں میں علم لے کر نکلے اور شہید ہو گئے۔ ابن جعفر
ابن ابی طالب نے علم لے لیا اور میدان میں اُتر آئے۔ دشمن سے لڑتے
ہوئے کسی کی تلوار پڑی اور آپ کا داہنا ہاتھ قلم ہو گیا۔ آپ نے بائیں ہاتھ
سے علم سنبھالا اور جب بائیں ہاتھ بھی قطع ہو گیا تو علم کو سینہ سے
لگالیا اور اسی سے زیادہ تیر و تلوار کے زخم کھا کر شرفِ شہادت سے
ہمکنار ہوئے اور پیغمبرؐ نے انہیں ذوالجناحین (دو پروں والا) اور
الطیاری الجنۃ (جنت میں پرواز کرنے والا) کے لقب سے یاد کیا پھر
عبداللہ ابن رواحہ نے علم سنبھالا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان جلیل القدر علمبرداروں کے بعد کوئی نامزد علمبردار نہ رہا تھا۔ ایک انھاری ثابت ابن ارقم نے علم اٹھالیا اور کہا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو منتخب کر لو۔ لوگوں نے کہا کہ اب تم ہی علم لے رہے ہو، کہا کہ میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں کسی اور کو منتخب کرو۔ چنانچہ خالد ابن ولید نے علم لے کر سپہ سالاری کا منصب سنبھال لیا۔ انہوں نے کچھ دیر لڑائی کو جاری رکھا تھا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ اندھیرے کی وجہ سے لڑائی رک گئی۔ خالد نے اسے غنیمت سمجھا اور راتوں رات لشکر کو لے کر میدان سے ہٹ گئے اور مدینہ کا رخ کر لیا۔ جب یہ شکست خوردہ لشکر مدینہ میں پہنچا اور لوگوں کو لشکریوں کے رویہ فرار ہونے کا پتہ چلا تو مٹی اٹھا اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینکنا شروع کی اور انہیں بھگوڑوں کے نام سے یاد کیا۔ یہ لوگ شرمندگی سے منہ چھپاتے پھرتے تھے اور سلمہ ابن ہشام نے جو اس لشکر میں شریک تھے نماز جماعت میں آنا چھوڑ دیا اس لیے کہ جب مسجد میں آتے تھے تو لوگ یہ کہنے لگتے تھے:-

افترتم فی سبیل اللہ۔

”کیا تم وہی ہو جو اللہ کی راہ سے بھاگ نکلے تھے۔“

(تاریخ طبری۔ ج ۲۔ ص ۲۲۲)

یہ واقعہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں رونما ہوا تھا مگر ابھی تک شہداء موتہ کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کسی مصلحت کی بناء پر اسے اپنی زندگی کے آخری دنوں کے لیے اٹھا رکھنا چاہتے تھے چنانچہ اپنی بیماری کے ایام میں ایک اٹھارہ انیس سالہ نوجوان اسامہ ابن زید کی زیر سرکردگی ایک لشکر ترتیب دیا اور مہاجرین و انصار

کو ان کی ماتحتی میں جانے پر مامور کیا۔ ابن سعید نے تحریر کیا ہے:-
 فلم یبق من وجوه المجاہدین الاولین والانصار الا انتدب
 فی تلک العزوة فیہم ابوبکر الصدیق وعمر ابن الخطاب و
 ابو عبیدہ ابن الجراح وسعد ابن ابی وقاص وسعید ابن
 زید وقتادہ ابن النعمان وسلمۃ ابن اسلم ابن حریش۔

» انصار و مجاہدین اول میں سے کوئی نمایاں فرو ایسی نہ تھی جسے اس
 غزوہ میں شرکت کے لیے نہ کہا گیا ہو۔ ان لوگوں میں ابوبکر صدیقؓ، عمر ابن
 خطابؓ، عبیدہ ابن الجراحؓ، سعد ابن ابی وقاصؓ، سعید ابن زیدؓ، قتادہ
 ابن نعمانؓ اور سلمہ ابن اسلمؓ ابن حریشؓ بھی شامل تھے۔

(طبقات - ج ۲ ص ۱۹)

جب پیغمبرؐ نے غلات کے باوجود اپنے ہاتھ سے علم سچ کر اسامہ کو
 دیا تو مسلمانوں نے ان کے پرچم کے نیچے جانے کے بجائے ان کی افری
 پر لے دے شروع کر دی اور کھلے خزانوں اعتراضات کرنے لگے۔ کبھی
 یہ کہا کہ یہ تو عمر اور ناتجربہ کار ہے اور کبھی یہ کہا کہ یہ ایک آزاد کردہ غلام
 کا بیٹا ہی تو ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کے کانوں میں یہ نکتہ یعنی کی آوازیں پہنچیں
 تو بخار کی حالت میں پسٹے پسٹے سر پر پٹی باندھے باہر تشریف لائے اور
 خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:-

ان تطعنوا فی امرتہ فقد کنتم تطعنون فی امرۃ ابیہ
 من قبل وایم اللہ انہ کان لحلیقا للامرۃ وانہ کان لمن
 احب الناس الی وان ہذا احب الناس الی وان ہذا احب
 الناس الی بعدہ۔

”اگر تم اس کی امارت پر معترض ہو تو اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی طعنہ زنی کر چکے ہو خدا کی قسم وہ امارت کا سزاوار تھا اور میری نظروں میں دوسروں سے زیادہ پسندیدہ تھا اور اس کے بعد یہ بھی مجھے دوسروں سے زیادہ عزیز ہے“

(صحیح مسلم - ج ۲ - ص ۲۸۳)

اس کے بعد آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور مرض نے شدت اختیار کر لی مگر اس حالت میں بھی بار بار یہی فرماتے رہے:-

”جھڑو اجیش اسامہ انفدوا حیش اسامہ ارسلاو اجیش اسامہ“

”لشکر اسامہ کو جلدی بھیجو، لشکر اسامہ کو جلدی بھیجو، لشکر اسامہ کو فوراً روانہ کر دو“

اسامہ پیغمبر کو دیکھنے کے لیے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ بہتر ہو گا کہ آپ کے صحت یاب ہونے کے بعد لشکر کی روانگی ہو۔ فرمایا: نہیں تم لشکر کو لے کر فوراً چلے جاؤ اور اس میں ذرا تاخیر نہ کرو۔ اسامہ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جانے کی تیاری میں لگ گئے۔ ادھر پیغمبر پر مرض کا دباؤ بڑھ گیا اور غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب ذرا سنبھالا لیا تو دریافت فرمایا کیا لشکر روانہ ہو گیا ہے۔ بتایا گیا کہ ابھی جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آنحضرتؐ کی تیوریوں پر بل آئے اور فرمایا:-

جھڑو اجیش اسامہ لعن اللہ من تخلف عنها۔

”اسامہ کے لشکر کو فوراً روانہ کر دو، خدا کی لعنت ہو اس پر جو لشکر میں شریک نہ ہو“ (کتاب الملل والنحل ص ۵)

آنحضرتؐ کے بار بار کہنے اور زور دینے سے نکل تو کھڑے ہوئے
مگر مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر وادی جرف میں جا کر رُک گئے۔ اتنے
میں کسی نے خیر بھجوائی کہ پیغمبرؐ کا دم واپس ہے یہ سن کر اسامہ، ابو عبیدہ
اور حضرت عمرؓ مدینہ چلے آئے۔ یہ دن رسول اللہؐ کی زندگی کا آخری دن تھا
جب آپ جو ارحم میں پہنچ گئے تو دوسرے لوگ بھی واپس پلٹ آئے۔

اہل اسلام کے نزدیک پیغمبر اکرمؐ کا ہر حکم، حکم الہی کا آئینہ دار اور
وحی الہی کا ترجمان ہوتا ہے اور اس کی مخالفت حکم خدا کی مخالفت ہے
مگر اس کے باوجود پیغمبرؐ کا یہ تاکید فرماں ٹالم ٹول کی نذر ہو جاتا ہے اور
امورین میں سے کوئی اس پر عمل پیرا ہوتا نظر نہیں آتا۔ کاغذ و قلم طلب کرنے
پر تو ہذیان کی آڑ میں خلاف ورزی کا جواز پیدا کر لیا گیا تھا مگر خدا جانے کہ
اس حکم کی خلاف ورزی کے لیے کیا جواز ڈھونڈا جائے گا۔

اس تجہیز جیش کی مصلحت اور اس کی خلاف ورزی کے دواعی و
اسباب کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعہ کے پس منظر کا جائزہ
لیا جائے اور ان حالات پر نظر کی جائے جن حالات کے ماتحت رسول خداؐ
نے مہاجرین و انصار کو اسامہ کی زیر قیادت لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ تاریخ
بتاتی ہے کہ حجۃ الوداع کے بعد سے پیغمبرؐ کی طبیعت پر مرمہ رہنے لگی تھی
اس طبیعت کے اضمحلال نے بیماری کی صورت اختیار کر لی اور یہی بیماری
موت کا پیش نیمہ بن گئی۔

آنحضرتؐ حجۃ الوداع اور غدیر خم کے خطبوں میں یہ خبر دے چکے تھے
کہ میری موت کی ساعت قریب ہے اور میں جلد اس جہان فانی سے رخصت
ہو جانے والا ہوں اور حجۃ الوداع سے پلٹنے کے بعد بھی آپ کی زبان سے

ایسے کلمات سنے گئے جو ایک طرح سے موت کا واضح اعلان تھے اور
صحابہ بھی سمجھ رہے تھے کہ یہ رحمت و رافت کا آسمان جوتیس برس
سے ان کے سروں پر سایہ فگن تھا پیوند زمین ہونے والا ہے۔ عبداللہ
ابن مسعود کہتے ہیں:-

نعی الینا نبینا وحیبنا نفسہ قبل موت بشہر۔
”ہمارے پیغمبر نے رحلت سے ایک مہینہ پہلے اپنی موت کی خبر
دے دی تھی۔“

(تاریخ طبری ج ۲۔ ص ۴۳۵)

پیغمبر ایک طرف سفر آخرت کے قرب کی خبر دے رہے تھے اور دوسری
طرف ایسے فتنوں کے اُبھرنے پیشین گوئیاں بھی فرما رہے تھے جن کے
مہیب سائے افقِ عالم پر چھائے جا رہے تھے اور شبِ تاریک کے مانند
فضا کو تیرہ و تار بنانے کے لیے اسٹڈ آئے تھے۔ چنانچہ آپ اپنی زندگی کے
آخری ایام میں ایک رات لرزہ کھڑاتے سنبھلتے جنت البقیع میں تشریف لے
گئے اور اہل قبور کے حق میں دعائے مغفرت اور ان پر سلام کرنے کے بعد
فرمایا:-

لیهن لکم ما اصبعتم فیہ مما اصبح الناس فیہ قد

اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم یتبع اخرھا اولھا

والاخرۃ شر من الاولی۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۳۲)

”میں حال میں زندہ لوگ ہیں اسے دیکھتے ہوئے یہ حال تمہیں گوارا اور
مبارک ہو۔ اب تو کالی راتوں کی طرح کے فتنے پے درپے بڑھتے چلے آ رہے
ہیں اور جو فتنہ اٹھے گا وہ پہلے فتنہ سے بدتر ہو گا۔“

ان حالات میں کہ ایک طرف دم واپسیں اور دوسری طرف تباہ کن
فتنے سراٹھاتے نظر آرہے ہیں کیا ان قتنوں کا اسناد زیادہ ضروری تھا
یا موتہ کے ان شہیدوں کا قصاص زیادہ لازمی تھا جنہیں شہید ہوئے
دو ڈھائی سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور اس عرصہ میں نہ ادھر کوئی توجہ
کی گئی اور نہ کوئی عملی اقدام کیا گیا۔ اگر دشمن کی طرف سے چڑھائی کا اندیشہ
ہوتا یا غنیمت حملہ آور ہوتا تو اس صورت میں فوج کشی بہر حال لازمی تھی مگر
ان میں سے کوئی ایک بات بھی نہ تھی نہ دشمن چڑھ آیا تھا نہ غنیمت حملہ آور
تھا اور نہ ہوس ملک گیری کا سوال پیدا ہوتا ہے پھر اچانک اس کی
اہمیت کا اتنا احساس کیوں کہ جب غشی سے آنکھیں کھلتی ہیں بار بار
یہی فرماتے ہیں کہ جس طرح بن پڑے لشکر کو بھیج دو اور میں اپنی زندگی
میں سن لوں کہ لشکر جا چکا ہے اور پھر اس تاکید نے تہدید کی صورت
اختیار کر لی اور فرمایا کہ جو لشکر میں شریک ہو کر جانے سے گریز کرے وہ اللہ
کی لعنت کا سزاوار ہے۔ اس سے پہلے کبھی پیغمبرؐ نے یہ تہدید ہی لہجہ اختیار
نہیں کیا تھا بلکہ جنگ و جہاد میں جانے سے کسی نے عذر کیا تو اس کا عذر
منظور کر لیا کسی نے مجبوری ظاہر کی تو اسے رخصت دے دی مگر یہاں نہ
کوئی عذر سموع ہوتا ہے اور نہ جھوٹی سچی مجبوری کو مجبوری سمجھا جاتا ہے
بس ایک ہی اٹل فیصد ہے کہ یہاں سے چل دو۔ جس میں نہ رد و بدل کی
گنجائش ہے اور نہ ترمیم کی حالانکہ زندگی کے آخری لمحات میں انسان کی
یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے یار و انصار اس کے گرد و پیش جمع رہیں تجبیر و
تکلیف میں حصہ لیں۔ نماز جنازہ میں شریک ہوں اور اس کے قریبیوں اور
عزیزوں کا غم بٹائیں اور انہیں تسلی و تسکین دیں اور پھر ان لوگوں کے لیے

تو اس میں اور زیادہ الجھاؤ ہے اور جس کا نظریہ یہ ہے کہ پیغمبر نے اپنی
نیابت و جانشینی کا کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ اسے امت کے ارباب حل و
عقد پر چھوڑ دیا تھا اور اب جبکہ مستقبل قریب میں ان کے سر جوڑ کر بیٹھنے
کا وقت آ رہا تھا انہیں مدینہ سے کوسوں دور چلے جانے کا حکم کیا معنی رکھتا
ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر خلافت کا مسئلہ اہل شوریٰ و رائے کی صوابدید سے
وابستہ ہوتا تو انہیں جانے کا حکم قطعاً نہ دیا جاتا تا کہ وہ آپ کی وفات کے
بعد خلافت کا مسئلہ طے کریں اور امت کو فتنہ و انتشار سے بچا سکیں۔
پھر کیا وجہ تھی کہ پیغمبر ان کے جانے پر زور دیتے رہے کیا وہ مرکز میں
رہ کر ان فتنوں کا سد باب نہ کرتے جن فتنوں کے سراٹھانے کی پیشین گوئی
فرما رہے تھے۔ یا یہ کہ خود انہی سے کسی فتنہ کا اندیشہ تھا جس کے اسداد
کے لیے ان سے مدینہ خالی کرایا جارہا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ اپنے گرد و پیش والوں سے مطمئن
نہ تھے چنانچہ کچھ لوگ تو آپ کی خبر علالت سن کر اسلام سے مخوف ہو
رہے تھے اور کچھ لوگوں کے طور طریقے یہ بتا رہے تھے کہ وہ اقتدار کی راہیں
ہموار کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس کے معیار گھڑے جائیں گے،
اصول بنائے جائیں گے اور ان خود ساختہ اصولوں کے نتیجے میں مسلمان
بٹ جائیں گے اور اسلام پارہ پارہ ہو جائے گا۔

اسلام کے تحفظ کی واحد ضمانت پیغمبرؐ کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے
میں مضمر تھی۔ آنحضرتؐ مختلف مواقع پر اور خصوصاً غدیر خم کے موقع
پر ہدایت فرما چکے تھے کہ ان کے بعد علی خلیفہ و ولی امر ہوں گے مگر اس
کے ساتھ کچھ مشکلات بھی نظر آرہی تھیں آپ دیکھ چکے تھے کہ بعض لوگوں

کی نظروں میں علیؑ کا معمولی سے معمولی امتیاز بھی کھٹکتا ہے اور وہ بات بات پر شکایات کا طومار باندھنے لگتے ہیں۔ وہ یقیناً دعوتِ عشرہ کے عہد و پیمان اور غدیر خم کے اعلان کو عملی جامہ پہنائے جانے میں مزاحم ہوں گے اور جنہوں نے آپ کے جیتے جی اسامہ کی امارت کو تسلیم نہ کیا ہو اور ان کی نوعمری کی وجہ سے انہیں قیادت کا اہل نہ سمجھا ہو، وہ علیؑ کو بلاچون و چرا کس طرح نمائندہ اسلام اور خلیفہ رسولؐ تسلیم کر لیں گے۔ اور کیا ان کی کم عمری پر بھی اعتراض نہ ہوگا۔

اگرچہ پیغمبرؐ نے ایک نوجوان کو امارت دے کر اس اعتراض کو اعتراض نہیں رہنے دیا تھا پھر بھی حضرت علیؑ اس اعتراض سے نہ بچ سکے۔ اور یہ کہا گیا کہ وہ ابھی جوان ہیں اور خلافت و امارت کے لیے کوئی عمر رسیدہ آدمی ہی موزوں ہو سکتا ہے۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ اس تجویز حبش میں جہاں یہ مقصد کار فرما تھا کہ شہداء و متو کا قصاص لیا جائے وہاں یہ اہم مقصد بھی اس میں مضمر تھا کہ جن جن سے یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ وہ حضرت علیؑ کی خلافت کی عملی تکمیل میں مزاحم ہوں گے، انہیں اتنے عرصہ کے لیے مدینہ سے باہر بھیج دیا جائے کہ جب وہ پلٹ کر آئیں تو خلافت اپنے مرکز پر قائم ہو چکی ہو اور رخنہ اندازیوں کا سد باب ہو چکا ہو۔

اگرچہ پیغمبرؐ اگر یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ لوگ جانے والے نہیں ہیں مگر پیغمبرؐ کا پیغمبرؐ ہونے کی حیثیت سے بہر حال یہ فرض تھا کہ وہ خاموش بیٹھنے کی بجائے پیہم جدوجہد کرتے رہیں اور لوگوں کی نافرمانی و خلاف ورزی سے گھبرا کر سپر انداختہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ پیغمبرؐ کا کام ادائے فرائض ہے خواہ ان

کی آواز پر کان دھرا جائے یا نہ دھرا جائے۔ اور پھر یہ اصرار رائیگاں بھی
تو نہیں گیا اس سے کوئی اور مقصد حاصل ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر اتنا تو ہوا کہ
جنہوں نے پیغمبرؐ کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں اقتدار حاصل کیا ان کے دلوں
کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی ہوسِ اقتدار بے نقاب ہو کر سامنے آگئی
اور ان کے اقتدار کی شرعی حیثیت بھی واضح ہو گئی۔

بہر حال اس خلاف ورزی کا مقصد ہی یہ تھا کہ اگر چلے جانے کی صورت
میں یہ بیل منڈھے چڑھ گئی اور اقتدار کا رخ دوسری سمت مڑ گیا تو اپنی
طرف موڑنے میں کامیابی نہ ہو سکے گی اس طرح یہ ایک اعصابی جنگ
تھی جو اندر ہی اندر لڑی جا رہی تھی۔ اُدھر پیغمبرؐ جانے کے لیے کہتے اُدھر
جاتے اور پھر پلٹ آتے کبھی مزاج پُرسی کے حیلہ سے اور کبھی سامان کی
فراہمی کے بہانہ سے، کچھ کن سوئیاں لینے کے لیے یہیں رہ جاتے اور کچھ
لشکر گاہ کی طرف پلٹ جاتے۔ غرض پیغمبرؐ نے لاکھ لاکھ کہاں سنا مگر نہ جانا
تھا نہ گئے یہاں تک کہ پیغمبرؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں تو ان کا حکم ہوسِ حکمرانی کے بوجھ کے نیچے
دب کر رہ جاتا ہے اور پیغمبرؐ کے بار بار کہنے کے باوجود بوجھل قدموں میں
جنش پیدا نہیں ہوتی مگر جب خلافت قائم کر لی جاتی ہے تو سب سے
پہلے لشکرِ اسامہ کی روانگی کا بندوبست کیا جاتا ہے تاکہ اس طرح حکمِ رسولؐ
کی نافرمانی کا دھبہ بھی دھل جائے اور یہ تاثر بھی دیا جاسکے کہ اللہ اللہ
حکمِ رسولؐ کا کتنا پاس دلا نظر تھا کہ اقتدار کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے
ہی فوراً لشکر روانہ کر دیا۔ اگرچہ ایک کثیر تعداد نے اس کی مخالفت کی تھی
مگر حضرت ابوبکرؓ کو اصرار تھا کہ اسامہ کی زیرِ نگرانی لشکر کی روانگی ضرور

عل میں لائی جائے اور جسے چند دن پیشتر امارت کا اہل تصور نہ کیا گیا تھا اب اسے اہل سمجھ لیا گیا۔ انصار کی رائے یہ تھی کہ لشکر کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور اگر ملتوی نہ کی جائے تو اسامہ کی بجائے کسی معمر و سن رسیدہ شخص کو لشکر کی امارت سپرد کی جائے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انصار کی ترجیحی کرتہ ہوئے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اسامہ کو امارت سے برطرف کر دیا جائے جس پر حضرت ابوبکرؓ بہت بگڑے۔ اور کہا۔

ثُمَّ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَمْرٌ وَكَانَ مَقَرُّهُ يَوْمَئِذٍ الْخَطَابُ اسْتَعْمَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ وَتَأْمَرُنِي اَنْ اَنْزِعَهُ

”تم مجاؤ اور تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے اسے خطاب کے بیٹے اسے رسول اللہؐ نے امیر مقرر کیا تھا اور تم مجھے یہ کہتے ہو کہ میں اسے علیحدہ کر دوں۔“

(تاریخ طبری ج ۲۔ ص ۴۶۲)

اگر لشکر کی روانگی میں حکم رسولؐ کا احترام ملحوظ تھا تو اس احترام کا تقاضا یہ بھی تھا کہ اسامہ کی معزولی کا مطالبہ نہ کیا جاتا اس لیے کہ وہ رسولؐ کے منتخب کردہ تھے اور رسولؐ نے ان لوگوں سے خفگی کا بھی اظہار کیا تھا جنہوں نے ان کی امارت پر نکتہ چینی کی تھی اگرچہ حضرت عمرؓ انصار کے پیغمبر تھے مگر اس معزولی میں ان کے ہمنوا تھے۔ اگر وہ انصار کے ہمنوا نہ ہوتے تو وہ ان کی طرف سے پیغمبر بن کر آنے کی بجائے انہیں کہہ دیتے کہ اسامہ رسولؐ کے مقرر کردہ ہیں تم ان کی معزولی کا مطالبہ کرنے والے کون ہوتے ہو یا یہ کہتے کہ تم خود ہی حضرت ابوبکرؓ کے پاس چلے جاؤ اور انہیں

کہو کہ وہ اسامہ کو برطرف کر دیں اور حضرت ابوبکرؓ بھی حضرت عمرؓ پر بگڑنے کے بجائے انصار پر بگڑتے۔

ظاہر ہے کہ یہ خفگی اسی بناء پر ہوگی کہ انہیں انصار کا ہمنوا پایا ہوگا بہر حال حضرت ابوبکرؓ کے کہنے سننے سے اسامہ کی امارت تو قبول کر لی گئی مگر پھر بھی کچھ لوگوں نے عملاً ان کی امارت کو تسلیم نہ کیا اور لشکر میں شریک ہونے سے کنارہ کش رہے۔ حضرت ابوبکرؓ تو حکومت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے نہ گئے ہوں گے حضرت عمرؓ بھی اسامہ سے اجازت لے کر رہ گئے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسامہ کو یہ حق پہنچتا تھا کہ جنہیں رسول اللہ نے نام لے لے کر مامور فرمایا ہو وہ انہیں اجازت دے کر رخصت کر دیں؟ ظاہر ہے ان کی حیثیت ایک سپہ سالار کی تھی اور وہ قطعاً اس کے مجاز نہ تھے کہ جسے چاہیں ساتھ رکھیں اور جسے چاہیں چھوڑ جائیں۔ پھر اس اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے کے معنی ہی کیا؟ اور وہ اگر مجاز بھی فرض کر لیے جائیں تو حکومت کی سطوت و ہیبت کے سامنے اجازت دینے سے انکار بھی کیسے کر سکتے تھے۔

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶

۹۲۱۱۰

یاساحب الزماں اور کئی

DVD
version

لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون
رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABEEL-E-SAKINA
Unit#8,

Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc
sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL USE